قُل للعیونِ الرُّمدِ ایّاکِ اَن تَری سَنا الشَّمسِ فاستَغشی ظلامَ اللیالیا

گرد آلود آنکھوں سے کہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے اوپر اوڑھ لیں

ذخیرہ

مقامِ حیات

المسمّٰی بہ

مدارک الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

یعنی

مکینِ گنبدِ خضرا کی حیاتِ برزخی کا بیان

تالیف

علّامہ خالد محمود سیالکوٹی

مکتبہ پیامِ اسلام

اندرون شیرانوالہ گیٹ • لاہور

Marfat.com

کتاب ملنے کے پتے

پاکستان میں

(۱) جناب شفیق احمد صاحب قریشی، نقشبندی، مجددی ۵۵ - رام تلائی سیالکوٹ

(۲) المکتبۃ الحبیبیہ غلہ منڈی منٹگمری

(۳) مولانا دوست محمد صاحب معرفت مولانا خدا بخش صاحب خطیب جامع مسجد بیرون دہلی گیٹ ۔ ملتان

(۴) ناظم مکتبہ حنفیہ مسجد گنبد والی ۔ جہلم

(۵) مکتبہ مخزن العلوم متصل عیدگاہ خان پور ۔ ضلع رحیم یار خاں

(۶) مولانا فضل حق صاحب خطیب جامع مسجد گنج منڈی ۔ راولپنڈی

ہندوستان میں

(۱) کتب خانہ امداد الغربا ۔ سہارن پور

(۲) مولانا محمد ازہر شاہ صاحب قیصر شاہ منزل ۔ دیوبند

Marfat.com

قل للعیون الرمد ایاک ان تری سنا الشمس واستغشی ظلام اللیالیا

گرد آلود آنکھوں سے کہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے اوپر اوڑھ لیں

مقام حیات

المسمّٰی بہ

مدارک الاذکیاء فی حیٰوۃ الانبیاء علیہم السلام

یعنی

مکینِ گنبدِ خضرا کی حیاتِ برزخی کا بیان

○

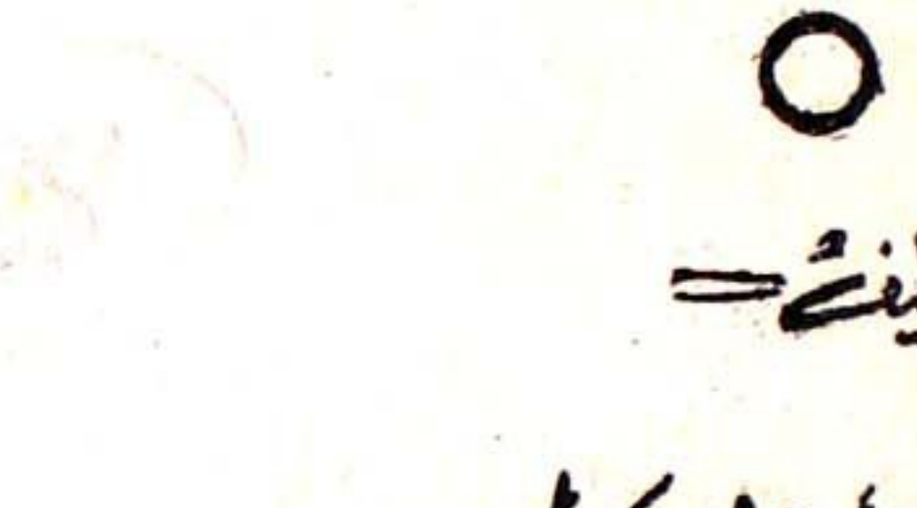

تالیف

علامہ خالد محمود سیالکوٹی

ملنے کا پتہ

مکتبہ پیام اسلام

اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور ۸

Marfat.com

حُقُوقُ التَّالِیفِ کُلّھَا محفوظۃٌ لِلمُؤلّفِ

86863

ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ

طبع .... اول

تعداد .... دوہزار

قیمت قسم اول .... پانچ روپے

قیمت قسم دوم .... ساڑھے تین روپے

ناشر

ادارہ حفظ معارف اسلامیہ

لاہور

دی کواپریٹو کیپٹل پرنٹنگ پریس لمیٹڈ
وطن بلڈنگ لاہور میں
باہتمام طالب حق منیجر طبع ہوئی

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مطالب	صفحات
۱	تعارف و اعتذار	۹
۲	سواد اعظم کا عقیدہ دربار حیات نبویہ	۱۱
۳	اختلافات کی حدود	۱۲
۴	حیاتِ جسدی کا انکار اور اس سے متعلقہ مفاسد	۱۳
۵	حیاتِ قبریہ	۱۵
۶	حیاتِ جسدی کے انکار کا دوسرا نتیجہ	۱۷
۷	آنحضرتؐ کی وفاتِ شریفہ کے بعد بھی حقیقی طور پر رسول ہیں	۱۸
۸	کرامیہ کا مکر و فریب	۱۹
۹	کرامیہ کے خصوصی نظریات	۲۰
۱۰	انکار حیات کا تاریخی پس منظر	۲۰
۱۱	مقدمہ	

نمبر شمار	مطالب	صفحات
۱۲	استدلال بالقرآن کا دلکش نعرہ	۲۶
۱۳	قرآن پاک اور آنحضرتؐ کی وفات شریفہ	۲۷
۱۴	اثبات عقائد میں دلائل ظنیہ سے استشہاد۔	۲۸
۱۵	ذہنی جاہلیت سے مفہوم۔ موت پر اختلاف	۳۰
۱۶	موت کے بارے میں قرآنی نظریہ	۳۲
۱۷	حقیقت موت	۳۴
۱۸	ایک سوال	۳۸
۱۹	حدیثی مباحث میں غیر عالمانہ روش	۴۱
۲۰	تمہید	
۲۱	حیاتِ انسانی کے چار دور	۴۴
۲۲	کیفیت عذاب القبر	۴۷
۲۳	تنقیح المبحث	۵۰
۲۴	اعادہ حیات کے احتمالات ثلثہ	۵۲

Marfat.com

نمبر شمار	مطالب	صفحات
	اور حیات جسمانی کی قدر مشترک	۵۲
۲۵	اصل مبحث	۵۵
۲۶	حیات جسمانی کا مفہوم	۵۶
۲۷	موت وحیات کا محل	۵۸
۲۸	حیات برزخیہ	۵۸
۲۹	روح کی حقیقت	۵۹
۳۰	مفارقت بدن کے بعد روح کا شعور	۶۱
	حیات بعد الوفات لسید الکائنات	
	الباب الاوّل	
۳۱	حدیث اول تحفظ اجساد انبیاء	۶۲
۳۲	قطعات روایت میں ربط مطالب	۶۳
۳۳	ایک کثیفہ	۶۵
۳۴	تائید مزید از روایت ابن ماجہ	۶۶
۳۵	توثیق روایت ابی الدرداءؓ	۶۸
	الفصل الاوّل وفیہ ستۃ من المباحث	
۳۶	مبحث اول در احوال رواۃ	۶۹
۳۷	مبحث ثانی کن کن آئمہ نے حدیث کی تصحیح کی ہے۔	۷۱

نمبر شمار	مطالب	صفحات
۳۸	دس حوالے	۷۲/۷۵
۳۹	مبحث ثالث کن کن آئمہ نے اس حدیث کا مطلب حیات النبی یقین کیا۔	۷۶
۴۰	دس حوالے	۷۶/۸۳
۴۱	مبحث رابع۔ حدیث ابی الدرداء واحوال رواۃ	۸۴
۴۲	تفسیر المتصل بالمرسل	۸۶
۴۳	مبحث خامس	۸۷
۴۴	کشف الحجاب عن وجہ الاضطراب	۸۹
	حدیث رد روح کا مفہوم (حاشیہ)	
۴۵	طبرانی کی روایت بلغنی صوتہ میں تصحیف	۹۲
	مبحث سادس	
۴۶	مولانا الشہیدؒ کی عبارت	۹۳
	الفصل الثانی وفیہ ستۃ من المباحث	
۴۷	حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر	۹۷
۴۸	معراج کی رات مختلف مقامات	

Marfat.com

نمبر شمار	مطالب	صفحات
	پرانبیاء کی ملاقات کیسے تھی	۹۸
	مبحث ثانی	
۴۹	حیات فی القبر کے خصوصیّت موسیٰؑ ہونے پر بحث	۱۰۰
۵۰	مبحث ثالث انبیاء کرام کے اجساد عنصریہ سے حاضر ہونے کی بحث	۱۰۱ / ۱۰۴
۵۱	مبحث رابع	
۵۲	عالم برزخ میں اعمال طیبہ کا وجود	۱۰۵
۵۳	مبحث خامس	۱۰۸
۵۴	مرسلات صحابہ کا حکم	۱۰۹
	مبحث سادس	
۵۵	دادی ارزق وغیرہ کے مشاہدات اگر مثالی ہوں تو بھی مقصود بحث متاثر نہیں ہوتا۔	۱۱۰
۵۶	اس موقف کے قائلین پر ایک الزام	۱۱۱
	الفصل الثالث وفیہ ستۃ من المباحث	
۵۷	حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم	۱۱۸

نمبر شمار	مطالب	صفحات
۵۸	سلسلۂ اسناد	۱۱۹
۵۹	مبحث اول فی احوال الرواۃ	۱۲۰
۶۰	کشف المستحارہ عن وجہ النکارۃ	۱۲۱
۶۱	مبحث ثانی	۱۲۳
۶۲	مبحث ثالث کن کن محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔	۱۲۵
۶۳	دس حوالے	۱۲۶ / ۱۲۸
۶۴	حدیث کی صحت پر اکابر دیوبند کا فیصلہ	۱۲۹
۶۵	مبحث رابع الکلام علی معنی الحدیث	۱۲۹
۶۶	اشتغال بالاعمال الطیبہ	۱۳۲ / ۱۳۳
۶۷	البیان المسدد من حضرت المجدد	۱۳۴
۶۸	چھ حوالے	۱۳۷
	مبحث خامس	
۶۹	الکلام علی عالم المثال	۱۳۷
۷۰	ارشاد حضرت مجدد الف ثانی	۱۳۹
۷۱	مبحث السادس فی معنی القبر	۱۴۱

Marfat.com

نمبر شمار	مطالب	صفحات
۷۲	ایک غلطی کا ازالہ	۱۴۱
۷۳	خلاصہ مفہوم حدیث	۱۴۴
	الفصل الرابع وفیہ ثلثۃ من المباحث	
۷۴	حدیث سماع صلوٰۃ عند القبر الشریف	۱۴۵
	مبحث اول	
۷۵	کن کن آئمہ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔	۱۴۶
۷۶	گیارہ حوالے۔	۱۴۶ / ۱۴۹
۷۷	مبحث ثانی در رواۃ حدیث	۱۴۹
۷۸	حدیث کی دوسری سند	۱۵۱
۷۹	عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج	۱۵۳
۸۰	مبحث ثالث در معنی حدیث	۱۵۶
	الباب الثانی	
	فصل اول در مسئلہ خلفائے راشدین	
۸۱	خطبہ صدیق اکبرؓ کی شان درود	۱۵۸
۸۲	حضرت عمر کا موقف	۱۶۰
۸۳	حقیقت الامر	۱۶۱

نمبر شمار	مطالب	صفحات
۸۴	تنوع موت پر پہلی شہادت	۱۶۴
۸۵	تنوع موت پر دوسری شہادت	۱۶۵
۸۶	اعتقاد الصدیق لحیات الرفیق	۱۶۸
۸۷	مفہوم موتتین کی تعیین	۱۶۹
۸۸	شیخ الاسلام علامہ عینیؒ کا فیصلہ	۱۷۱
۸۹	حافظ ابن حجر عسقلانی کا فیصلہ	۱۷۲
۹۰	منکرین حیات اہلسنت سے خارج ہیں؟	۱۷۵
۹۱	اعتقاد الفاروق الاعظم لحیات النبی الخاتم	۱۷۶
۹۲	حضور کی مجلس میں آواز بلند نہ کرنے کا حکم۔ قبر شریف کے نزدیک بھی نافذ ہے۔	۱۷۷
۹۳	حضرت فاروقِ اعظم کا اعتقاد	۱۷۸
۹۴	تائید مزید	۱۸۰
۹۵	حضرت عثمانؓ کا اعتقاد	۱۸۱
۹۶	حضرت علی مرتضیٰ کا اعتقاد	۱۸۲
۹۷	اذ ظلموا انفسھم جاؤک	۱۸۴

Marfat.com

نمبر شمار	مطالب	صفحات
	کا حکم وفات شریفہ کے بعد بھی نافذ ہے۔	۱۸۵
۹۸	بیان عقیدہ از عائشہ صدیقہ رضؓ	۱۸۷
۹۹	خلیفہ عبدالملک کے زمانے کا ایک واقعہ۔	۱۸۹
۱۰۰	انبیاء کے علاوہ بعض دوسرے مقربین کے بھی اجساد کا تحفظ اور حیات قبریہ کے ادراکات	۱۹۰
۱۰۱	حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل	۱۹۲
۱۰۲	درود کے مختلف صیغوں کا حکم	۱۹۴
۱۰۳	حضرت ایوب انصاریؓ کا واقعہ	۱۹۵
	الفصل الثانی مذاہب اربعہ در حیات نبویہ۔	
۱۰۴	عقیدہ حضرات مالکیہ	۱۹۶
۱۰۵	عقیدہ حضرات شوافع	۱۹۸
۱۰۶	حنابلہ کرام	۱۹۹
۱۰۷	حنفیہ کرام کا عقیدہ	۲۰۰
۱۰۸	محقق ابن ہمام کا بیان۔	۲۰۱

نمبر شمار	مطالب	صفحات
۱۰۹	اکابر اہل حدیث کا عقیدہ	۲۰۷
	عقیدہ متکلمین در حیات النبیؐ	
۱۱۰	اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ	۲۰۸
	الفصل الثالث شواھد الحیات من بیان الواقعات	
۱۱۱	واقعہ حرّہ	۲۰۹
۱۱۲	قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال	۲۱۰
۱۱۳	واقعہ سلطان نور الدین شہید	۲۱۱
۱۱۴	شہادات اجماع	۲۱۴
۱۱۵	انکار حیات جسمانی معتزلہ کا مذہب ہے	۲۱۶
	الفصل الرابع	
۱۱۶	مبحث اول۔ حیات فی القبر	۲۱۷
۱۱۷	قبر میں اعادہ روح اور متعلقہ حدیث کی تصحیح۔	۲۱۹
۱۱۸	مبحث ثانی۔ تحقیق رواۃ	۲۲۰
۱۱۹	مبحث ثالث اعادہ روح کے متعلق متکلمین کا موقف	۲۲۵
۱۲۰	مبحث رابع اعادہ روح اور،	

Marfat.com

نمبر شمار	مطالب	صفحات
	اتصال روح میں موازنہ	۲۳۰
	الباب الثانی	
	مسلک ارجمند از اکابر دیوبند	
۱۲۱	دیوبندیت کیا ہے؟	۲۳۴/۲۳۵
۱۲۲	عقیدہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	۲۳۷
۱۲۳	عقیدہ حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ۔	۲۴۲
۱۲۴	عقیدہ حضرت شیخ الہندؒ	۲۴۲
۱۲۵	عقیدہ حضرت محدث سہارنپوریؒ	۲۴۴
۱۲۶	عقیدہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ	۲۴۶
۱۲۷	عقیدہ حضرت امام انور شاہ کشمیریؒ	۲۴۶
۱۲۸	عقیدہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ	۲۴۸
۱۲۹	عقیدہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔	۲۴۹
۱۳۰	عقیدہ حضرت مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہؒ۔	۲۵۰
۱۳۱	عقیدہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۵۱
۱۳۲	ارشاد حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم	۲۵۴
۱۳۳	ارشاد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری دامت برکاتہم	۲۵۷
۱۳۴	ارشاد حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم۔	۲۶۴
۱۳۵	ارشاد سابق مفتی اعظم دیوبند مفتی محمد شفیع صاحب	۲۶۴
۱۳۶	ارشاد مفتی اعظم دیوبند مفتی مہدی حسن صاحب	۲۶۷
۱۳۷	ارشاد حضرت شیخ الحدیث غور غشتی صاحب	۲۶۹
۱۳۸	ارشاد شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری دامت برکاتہم	۲۷۰
۱۳۹	ارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری دامت برکاتہم	۲۷۱
۱۴۰	اکابر دیوبند کا مسلک اور ان کا متفقہ اعلان	۲۷۲

Marfat.com

تعارف و اعتذار

اِس نازک دَور میں، جبکہ عوامی سطح پہ مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے، تن آسانیاں اَور لذّت سامانیاں مذہب سے عام بیزاری پیدا کرنے میں مصروفِ عمل ہیں ——— ضرورت تھی کہ احترامِ دین اَور فکرِ آخرت رکھنے والا طبقہ ——— جسے کہ عام طَور پہ دِینی طبقہ کہا جاتا ہے ——— اپنی مجموعی کوششیں اَور تمام تر جِدّ و جہد ——— دین و ملّت کے اُصولی مسائل پر مرتکز کر دے، لیکن افسوس کہ جو لوگ احترامِ دین کے احساس میں مشترک تھے، تفاصیلِ فکر و عمل میں خود مختلف راہیں چلنے لگے اَور ؎

جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے

مالی قدروں اَور جنسی لذّتوں کا آمیزہ ——— اِسلام کو اپنے رستے میں ایک رُکاوٹ سمجھ کر لادینی کے لیے ایک متحدہ محاذ بنا رہا ہے ——— زمین کہاں تک ہموار ہو چکی ہے، یہ اِس کی تفصیل کا موقعہ نہیں ——— مذہبی راہنماؤں سے مذہب تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا ——— تنگ نظر فرقہ پرستوں کو خوش فہمی ہے ؎

ہنوز دِلّی دُور است!

سوادِ اعظم کے مختلف مسالکِ عمل بے شک ایک ہی جادۂ شریعت کے نظامِ وُسعت اَور ایک ہی چشمۂ عمل کے مختلف کنارے تھے۔ عقائد کی مختلف تعبیرات بھی بلا ریب نزاعِ لفظی کی حدود سے متجاوز نہ تھیں، لیکن افسوس کہ محدود ذہنوں کی تنگ نظری نے انھیں بھی جنگ کے میدان بنا کر سوادِ اعظم کی مرکزی وحدت کو پارہ پارہ

Marfat.com

کر دیا۔

اختلاف سے خلاف پیدا ہوا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اصول تو درکنار، فروعات اور تعبیرات پر بھی تعصب اور تحزب کی تند ہوائیں چلنے لگیں۔ ایسے حالات میں ہر دردمند اور حساس مسلمان کا دل تڑپ اٹھتا ہے اور تڑپنا بھی چاہیے کہ ؎

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے!

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ بعض ابواب میں خود شریعت ہی مختلف طریقِ عمل پیش کر کے اسلام کے نظامِ وسعت کا پتہ دیتی ہے، بے شک ایسے اختلافات رحمت ہیں۔ لیکن بیمار عقلیں اور کمزور ذہن جب ان اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اجماعیات اور مسائلِ متفقہ میں بھی کیڑے نکالنے لگیں، تو کون سا حقیقت آشنا دل ہے، جو زخمی نہ ہو اور کون سی صداقت پسند آنکھ ہے، جو اشکبار ہوئے بغیر رہ سکے!

اندرونی اتحاد کی ضرورت جتنی بیرونی حملے کے وقت ہوتی ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی محسوس کی گئی ہو۔ ضروری ہوتا ہے کہ داخلی انتشار کے سدِ باب کے لیے جملہ عوامل بروئے کار لائے جائیں —— فطرت کا نظامِ انقلاب اور قومی زندگی کا مد و جزر اس حقیقت کا نہ صرف پتہ دیتے ہیں، بلکہ یقین دلاتے ہیں کہ وحدتِ ملی کا مرکز و محور صرف اور صرف اعتماد علی السلف ہے۔ سلف سے مراد نسل و وطن کے پیش رو نہیں، بلکہ علم و معرفت کے وہ ستون ہیں، جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں علمِ نبوت —— پوری امت کو وراثت میں ملتا رہا۔ فکر و نظر کی وسعتیں اسی حد تک لائقِ تحسین ہیں کہ اعتماد علی السلف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور احساسِ ملی کا یہ چشمۂ حیات گدلا نہ ہونے پائے ؎

راہِ آبا رو کہ ایں جمعیت است　　　معنیِ تقلید ضبطِ ملت است! (اقبال)

Marfat.com

جاننا چاہیے کہ سوادِ اعظم، اہل السنّت والجماعت، کا سلف و خلف سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دُنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالمِ برزخ میں جو حیات حاصل ہے، وہ اُسی جسدِ اطہر کے ساتھ ہے، جو دُنیا میں آپ کو حاصل تھا اور جسے روضۂ مطہرہ میں دفن کیا گیا تھا۔ قبرِ منوّر کی اس حیاتِ جسمانی کا مدار اس دُنیا کے رزقِ مادّی پر نہیں، بلکہ برزخ کے رزقِ رُوحانی پر ہے۔ حضور کی ایسی حیاتِ برزخی کا، جو باعتبارِ تعلق بالبدن حیاتِ جسمانی اور باعتبارِ تعلق بالرزق حیاتِ رُوحانی ہے، آج تک سلف و خلف سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جس نے بھی اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی، اُسے اس متوارث نظریئے کے تسلیم کرنے سے چارہ نہ رہا ——— احناف و شوافع، موالک و حنابلہ، محدثین و متکلمین اور فقہا و ائمۂ ہدیٰ میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی ——— باوجود تلاش و تجسّس کے، پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر روضۂ منوّرہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعور پڑا ہے اور رُوحِ مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں (معاذ اللہ)۔ ——— من ادعی فعلیہ البیان۔

اس میں تو کچھ خفیف سا اختلاف نظر سے گزرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روح اقدس اعلیٰ علیین سے لا کر پھر آپ کے جسدِ اطہر میں لوٹا دی گئی تھی۔ یا آپ کی وفاتِ شریفہ کے وقت رُوحِ مبارک قبض ہو کر آپ کے قلبِ منوّر ہی میں ٹھہر چکی تھی، جو بعدِ دفن پھر سارے جسدِ اطہر میں پھیلا دی گئی، یعنی روضۂ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی رُوح لوٹنے سے قائم ہوئی یا رُوح پھیلانے سے اس کا استقرار ہوا ——— ہمیں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کیفیتِ حصولِ حیات کیا تھی۔ امر واقع خواہ کوئی ہی صورت ہو، یہ بہرحال قدرِ مشترک ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے تشریف فرما ہیں۔

Marfat.com

یہ اختلاف بھی نظر سے گزرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روحِ اقدس نے اعلیٰ علیین، رفیقِ اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ میں استقرار پکڑا اور وہاں سے اُس نے روضۂ منورہ میں پڑے ہوئے جسدِ اطہر پہ اپنی شعاعیں ڈالیں اور اس تاثیر سے پھر آپ کے جسدِ اطہر میں حیات لوٹ آئی، یا امرِ واقع یہ تھا کہ روحِ اقدس اس حظیرۂ قدسیہ یا اعلیٰ علیین سے تعلق قائم کرکے پھر قبرِ شریف میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر میں لوٹا دی گئی، یعنی روضۂ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی روحِ مبارک لوٹانے سے قائم ہوئی، یا تاثیرِ روح سے اس کا تقوم ہوا۔ ہمیں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ اس وصولِ حیات کی کیفیت کیا تھی۔ صورتِ واقعہ خواہ کچھ ہو، یہ حقیقت بہرحال قدرِ مشترک ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے تشریف فرما ہیں اور وہ جسدِ اطہر وہی ہے، جو اس دنیا میں تھا۔

اگر اختلافات کی حدود یہی رہتیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روضۂ شریفہ کی حیات ——— کا تقوم جسدِ اطہر میں روحِ مبارک دوبارہ لوٹنے سے ہوا یا روحِ مبارک پھیلانے سے ——— آپ کی یہ حیاتِ جسمانی وخولِ روح سے قائم ہوئی یا تاثیرِ روح سے اس کا تحقق ہوا ——— تو اس میں دخل دینے کی ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ یہ وہ مباحث ہیں، جو خود سوادِ اعظم کے مختلف طبقوں میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں، نیز جو اختلافات ترتبِ آثار و احکام پر اثر انداز نہ ہوتے ہوں، اُن پر وقت صرف کرنا فکر و نظر کی کوئی خاص خدمت نہیں۔ ان مباحث میں سے خواہ کوئی موقف اختیار کر لیا جائے، اہلِ سنت کا یہ اجماعی نظریہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دنیا والے جسدِ اطہر کے ساتھ جسمانی حیات ہے اور اس کا مدار اس دنیا کے رزقِ مادی پر نہیں، بلکہ عالمِ برزخ کے رزقِ روحانی پر ہے۔ دنیوی حیات کے صرف انھی لوازم کو وہاں ثابت مانا جائے گا، جن کے لیے

Marfat.com

مُستقل دلیل شریعتِ طاہرہ میں موجود ہو، اس لیے کہ اختلافِ دارین متحقق ہے۔

جہاں ہر صحت مند ذہن اس طریقِ عمل کی شدید مذمت کرے گا کہ فروعی اختلافات اور جزوی تعبیرات کو فکر و تنقید اور بحث و تمحیص کی آماج گاہ بنا لیا جائے، خصوصاً اس دورِ الحاد میں ——— جبکہ خود مذہب سے ہی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور مالی قدروں کا خمار مذہب کو عہدِ رفتہ کی ایک رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں ——— وہاں اس ضرورت کے تسلیم کرنے سے بھی چارہ نہیں کہ سوادِ اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی ہر وقت امتحان کی پکار اور ہر تمرّد و الحاد کے سامنے علمائے حق کی للکار رہا ہے۔

حیاتُ النبیؐ کا یہ مسئلہ بھی اپنی ابتدائی سطح میں کوئی اصولی مسئلہ نہ تھا، لیکن اہلِ سُنّت کے اجماعی نظریے کے پیشِ نظر ایسا بھی نہ تھا کہ اس کی تردید میں احادیثِ شریفہ کے مدلولاتِ صریحہ میں تاویلاتِ رکیکہ، تضعیفِ روایات میں ائمۂ فن کی تجہیل، قواعدِ محدّثین سے استہزا، شارحینِ حدیث و فقہا اور سلفِ صالحین سے اعتماد اُٹھنے کے صدمے کو آسانی سے برداشت کر لیا جائے۔ یا اعتماد اُٹھانے کی نہایت خطرناک مُہم کو، محض اس لیے کہ ابتدائی سطح اُمورِ مُہمّہ میں سے نہیں یا یہ مسائل روزمرّہ کی زندگی سے متعلق نہیں ——— یُونہی چلنے دیا جائے۔

حیاتُ النبیؐ کے ضمن میں جب "اعتماد علی السلف" کا اُصولی مسئلہ پامال ہونے لگا تو اس تخمِ حنظل کے برگ و بار بہت دُور دُور تک پھیلتے نظر آئے۔ گُم کردۂ راہ قافلہ ہر مقام پر نیا موقف اور ہر طبقے کے سامنے نیا عنوان اختیار کرتا رہا۔

روضۂ منورہ کی حیاتِ جسدی کا انکار اور اُس سے متعلّقہ مفاسد

جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم، کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ

Marfat.com

میں محض بے حس و شعور پڑا ہے اور فقط جمادی حیثیت میں ہے، رُوحِ اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اُن کا یہ خیال دراصل اِس نظریے کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد ثواب عقاب کا سارا معاملہ صِرف رُوح سے ہوتا ہے، بدن یا اجزائے بدن کو اس سے کوئی عِلاقہ نہیں۔

یہ نظریّہ اہلِ سُنّت کے اِس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب عقاب کا معاملہ صِرف رُوح ہی سے نہیں، بلکہ قبر میں پڑا ہوا بدن یا اجزائے بدن بھی لذّت و الم کا اِدراک کرتے ہیں۔ بنی آدم کی رُوح، وفات کے بعد، خواہ وُہ علّیین اور سجّین ہی میں استقرار پذیر کیوں نہ ہو، اُن کا تعلّق اجسادِ مدفُونہ سے ضرُور قائم کیا جاتا ہے اور قبر میں لذّت و الم کا اِدراک ضرُور ہوتا ہے۔

اِس دُنیا سے عالمِ برزخ میں انتقال کرنے کے بعد رُوح و بدن میں کُلّی مُفارقت رہتی ہے؟ یا رُوح و بدن میں کوئی ایسا علاقہ پھر قائم ہو جاتا ہے کہ ہر فوت ہونے والا اپنے اپنے اعمال اور اپنے اپنے مقام کے مُطابق اپنے جسد میں الم یا لذّت کا اِدراک کر سکے؟

اوّل الذّکر نظریّہ معتزلہ و روافض کا ہے۔ وُہ عذابِ قبر کے قائل نہیں۔ اُن کے نزدیک جسدِ مدفُون محض جمادی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانی الذّکر نظریّہ اہلِ حق، اہلِ السنّۃ والجماعۃ، کا ہے۔ فرقۂ کرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجسادِ مدفُونہ ہیں تو محض جمادی حیثیت میں، لیکن عذابِ قبر پھر بھی حق ہے۔ یہ تیسرا مُؤقف ایک وہم اور سفسطہ[1] ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حق وُہی ہے، جو اہلِ سُنّت کا نظریّہ ہے اور قرآن و سُنّت کے چشمے اِسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔

---

[1] جوّز بعضهم تعذیب غیر الحی ولاشك انّه سفسطه (خیالی ص۱۱۸) لان الجماد لاحسّ له فكیف یتصوّر تعذیبه (حاشیه مولٰینا عبدالحکیم سیالکوٹی)

Marfat.com

واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق فى الميت نوع حيوة فى القبر قدر ما يتألم ويتلذذ[2]

(شرح فقه اكبر ص۱۲۱)

جان لیجیے سب اہلِ حق اِس نظریے پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایک ایسی قسم کی حیات ضرور پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ لذت الم کا ادراک کرتی رہے۔

ایوبی علی الخیالی میں ہے :-

ان المذاهب فى هذا المقام ثلثة الاول الميت حىّ فى قبره فيعذب وهذا مذهب اهل السنة والحق والثانى انه جماد لا يعذب ولا يدرك العذاب وهذا مذهب جمهور المعتزلة والروافض والثالث انه جماد يعذب - (ایوبی علی الخیالی ص۱۱۱)

اِس مقام پر تین مذاہب ہیں (۱) میت اپنی قبر میں پھر زندہ ہوتی ہے - پس عذاب قبر برحق ہے - یہ مذہب اہلِ سنّت کا ہے جو اہلِ حق ہیں - (۲) میت قبر میں جماد محض ہے - پس عذابِ قبر کوئی نہیں - یہ مذہب جمہور معتزلہ اور روافض کا ہے - (۳) میت قبر میں ہے تو جمادِ محض، لیکن عذابِ قبر پھر بھی ہوتا ہے - (یہ مذہب کرامیہ کا ہے) -

اِن نظریات کی روشنی میں اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ جب ہر جسد مدفون کو اپنے اپنے مقام کے مطابق کسی نہ کسی طرح کی حیاتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے روضۂ مطہرہ میں بہت قوی قسم کی اور نہایت ارفع و اعلیٰ حیاتِ جسمانی کیوں حاصل نہیں - انبیاے کرام کے اجسادِ دنیوی کا تحفظ بھی اِسی لیے ہے کہ اِن پر نہایت قوی قسم کی حیاتِ جسمانی مرتب ہے - آں حضرت

---

[2] وكذلك المختار فى الفتاوى النذيرية جلد۱ ص۴۳۴

صلی اللہ علیہ وسلم، کا مقام جس طرح انتہائی طور پر اعلیٰ ہے، اسی طرح روضۂ اطہر میں آپؐ کی حیات بھی اپنی رفعت و شان میں نقطۂ انتہا پر ہے۔ رُوحِ اقدس کا جسدِ اطہر کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے کہ آپؐ تلذذاً نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ منورہ پر عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو بھی خود سنتے ہیں۔

جسدِ اطہر اور رُوحِ انور میں کلّی مفارقت کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ جب ہر میت کو، خواہ اُس کا جسم محفوظ ہو خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو، یک جا ہو یا اُس کے اجزائے بدن منتشر ہو چکے ہوں، رُوح کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور حاصل ہوتا ہے اور جسدِ مدفون یا اجزائے جسد اپنے اپنے مقامات کے مطابق لذّت و الم کا ادراک ضرور کرتے ہیں، تو وہ ذواتِ قدسیہ جن کے اجسادِ مطہرہ کا تحفظ خود پروردگار فرما چکا ہو، اُن میں اُن کے مقامات کے مطابق ارواحِ مطہرہ کی تاثیرات کیوں نہ ہوں گی۔ انبیاءؑ اس اصلِ کلّی سے مستثنیٰ کیوں ہوں؟ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر انبیائے کرام کو اس اصلِ کلّی سے نکال کر یہ عقیدہ قائم کیا جا رہا ہے کہ اُن کے اجسادِ مدفونہ صرف اکراماً محفوظ ہیں؟ ارواحِ مطہرہ سے انھیں کلّی مفارقت ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم اس اصلِ کلّی ہی کے قائل نہیں کہ وفات کے بعد رُوح کا بدن یا اجزائے بدن کے ساتھ کسی نہ کسی درجے کا تعلق ضرور قائم رہتا ہے، تو پھر یہ مسئلہ اور کھل کر سامنے آجائے گا کہ یہ مذہب اہلِ سنّت کا ہے یا معتزلہ و روافض کا۔ اور عذابِ قبر کے متعلق واضح صورت اختیار کرنی ہوگی کہ اس کا اقرار ہے یا انکار۔ اس کے بعد صورتِ مسئلہ اس قابل ہوگی کہ اس پر دلائل پیش کیے جا سکیں۔

خلاصۃ المرام یہ کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کے جسدِ اطہر کو روضۂ منورہ میں محض بے حس و بے شعور اور جمادِ مطلق تسلیم کیا جائے، تو یا تو اس پر اس

Marfat.com

اصلِ کُلّی کے درجے کی قوی دلیل قائم کرنا ہوگی کہ انبیاءؑ اس سے مستثنیٰ ہیں اور مستقل دلیل پیش کرنا ہوگی کہ انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں محض بے جان پڑے ہیں۔ یا معتزلہ کے اس اُصُول کو تسلیم کر لیا جائے، کہ وفات کے بعد رُوح و بدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا، کُلّی مفارقت رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے پیشِ نظر یہ اہلِ حق کا نظریہ نہیں۔

عقائدِ اہلِ سُنّت کی سب کتابوں میں عذابِ قبر کے برحق ہونے کی تصریح ہے اور اس عقیدے کو ضروریاتِ اہلِ سُنّت میں شمار کیا گیا ہے۔ جو اس کا قائل نہیں، وہ معتزلہ روافض کے موافق اور اہلِ سُنّت کا مخالف ہے اور اگر بنا دلیل قائل ہے، تو فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں شبہ ہی نہیں۔

روضۂ منوّرہ کی حیاتِ جسدی کے انکار کا دوسرا نتیجہ

کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ حضورِ اکرم اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد محض حکمی طور پر نبی اور رسُول ہیں، حقیقی اعتبار سے اب آپ نبی نہیں رہے۔ انعزالِ نبُوّت کے اس عقیدے کے لیے اُنھوں نے روضۂ منوّرہ کی حیاتِ جسمانی کو تختۂ مشق بنایا۔

کرامیہ کی بنائے استدلال

نبُوّت کے لیے شعُور لازم ہے، علم و احساس کے بغیر اس کا تصوّر نہیں پس جب بھی اس شعُور کا انتفا ہوگا نبُوّت منتفی ہو جائے گی۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم وفات پانے کے بعد جب پردۂ قبر میں گئے، تو وہاں احساس و شعُور کُلّی طور پر منتفی ہیں، جسدِ اطہر محض بے جان ہے، صرف اکراماً محفوظ ہے۔

روضۂ منوّرہ میں حیاتِ جسدی کی نفی اسے لازم ہے کہ اب آپ نبی نہیں رہے

صرف آپ کی نبوت حکمی طور پر باقی ہے۔

اہلِ سنّت کا عقیدہ

علمِ کلام کے مشہور امام علّامہ حسن بن عبد المحسن المشہور بابی عذبہؒ فرماتے ہیں :۔

قال ابو حنیفة رضی انه رسول الآن حقیقة وقالت الکرامیة لا ۔	امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرمؐ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامیہ والے کہتے ہیں کہ آپؐ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں ۔
(ص ۱۳ طبع حیدر آباد)	
هو صلّی اللہ علیه وسلّم بعد موته باقٍ علیٰ رسالته و نبوّته حقیقة کما یبقیٰ وصف الایمان للمؤمن بعد موته وذٰلک الوصف باقٍ بالروح والجسد معًا لأنّ الجسد لا تأکله الارض ...... انه صلّی اللہ علیه وسلّم حیّ فی قبره رسولا الی الابد حقیقة لا مجازًا ۔	حضورِ اکرمؐ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور پر قائم ہیں ۔ جیسا کہ مومن اپنی وفات کے بعد بھی صفتِ ایمان سے متصف رہتا ہے اور حضورؐ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روحِ اطہر اور جسدِ انور کے مجموعہ کے ساتھ ہے ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اب بھی اپنی قبرِ شریف میں زندہ ہیں اور ہمیشہ تک کے لیے رسول ہیں ۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر ۔
(الروضة البهیة فیما بین الاشاعرة والماتریدیة ص ۱۵)	

کرامیہ نے وفات النبیؐ پر انتفائے نبوت کی بنا رکھنے کے لیے روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی کو تختۂ مشق بنایا اور صریح طور پر عقیدہ حیات النبیؐ کا انکار کر دیا اور نہ صرف خود ہی یہ اعتقادِ باطل اپنایا، بلکہ انتفائے نبوت کے اس عقیدۂ باطلہ کو امام

Marfat.com

اہلِ سُنّت امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف بھی منسوب کر دیا۔

کرامیہ کا مکر و فریب

کرامیہ کا کس قدر فریب ہے کہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہلِ سُنّت کی طرف کر رہے ہیں۔ حیاتُ النبیؐ کا انکار اگر ان کا اپنا عقیدہ تھا، تو صاف طور پر کہتے کہ یہ ہم کرامیہ کا اعتقاد ہے، اسے خواہ مخواہ اہلِ سُنّت کا عقیدہ بتلانا علم و دیانت کے قطعاً خلاف ہے۔ حیاتُ النبیؐ کا انکار کرنے والے اس مسلکی التباس کے مرتکب کیوں ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک ترویجِ دین کے لیے اور اپنے خیالات پھیلانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :۔

انّ بعض الکرامیّة وبعض المتصوفة نقل عنهم اباحة الوضع فی الترّغیب والترّهیب وهو خطاء مّن فاعله نشاء عن جهل۔	بے شک بعض کرامیہ سے اور بعض غلط مُدعیانِ تصوف سے یہ منقول ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب اور وعظ و نصیحت کی خاطر جھوٹ گھڑنا جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا منشا صرف جہالت ہے
(شرح نخبة الفکر ص۵۸)	
المراد باعتقاد حلّ الکذب هو اعتقاد حله لمصلحة دینه و ترویج مذهبه۔	جھوٹ حلال ہونے سے اُن کی مُراد یہی ہے کہ اپنے (مزعوم) دین کی خاطر اور اپنے عقیدے کو چلانے کے لیے جھوٹ بولنا اعتقادی طور پر حلال ہے۔
(حاشیہ شرح نخبة الفکر ص۵۷)	

Marfat.com

فرقۂ کرامیہ[1] کے خصوصی عقائد

۱ - بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد قبر سے کلی مفارقت میں رہتی ہیں، اجساد محض جمادی حیثیت میں ہوتے ہیں۔

۲ - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کا جسدِ اطہر روضۂ اطہر میں بالکل بے جان اور بے حس و بے شعور ہے۔

۳ - اپنے مسلک کی حمایت میں اور اپنے مذہب کی ترویج کے لیے غلط بیانی کرنا جائز ہے۔

۴ - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تو حکماً باقی ہے۔ مگر آپ خود اب نبی اور رسول نہیں رہے (معاذ اللہ)۔

اِنکارِ حیات کا تاریخی پس منظر

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے عہدِ حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت فتنہ پرداز شخص گزرا ہے۔ اُس کا نام بکندری تھا۔ اور لطائف الحیل سے سلجوقی دربار میں منصبِ وزارت پر آگیا تھا۔ اُس کے عقائد اعتزال و رفض کا امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اُس نے وفات النبیؐ اور جسدِ جمادی کی تمہید سے انتفائے نبوت کا عقیدہ اختیار کیا۔ اُس کا اعتقاد تھا کہ حضورؐ کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے حس و بے شعور ہے۔ اُس نے اسے انعزالِ نبوت کے لیے، کہ حضورؐ وفات شریفہ کے بعد اب حقیقۃً رسول نہیں رہے، ایک سیڑھی بنایا۔ اور نہ صرف یہی، بلکہ

---

[1] ھم فرقۃ من المشبھۃ نسبت الی عبداللہ بن کرام ویدعون زیادۃ الورع والتقوٰی و المعرفۃ التامۃ وراجع لہ شرح الشفاء لعلی القاری علیہ الرحمۃ ربہ الباری۔

Marfat.com

اس نظریے کو امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف بھی نسبت کر دیا۔ اقتدار کے سہارے اُس نے ان خیالات کو بہت دور تک پہنچانے کی کوشش کی۔

روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی کے انکار سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جوارِ رسولؐ میں ہونے اور روضۂ اطہر میں ہم پہلو سونے کی شانِ امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے کہ اس کے رفض کو اس انکارِ حیات سے کچھ تسکین پہنچتی ہو۔

وفات کے بعد روح و بدن کی کُلّی مفارقت سے عذابِ قبر کا انکار بہت قریب الیقین ہو جاتا تھا۔ اس سے اس کے اعتزال کو تقویت ملتی تھی۔

یہ عقیدہ کہ اب حضورؐ رسول نہیں رہے، دراصل جزوِ کلمہ محمدؐ رسول اللہ ہی میں تشکیک کی راہ پیدا کرتا تھا۔ حالاں کہ یہ کلمہ بالاجماع صحیح تھا۔

انکارِ حیاتِ قبریہ اور انعزالِ نبوتِ حقیقیہ کے دونوں باطل عقیدے دوش بدوش چلنے لگے۔ بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں کتاب و سنت کی بہت سی تصریحات نذرِ تاویلات ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ اہلِ حق اس کے ابطال کی طرف متوجہ ہوئے۔ اکابرِ اہلِ سنت نے ان نظریات پر نکیر کی اور امامِ اہلِ سنت امام ابوالحسن اشعریؒ پر جو افتراآت باندھے گئے تھے کہ ان کے عقائد بھی یہی تھے، ان تمام الزامات کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں۔

اُس وقت امام حدیث احمد بن الحسین البیہقیؒ (متوفی ۴۵۸ھ) زندہ تھے۔ آپؒ نے اور امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیریؒ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے کرامیہ کا مقابلہ کیا۔ یہ سارے مفاسد جس بنیاد پر قائم کیے جا رہے تھے، وہ یہی تھی کہ حضورؐ اب اپنی قبر میں محض بے جان ہیں (معاذاللہ)۔ ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقتِ حال اور قرآن و سنت کا استدلال کیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے رسالہ "حیات الانبیاءؑ" لکھا اور علامہ قشیریؒ نے "شکایۃ اھل السنۃ بما نالھم

Marfat.com

من المحنة" میں ان افتراآت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

ان واقعات کی تفصیل کے لیے حافظ ابن عساکر کی کتاب "تبیین کذب المفتری" اور "طبقات الشافعیہ" زیر ترجمۂ امام ابوالحسن الاشعریؒ ملاحظہ کیجیے۔ علامہ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں:۔

فان قیل فمن این وقعت هٰذه المسئلة ان لم یکن لها اصل قیل ان بعض الکرامیة ملأ الله تعالیٰ قبره نارًا وظنی ان الله قد فعل الزم بعض اصحابنا ... الخ (طبقات الشافعیہ جلد ۲ ص ۲۸۳)

اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلے کی کوئی اصل نہیں، تو پھر یہ کہاں سے آگیا، تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھرے اور میرا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا، سب سے پہلے یہ مسئلہ گڑھا تھا۔

امام حدیثؒ کے اس جلال اور ناراضگی کو دیکھیے اور اس پر غور کیجیے۔ علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں:۔

فاما ما حکی عنه (ای الاشعریؒ) وعن اصحابه انهم یقولون ان محمدًا صلی الله علیه وسلم لیس بنبیٍ فی قبره و لا رسول بعد موته فبهتان عظیم و کذب محض لم ینطق احد منهم ولا سمع فی مجلس مناظرة ذالك عنهم ولا وجد فی کتاب لهم وکیف یصح ذالك وعندهم محمد صلی الله

ہاں، جو امام ابوالحسن اشعریؒ اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک حضورؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب اپنی قبر شریف میں نبی اور رسول نہیں رہے، یہ محض جھوٹ اور بہتان عظیم ہے۔ اشاعرہ میں سے ہر کسی نے نہیں کہا، نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سنی گئی اور نہ ان کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے

86863

Marfat.com

علیه وسلم حي في قبره۔ (شکایة اهل السنة وطبقات جلد ۲ ص ۲۷۹)

جبکہ اُن کے ہاں حضورِ اکرمؐ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :۔

و امّا ما نسب الی الامام الاشعریؒ امام اهل السنة والجماعة من انکار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به فی کتبه وکتب اصحابه خلاف ما نسب الیه بعض اعدائه لانّ الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیاء فی قبورهم۔ (شامی جلد ۳ ص ۳۶۶ ۔ باب المغنم)

امامِ اہلِ سُنّت امام ابو الحسن الاشعریؒ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضورؐ کے لیے وفاتِ شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں، یہ محض افترا اور بہتان ہے۔ ان کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ تحقیق یہی ہے کہ انبیا علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

انّ نسبة الخلاف فی هذه المسئلة الی الشیخ ابی الحسن الاشعریؒ زور وبهتان انما وقع بسبب انّ بعض الکرامیة ..... ان الاشعریؒ واصحابه قائلون بانّ النبی صلی الله علیه وسلم فی القبر حیّ یحس ویعلم۔ (الروضة البهیة فیما بین الاشاعرة والماتریدیة ص ۱۵)

امام ابو الحسن اشعریؒ کی طرف اس عقیدے کی مخالفت کی نسبت محض افترا و بہتان[1] ہے اور اس کا سبب کرامیہ تھے۔ امام اشعریؒ اور ان کے سب اصحاب تو اسی بات کے قائل ہیں کہ حضورِ انور اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم و احساس بھی رکھتے ہیں۔

---

[1] اکابر کی طرف انکارِ حیات کی نسبت کرنا کوئی نیا افتراء بہتان نہیں۔ یہ سنت کرامیہ سے چلی آ رہی ہے۔ و لیست باول قارورة کسرت فی الاسلام۔

Marfat.com

ان ائمہ و اکابر کے اندازِ بیان کو دیکھیے اور غور فرمائیے کہ یہ مسئلہ اگر کوئی معمولی مسئلہ ہوتا، تو یہ اکابر و اعیان اتنی سی بات پر اس قدر جلال میں نہ آجاتے۔ حیات النبیؐ کا انکار دراصل بہت سے فتن و مفاسد کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا اور ان ائمہ فن کی ان پر پوری نگاہ تھی۔ اندریں صورت یہ مسئلہ ایک اصولی مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ قصیدہ "بدء الامالی" میں ہے:۔

وان الانبیاء لفی امان
عن العصیان قصداً و انعزال

امام ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"المعنی ان الانبیاء لفی امان عن العزل عن مرتبة النبوّة والرسالة وحکی شارح الطوالع فیه اجماع الامّة۔ (ص۲۵ مطبع مجتبائی)

الغرض، یہ وہ امور ہیں، جنھوں نے ایک ایسے مسئلے کو جو اپنی ابتدائی سطح میں یقیناً درجۂ ضروریات میں سے نہ تھا، بقائے نبوت پیغمبرِ خاتم، شانِ شیخین بجوارِ رسول الثقلین، اعتماد علی السلف، تحفظِ مسلکِ اہل سنت، ازالۂ اوہامِ کراہیت، حقیقتِ عذاب القبر، احترامِ اجماعِ امت اور آدابِ زیارت جیسے اہم مسائل کی پامالی کی وجہ سے وہ اہمیت دے دی ہے کہ حقیقتِ حال کو جاننا اور صورتِ مسئلہ کو پہچاننا ضروری ہے۔

ان حالات اور ضروریات سے متاثر ہو کر کہ مبادا راہ گم کردہ قافلہ، مسلکِ اہلِ سنت ہی کو ملتبس کر دے اور جو ہر دو حدت سے ہاتھ دھو کر محض تفرد ہی نہیں، اپنے عوام کے لیے انتشار و تشتت اور ذہنی آوارگی کا موجب ہوں۔ یہ سطور پیشِ خدمت ہیں۔ ممکن ہے یہ ناچیز کوشش اہلِ تذبذب کے لیے شفا قلب کا سامان، راہ گم کردہ دوستوں کے لیے منزل کا نشان اور اہلِ یقین کے لیے وضوح و برہان ثابت ہو۔

Marfat.com

مُقدّمہ

قرآن و سُنّت، اسلامی فکر و نظر کا سرچشمۂ حیات ہیں۔ قرآنِ پاک کی بلاغت اِس انتہا پر واقع ہے کہ طوقِ بشر اُس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بلاغت کا تقاضا اور ادب کی شان یہ ہے کہ ہر بیان اپنے مفہوم میں کچھ سیاق و سباق، کچھ اندازِ تخاطب اور کچھ قرائن کی وضاحت چاہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان اُمور میں علمی افکار اور نظری مقدمات عوامی سطح پر نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُصولی مسائل کے ماسوا اکابر ہمیشہ سُنّت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اِسی میں اُنھیں عمل کی سلامتی نظر آئی اور اِسی سے اُن نظریات کی تفصیل ہوئی، جن میں قرآن کا بیان درجۂ اِجمال یا درجۂ اِحتمال میں تھا۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ ترجمان القرآن سیّدنا حضرت ابنِ عباسؓ جب دوسری مرتبہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لیے گئے، تو حضرت علیؓ نے اُنھیں یوں نصیحت فرمائی:-

"قرآن سے خطاب نہ کرنا (کہ یہاں ارشادِ باری کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی جائے گی)، بلکہ استدلال کی بنیاد سُنّت پر رکھنا کہ یہاں انھیں مخلص نہ مل سکے گا"۔

آپ نے بارہا محسوس کیا ہوگا کہ دینی فتنوں کا سرمایۂ حیات پہلے یہی ہوتا ہے کہ سُنّتِ پیغمبرؐ اور تشریحاتِ سلف سے بالکل بے نیاز کرکے بالاستقلال قرآن کی دعوت دی جائے۔ اب یہاں اپنا میدان ہے، جو چاہو وہ معنی کرلو۔ قرآنِ پاک کو اِس کی پوری عظمتِ علمی سے سمجھنے والے اربابِ خبرت اگر باتوں میں نہیں آئیں گے، تو کوئی

Marfat.com

حرج نہیں۔ اکثریت تو عوام کی ہے، انھیں قرآن کے دل کش اور حسین عنوان کے ساتھ مغالطے میں ڈالنا کوئی بات نہیں۔ انکارِ حدیث کی اگر جرأت نہ ہو تو عوامی سطح پر اسے قرآن سے ٹکرا دیا جائے اور پھر اس عنوان سے اس کا انکار کر دیا جائے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو اُسے ہرگز نہ مانا جائے، پھر کون ہے جو آڑے آسکے۔ عوام میں اتنی استعداد کہاں کہ وُہ بشرطِ صحتِ روایت اس ٹکراؤ کو تطبیق و توفیق کے دائرہ میں اُتار سکیں ——— عظمتِ قرآن کا یہ دل کش نعرہ مُدتوں سے ——— پرانے فتنوں کو کم کرنے کے پروگرام کے ساتھ ——— نت نئے فتنوں کو جنم دیتا رہا ہے۔ ملت کا کاروانِ حیات ایسی کتنی سراؤں کے پاس سے گزرا ہے، جن کی نشان دہی اس وقت ہمارا موضوع نہیں سے

ہاں اسی رہگزر سے شام و سحر
اجنبی قافلے بھی گزرے ہیں!

خوارج کے متعلق حضورؐ نے انھی الفاظ میں پیش گوئی فرمائی :-

یخرج فی ھذہ الأمۃ قوم تحقرون صلٰوتکم مع صلٰوتھم یقرءون القرآن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کمروق السھم من الرمیۃ۔

(رواہ البخاری عن ابی سعید جلد ۲ ص ۱۰۲۴ رض)

اس اُمت سے کچھ ایسے لوگ بھی اُٹھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے آگے ہیچ سمجھو گے، وُہ قرآن قرآن پکارتے ہوں گے لیکن وُہ اُن کے گلوں ہی تک ہو گا۔ یہ لوگ حقیقی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

Marfat.com

قرآنِ پاک اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ شریفہ

قرآنِ پاک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُنیا کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ آپؐ عالمِ برزخ میں انتقال فرمانے سے پہلے متعدد اجزا اور منتشر اوراق میں یہ امانت اُمت کو سپرد کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس میں آپؐ کے وقوعِ وفات کی خبر نہیں ہو سکتی۔ قرآنِ پاک میں آپؐ کی وفات کا امکان (أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ) یا پیش گوئی (انک میت و انھم میتون) تو ہے، لیکن اس بات کا بیان کہ آپؐ پر موت کا وُرود ہو چکا ہے، اس کا قرآن میں نہ تذکرہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔

حضرتِ مسیحؑ کی وفات کے متعلق نصاریٰ کا جو تصوّر ہے، یہ پورا واقعہ صلیب بائبل میں موجود ہے۔ اس کا بائبل میں مذکور ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ بائبل وہ انجیلِ مقدس نہیں، جو حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی تھی اور جس کی تبلیغ آپؐ اپنی قوم کو کرتے رہے۔

آں حضرتؐ پر وفاتِ شریفہ کا یقیناً وُرود ہوا اور آپؐ نے یقیناً اس دُنیا میں انتقال فرمایا، لیکن قرآنِ پاک اس وقوعِ موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا۔ آپؐ کی وفاتِ شریفہ کا سب سے پہلا ثبوت حضرت صدیقِ اکبرؓ کا وہ خطبۂ بلیغہ ہے، جو کتبِ حدیث میں اسانیدِ صحیحہ سے منقول چلا آ رہا ہے۔

وقوعِ موت ثابت کرنے کے لیے خواہ مخواہ قرآنی آیات پڑھتے چلے جانا، امکان کو وقوع قرار دینا اور پیش گوئیوں کا تحقّق وقت پیش گوئی سے ثابت ماننے چلے آنا، معلوم نہیں، کون سا علمی مقام اور کون سا طریقِ بُرہان ہے، بالخصوص جبکہ یہ کوئی مبحث اور محلِ نزاع نہ ہو، بلکہ وقوعِ وفات پر بنا برخبرِ مستفیض سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔ واضح رہے کہ قرآنِ پاک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وُرودِ موت ہو چکنے کی خبر سے بالکل

Marfat.com

خاموش ہے۔ آنے والی موت کے بعد پھر حیات حاصل ہوگی یا قیامت تک جسدِ اطہر اور روحِ انور میں کلی مفارقت رہے گی، اس پر بھی قرآنِ پاک کی کوئی حیات النص موجود نہیں۔ اب خواہ مخواہ اقتضاء النص سے بھی کمزور سہارے لے کر آیات پر آیات پڑھتے چلے جانا، جزئیات کو کلیات بناتے چلے آنا اور جزئی اشارات سے کھینچ کھینچ کر مطالب کا جال پھیلانا، یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ کوئی صاحبِ علم بھی اس بے راہ روی کی تائید نہیں کرے گا اور اس مرضِ مزمن پر جتنے آنسو بہائے جائیں، کم ہیں۔

ہاں، شہداء کے لیے حیات بعد الوفات کا ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے، جسے انبیاءؑ کی حیات بعد الوفات کے لیے دلالۃ النص کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ جس طرح وقوعِ وفات کی خبر کتبِ حدیث سے ملتی ہے اسی طرح حیات بعد الوفات کے لیے بھی احادیثِ صحیحہ یقیناً موجود ہیں۔

اثباتِ عقائد کے لیے دلائلِ ظنیہ سے استشہاد ایسا کیوں؟

ممکن ہے کوئی صاحب یہاں یہ اعتراض کر دیں کہ اخبارِ احاد اور سلسلۂ روایات سے یہ مسئلہ کیوں ثابت کیا جائے۔ عقائد ثابت کرنے کے لیے تو دلائلِ قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآنِ پاک اور خبرِ متواتر الاسناد ہی میں منحصر نہیں، بلکہ اخبارِ احاد بھی، جو اپنی اپنی جگہ خواہ متفرق ہی سہی، کسی قدرِ مشترک میں متحد ہو جائیں، تو ایسے یقین کا فائدہ دے سکتی ہیں کہ اس پر عقیدے کی بنیاد رکھی جا سکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہلِ حق کا اجماع اس کے

Marfat.com

حقیقتِ مسلمہ ہونے کی شہادت دے دیں، تو یہ بنیاد یقین اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔
حضرتِ علامہ شاطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وانما الادلۃ المعتبرۃ ھٰھنا المستقرأۃ من جملہ ادلۃ ظنیۃ تظافرت علیٰ معنی واحد حتی افادت فیہ القطع فان للاجتماع من القوۃ مالیس للافتراق ولاجلہ افاد المتواتر القطع وھٰذا نوع منہ فاذا حصل من استقراء ادلۃ المسئلۃ مجموع یفید العلم فھو الدلیل المطلوب وھو شبیہ بالتواتر المعنوی

(الموافقات جلد ۱ ص ۳۶)

عام طور پر جو دلائل یہاں معتبر ہیں، وہ اس قسم کے ہیں، جو علیحدہ علیحدہ اگرچہ ظنی ہوں۔ مگر کسی ایک قدرِ مشترک پر سب متفق ہو جانے کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اس اشتراک کے بعد مسئلے میں جو قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں ہو سکتی۔ خبرِ متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لیے متفرق دلائل جمع ہو جائیں، تو ان کے مجموع سے (اس قدرِ مشترک کے لیے) ایک یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک قسم کا تواترِ معنوی ہی ہے۔

عذابِ قبر کا برحق ہونا عقائدِ اہلِ سنت میں اسی اصل کے ماتحت ہے۔ قرآنِ پاک کی جس آیتِ شریفہ میں اس کا بیان ملتا ہے، وہ قطعی الثبوت ہونے کے باوجود قطعی الدلالت نہیں اور جو احادیث اس مضمون پر قطعی دلالت کرتی ہیں، وہ اپنے ثبوت میں ظنی ہیں۔ بایں ہمہ عذابِ قبر کو برحق ماننا عقائد میں داخل ہے۔ مُلّا علی قاریؒ نے عذابِ قبر کے داخلِ عقائد ہونے میں یہی استدلال پیش کیا ہے:۔

Marfat.com

فلا یخفی ان المعتبر فی العقائد هو الادلة الیقینیة واحادیث الآحاد لو ثبتت انما تکون ظنّیة اللهم الا اذا تعدد طرقة بحیث صار متواترًا معنویًا فحینئذٍ قد یکون قطعیًا۔

یہ بات مخفی نہ رہے کہ عقائد کے باب میں دلائل یقینیہ ہی معتبر ہیں۔ اخبار احاد اگر ثابت بھی ہوں، تو بھی ظنّی ہیں۔ ہاں اگر (ایک ہی مضمون) متعدد طرق سے اس طرح مروی ہو کہ تواتر معنوی پیدا ہو جائے، تو اس وقت یہ (قدر مشترک) بھی قطعی اور یقینی ہو جاتی ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۲۲)

ہاں اس صورت میں (اگر مسئلہ نظری ہو تو) بقول شاہ صاحبؒ منکر پر قولِ کفر لازم نہیں آتا اور زیادہ سے زیادہ یہی شک کا فائدہ ہے جو اسے مل سکتا ہے۔

والتفصیل فی العرف الشذی ص ۳۴ و ص ۳۵۵

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

قرآنِ عزیز کا موتِ انسانی کے بارے میں نظریہ

ذہنِ جاہلیت سے مفہومِ موت پر اختلاف،

عربوں کا تصوّر "موت" کے متعلق یہی چلا آ رہا تھا کہ :-

۱۔ یہ فقط رُوح کے بدن سے جُدا ہونے کا نام ہے اور ایک امرِ عدمی ہے۔

۲۔ ان کے اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی نہ بقائے رُوح۔

۳۔ وُرُود موت کے بعد پھر رُوح اور اس جسدِ دُنیوی کا اجتماع ان کے نزدیک مُحال اور ایک امرِ مُستبعد تھا۔

قرآنِ عزیز نے مفہومِ "موت" پر ذہنِ جاہلیت بدل ڈالا۔ ان لوگوں نے اپنے

Marfat.com

فکر و نظر کے مطابق "موت" کے لیے کئی لفظ اختیار کر رکھے تھے۔ علامہ ابن سیدہؒ اندلسیؒ نے "المخصّص" میں ایک فہرست پیش کی ہے اور ہر لفظ پر اشعارِ جاہلیت سے استدلال کیا ہے۔

اسمائے موت :۔

الهميغ والنيط والرهر والمنون والشعوب والفود و الحمام والسّام والمقدار وقتيم وجبار وحلاق والقاضية و الطلاطل والطلاطلة والعول والذام والكفت والجلاع والحزرة والحتف والخالج ...... وغيرها (المخصّص جلد ۲ ص ۱۱۵)

انھی میں لفظ "توفّی" بھی آیا ہے، لیکن اس پر محققِ اندلسیؒ نے اشعارِ عرب سے استناد نہیں کیا۔ بلکہ استدلال میں قرآنِ عزیز کو پیش کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفہومِ موت پر نزولِ قرآن کے وقت ہی سے ذہنِ جاہلیت سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

"جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر "توفّی" کا اطلاق درست نہ تھا، کیونکہ اُن کے اعتقاد میں نہ بقائے جسم تھی نہ بقائے رُوح "توفّی" وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ اُن کے عقیدے میں موت "توفّی" نہیں ہو سکتی۔ قرآنِ مجید نے موت پر "توفّی" کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے عیاں کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الرّوح کے وصول کرنے پر کیا"۔

(مقدمہ مشکلات القرآن ص ۶۷)

Marfat.com

عربوں کے تصورِ موت کو جب اسلام کے قرنِ اوّل ہی سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تو اب موت سے متعلقہ مباحث پر معنیِ موت کے لیے کلام عرب کا مطالبہ ہم نہیں سمجھتے کہ کون سی شانِ تحقیق ہے، حالاں کہ وہاں بھی صرف "ابانۃ الروح عن الجسد" کا نام موت نہیں، بلکہ قوتِ حیوانیہ کے زوال یعنی آثارِ حیات کے سلب ہونے کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةِ الْمَوْتِ	"ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے"۔ پس
فعبارۃ عن زوال القوّۃ	موت سے مُراد (۱) حیات کی قوت زائل
الحیوانیّۃ وابانۃ الرّوح	ہونا اور (۲) رُوح کا جسد سے جُدا ہونا
عن الجسد۔	ہے۔

(المفردات ص ۴۹۴)

عرب اُس وقت بھی لفظِ "موت" استعمال کرتے تھے۔ جب کوئی اُونٹ کے کجاوے پر گہری نیند میں چلا جائے، اگرچہ اس وقت رُوح جُدا نہ ہوتی تھی، لیکن قوتِ حیوانیہ میں روک پیدا ہو جاتی تھی۔

موت پہ قبضِ رُوح کا اطلاق بتلاتا ہے کہ رُوح کے روک لینے کو بھی موت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ قبض بطنہ کے معنی امسك بطنہ کے آتے ہیں۔

ہمیں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ ہر طرف کچھ نہ کچھ کہا جا سکتا ہے، لیکن اس بنیادِ یقین کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ ذہنِ جاہلیت سے مفہومِ موت پر اختلاف بالکل ابتدائے اسلام ہی میں ہو گیا تھا۔

نظریۂ قرآن میں موت کیا ہے؟

موت ایک ایسی صفت ہے، جو صفتِ "حیات" کے تغیّر پر بدن کو عارض

Marfat.com

ہوتی ہے۔ یہ فقط رُوح کے بدن سے جُدا ہونے کا نام نہیں، بلکہ ایک وُجُودی شے ہے۔ جس کی اپنی تخلیق ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاتَ ط — اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی پیدا کیا اور حیات کو بھی۔ (پ ۲۹)

پس جب موت کی ایک اپنی خلقت ہے، تو اُسے محض رُوح و بدن کی مفارقت سے تعبیر کرنا اور محض ایک امرِ عدمی قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

امام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المالکی متوفّی ۶۸۳ھ فرماتے ہیں:-

ان الموت عدم وهو خطاء صراح ومعتقد اهل السنة انه امر وجودي يضاد الحياة وكيف يكون العدم بهذه المثابة ولو كان العدم مخلوقا حادثا وعدم الحوادث مقررا ازلا للزم قطع الحوادث۔ (الانتصاف جلد ۳ ص ۲۰۳ مصر)

موت کو محض ایک عدمی شے قرار دینا ایک کھلی ہوئی خطا ہے۔ اہلِ سنّت کے عقیدے میں وہ ایک امرِ وُجُودی ہے، جو حیات کے مقابل ہے۔ عدمی شے اِس درجے میں نہیں ہو سکتی۔ اگر عدم حیات کی بھی خلقت ہوتی ہو اور وہ حادث ہوں اور عدمِ حوادث کا تقرر بھی ازلی ہو تو اِس سے قطعِ حوادث لازم آتا ہے۔

رُوح المعانی میں ہے:-

والموت على ما ذهب الكثير من اهل السنة صفة وجودية تضاد الحياة واستدل على وجوديته

جمہور اہلِ سُنّت کے نزدیک مَوت ایک صفتِ وُجُودی ہے، جو حیات کے مُقابل ہے۔ اور اُس کے وُجُودی ہونے کا استدلال اس کے فعلِ خلق سے متعلق ہونے سے ہوتا ہے

Marfat.com

يتعلق الخلق به وهو لا يتعلق بالعدمي لازلية الاعدام -
(ج ٢٩ ص۲ مصر)

کیونکہ فعلِ خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا - عدمیات تو ازلی ہیں -

امام رازیؒ لکھتے ہیں :-

واختلفوا في الموت فقال قوم انه عبارة عن عدم هذه الصفة وقال اصحابنا انه صفة وجودية مضادة للحياة واحتجوا على قولهم بانه تعالى قال الذى خلق الموت والحياة والعدم لا يكون مخلوقا هذا هو التحقيق (جلد ۸ ص۱۷)
والموت عند اصحابنا صفة وجودية مضادة للحياة -
(تفسير ابى السعود ص۱۹۳)

مفہومِ موت پر پرانا اختلاف چلا آرہا ہے، بعض اسے عدمِ حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب (اہلِ سنّت) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ (موت) ایک صفتِ وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے - اکابر اہلِ سنّت کا استدلال اس ارشادِ قرآنی سے ہے "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ" کیونکہ عدمیات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - تحقیق یہی ہے کہ موت کوئی عدمی صفت نہیں، بلکہ ایک صفتِ وجودی ہے

اگر موت عدم کا نام ہو تو خلق کا فعل کس چیز پر واقع ہوگا! فتفکّر وتدبّر -

حقیقتِ موت

بہر حال موت ایک ایسی صفت ہے جو صفتِ حیات کے تغیّر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے - اگر صفتِ حیات اپنے موصوف کے حق میں صفتِ عرضی ہے، تو اُس کے زوال پر موت کا وُرود ہوتا ہے اور اگر صفتِ حیات اپنے موصوف کے

Marfat.com

حق میں ذاتی ہو تو پھر دو صورتوں سے خالی نہیں، قابلِ تغیّر ہے (جس کا پتہ ہمیں اس سے چل سکتا ہے کہ اس کی کیفیت میں پہلے بھی کبھی ظہور و خفا کا انقلاب آیا ہو) یا ناقابلِ تغیّر۔ اگر قابلِ تغیّر ہے تو پھر صفتِ حیات کے معرضِ خفا میں آنے یا مستور ہونے پر یہ صفتِ موت بدن کو لاحق ہوگی اور اگر ناقابلِ تغیّر ہے تو پھر اس پر ورودِ موت محال ہے۔ پھر وہ حیاتِ دائمہ ازلیہ ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب!

خیر اتنی تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جمہور اہلِ سنّت مفہومِ موت کی اتنی گہرائی میں نہیں گئے۔ ایسی حیاتِ ذاتی، جس کی کیفیات ظہور و خفا میں قابلِ تغیّر ہوں اور اُس کی ذاتیت بھی اضافی ہو، ازلی نہ ہو، اس کا مرکز و مصداق پوری کائنات میں ایک ہی ذات تھی، جو باعثِ تکوینِ عالم اور خلاصۂ کائنات تھی۔ اس لیے انسانیت کی دُنیا میں مفہومِ موت کا یہ پہلو اتنا شائع و ذائع نہ ہو سکا۔ اگر موت کو اسی عام معنی میں لے لیا جائے کہ موت رُوح کے بدن سے جُدا ہونے کو کہتے ہیں تو عوامی سطح پر اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس تفصیل سے ہمارا مُدّعا یہ ہے کہ ان باریک حقائق میں اُلجھنا اور خواہ مخواہ کسی ایک پہلو کو معرضِ بحث بنانا، کوئی ایسی بات نہیں، جس پر نجات کا یا کم از کم مسئلۂ حیات النبی کے ثبوت یا عدمِ ثبوت کا مدار ہو۔ موت کو اگر اسی عام معنی میں لے لیا جائے، جو جمہور کی رائے ہے، تو بھی مسئلۂ زیرِ بحث میں مقصودِ کلام قطعاً متاثر نہ ہوگا۔ ہاں یہ پیشِ نظر رہے کہ رُوح کے بدن میں مقیّد رہنے کا نام ہی حیات نہیں رُوح بدن سے نکل بھی جائے لیکن اس کا کوئی خاص تعلق یا اثر بدن کے ساتھ قائم رہے، تو بایں صورت بھی بدن کو صفتِ حیات حاصل رہے گی۔ محقق ابن ہمام کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں رُوح اور حیات میں مُلازمہ نہیں، تاثیر و تعلّق ہی وجودِ حیات کے لئے کافی ہے۔ متن فقہِ اکبر میں جو یہ جزئیہ داخلِ عقائد ہے کہ:۔

Marfat.com

اعادۃ الروح الی العبد ۔ بندے کی طرف (قبر میں) رُوح کا لوٹایا جانا حق ۔ (شرح فقہ اکبر صفہ ۱۲۰) برحق ہے ۔

ممکن ہے اس میں حرف "الی" اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہو کہ رُوح کو بدن میں لوٹنا ضروری نہیں ۔ بدن کی طرف لوٹنا ہی اس حیات فی القبر کے لئے کافی ہے، جس پر سوالِ نکیرین اور ازاں بعد ادراکِ الم ولذت کے احکام مرتب ہو سکیں و اللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب ۔

یاد رکھیے، موت فنائے محض کا نام نہیں ۔ وہ تو اختلافِ دارین کے تحقق کا نام ہے کہ انسان اس عالمِ دُنیا سے اُس دُوسرے عالم میں چلا جائے ۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں :-

الموت لیس بعدم انما ھو انتقال من دار الی دار ۔ (عینی علی البخاری جلد ۶ صفہ ۶۹) موت ایک عدمی چیز نہیں، بلکہ وہ تو ایک عالم سے دُوسرے عالم میں منتقل ہو جانے کا نام ہے ۔

لیس بعدم محض ولا فناء صرف (بشرای الکئیب صفہ ۱۶) موت ہرگز عدمِ محض اور فنائے خالص کا نام نہیں ۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کے الفاظ میں "ایک لباس اُتار کر دُوسرا لباس پہننے کا نام موت ہے ۔"

موت کیا ہے یہ راز کھُل ہی گیا !
زندگی اِک رُخ بدلتی ہے !
اِس کنارے سے اُس کنارے تک
جیسے اِک موج جا نکلتی ہے !

جاننا چاہیے کہ کفارِ عرب کی طرح موت کے متعلق قرآنِ عزیز کا نظریہ

Marfat.com

فنا سے کا بل کا نہیں۔ انبیاء و صلحاء تو درکنار کل بنی آدم ذائقۂ موت چکھنے کے بعد پھر انھی اجسامِ عنصریہ کے ساتھ زندہ کیے جائیں گے۔ اگر آخرت میں یہ جسمانی زندگی محلِ استبعاد نہیں تو اگر اللہ تعالیٰ بعض نفوسِ قدسیہ کو عالمِ برزخ ہی میں یہ جسمانی زندگی عطا فرما دیں تو اس میں کون سا استبعاد ہے۔ اگر آپ کی عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی تو عالمِ آخرت کی عنصری حیات کا ادراک بھی بجز قدرتِ پروردگار کے اور کیسے ہو سکتا ہے! فتفکروا یا اولی الابصار۔

قرآنِ عزیز کہتا ہے:۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۚ قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ (بنی اسرائیل پ۱۵)

اور کہتے ہیں کہ جب ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے، کیا پھر نئے سرے سے بن اٹھیں گے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور خلقت جس کو تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھ لو۔ پھر پوچھیں گے، کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے، جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔

پھر فرمایا:۔

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ۔ (الانبیاء پ۱۷)

جیسے ہم نے پہلے بنایا تھا، اسی طرح پھر اس کو لوٹائیں گے، ہمارا ضرور وعدہ ہے۔ ہمیں پورا کرنا ہے۔

جن ذرات کو مٹی کھا چکی، وہاں کہاں سے آئیں گے؟ فرمایا:۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ

ہمیں معلوم ہے، جو زمین کھا رہی ہے،

Marfat.com

الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيْظٌ (قٓ پ ۲۶)

ان میں سے اور ہمارے پاس سارا ریکارڈ محفوظ ہے۔

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ (یٰسٓ پ ۲۳)

کون ان ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دے گا؟ آپ فرما دیجیے، وہی انھیں دوبارہ زندہ کر دے گا جس نے انھیں پہلی بار بنایا تھا۔ اور سب بنانا جانتا ہے۔

کفار و مشرکین کو حیرت تھی کہ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر حیاتِ انسانی کیسے ان ذروں میں عود کر آئے گی؟ ربُّ العزت نے فرمایا یہ ریزے اور چورا تو بہرحال انسانی لاش ہے، جس میں پیشتر زندگی رہ چکی ہے اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثارِ حیات کا پیدا ہونا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں، اگر ممکن ہے تو پتھر میں تبدیل ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ، جو آثارِ حیات قبول کرنے کی بظاہر صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ ان سے بھی کوئی زیادہ سخت چیز جس کا زندہ ہونا تمھیں معلوم ہے اور پتھروں سے بھی زیادہ مشکل نظر آئے، بن کر دیکھ لو۔ حتیٰ کہ موتِ مجسّم بھی بن جاؤ، تو اس قادرِ مطلق کے لیے تمھیں پھر اسی جسدِ عنصری سے زندہ کر دینا کوئی مشکل نہیں۔

ایک سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآنِ پاک میں جہاں جہاں بھی حشرِ آخرت کا ذکر ملتا ہے وہاں ہڈیوں کے چورے اور ذراتِ منتشرہ کو پھر جمع کرنے اور زندہ کرنے کا تذکرہ ضرور آتا ہے۔ جہاں اجمال ہے، وہاں بھی یہ مفہوم منطوی ہے، گویا کہ

Marfat.com

حشرِ آخرت کے لیے زمین یہی ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں اور ذرّات منتشرہ پھر اُٹھائے جائیں پس جب اُس دِن انبیاءؑ بھی اُٹھائے جائیں گے، تو اُن کی یہ بعثت ذرّاتِ منتشرہ اور عظامِ رمیم سے کیوں نہ ہوگی۔ حدیث شریف کے اِس مضمون سے کہ "زمین پر حرام ہے کہ انبیاءؑ کے جسموں کو مٹی بنائے" ان کا اجسادِ سالمہ سے اُٹھایا جانا، کیا قرآنِ پاک کے اُن مضامین کے خلاف نہیں، جہاں "حشرِ آخرت" ہڈیوں کے چورے اور ذرّاتِ منتشرہ پر مبنی ہے؟

اگر انبیاءؑ اِس عموم سے مستثنیٰ ہیں تو کیا اِس تخصیص کے لیے اتنے درجے کی قوی دلیل موجود ہے، جتنے درجے کی قوی یہ اصل ہے کہ حشرِ آخرت، ذرّاتِ منتشرہ اور عظامِ رمیم سے ہوگا۔ کیا حدیث اِس عمومِ قرآن کی تخصیص کر سکتی ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ انبیائے کرامؑ کو حشرِ آخرت میں دوبارہ لباسِ حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ عامۃ الناس کو جو زندگی اور کابل حیاتِ عنصری اُس دن ملے گی، وہ انبیائے کرامؑ کو پہلے ہی سے عالمِ برزخ میں حاصل ہے اور وہ اپنی قبور ہی میں اس حیات بعد الوفات پر فائز کر دیے جاتے ہیں۔ اُس دِن تو انھیں اپنی اپنی قبور سے صرف نکلنا ہی ہوگا، قدرتِ ایزدی سے ان قبورِ شریفہ کو صرف شق کیا جائے گا بخلاف عامۃ الناس کے کہ وہ خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے، بلکہ انھیں قدرتِ ایزدی سے نکالا جائے گا۔ انبیائے کرامؑ کے قیامت کے دِن زندہ کیے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

انا اوّل الناس خروجًا اذا بعثوا (مشکوٰۃ ص ۵۱۴) جب لوگ حشر کے لیے اُٹھائے جائیں گے، تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والا میں ہوں گا۔

پس یہاں حدیث سے تخصیصِ کتاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انبیائے کرام حشرِ آخرت کے اِس پورے مضمون ہی سے شانِ امتیاز رکھتے ہیں۔ ان کی اگر یہ

Marfat.com

یہ خصوصیت ہے کہ ورودِ وفات کے بعد ان کے اجسامِ عنصریہ میں ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر پھر حیات عود کر آئے گی، تو یہ مضمون بھی صحیح ہے کہ اس حیات بعد الوفات کا تحقق قیامت کے دن نہیں بلکہ قبورِ شریفہ ہی میں پیشتر ہو چکا ہے۔ پہلے مضمون پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاے کرامؑ کے لیے اعادہ حیات اجسامِ عنصریہ کے ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر ہے۔ پس یہ قرآنی مضمون کہ حشرِ آخرت کی زمین "ذرات منتشرہ" اور "عظام رمیم" ہے اگر "عام مخصوص منہ البعض" کے درجہ میں ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تخصیص خبرِ واحد سے محلِ کلام نہیں۔ بناءً علیہ اس حدیث کی وجہ سے کہ "الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون" کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح عامۃ الناس کو حشرِ آخرت میں کامل حیاتِ عنصری ملے گی، انبیاے کرامؑ اس سے بہت پہلے اپنی اپنی قبورِ شریفہ ہی میں فائز الحیات ہو چکے ہوں گے۔

پس اس باب میں احادیث سے استدلال خصوصاً جبکہ وہ تواترِ معنوی سے اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہوں عین مقتضاے موضوع ہے، یونہی آیات سے الجھتے چلے جانا اور قلب موضوع کرنا یہ کوئی امرِ مستحسن نہیں۔

ارشاداتِ پیغمبرِ خاتمؐ شریعتِ اسلام میں قانونی حیثیت رکھتے ہیں۔ صحابہؓ کے عہدِ سعادت مہد سے سلسلۂ روایت چلا، تابعین کے عہد کے بعد علمِ حدیث فنِ حدیث سے وابستہ ہوا اور راویوں کے حالات، ان کی جرح و تعدیل اور اتصال و ارسال ایک مستقل موضوع بن گئے۔ اس تحقیق و تنقیح کی جوں جوں ضرورت بڑھتی گئی، محدثین کے قواعد و ضوابط مدوّن ہوتے چلے گئے۔ راویوں کے حالات سے بھی اور محدثین کی تصحیح سے بھی روایات کے صحیح و سقیم ہونے کا پتہ چلتا رہا۔

یہ بات کافی نہیں کہ کسی سلسلۂ روایت میں جب کوئی ایسا راوی ملے، جس پر کسی نے جرح کی ہو، تو یکسر ہی اس روایت کو چھوڑ دیں۔ بلکہ دیکھا جائے گا کہ تعدیل کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں اور جرح کرنے والے کون کون اور کتنے۔ جرح مدلل ہے یا غیر مدلل اور محدثین کے نزدیک مقبول ہے یا مردود۔ غرضکہ یہ ایک مستقل فن ہے، جس تک رسائی بغیر فنی مہارت کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ عوام کو تو یہاں بھی

Marfat.com

اکابرِ فن کی تقلید سے چارہ نہیں۔ علمی تنقیحات اور فنی مباحث میں عام لوگوں کو کوئی جرح یاد کرا دینا اور پھر ائمۂ فن سے استغنا برتنے کی آبیاری کرنا، عام کہتے رہنا کہ اہلِ سُنّت کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صرف مُنکر اور ضعیف قسم کی ہی روایات ہیں، اگر تشغیب العوام نہیں تو اور کیا ہے؟

آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ جہاں بھی عوام کو مغالطہ دینے اور تعصّب و تحزّب کا شکار کرنے کے لیے کافی گنجائش ہے۔ جہاں انکار مطلوب ہُوا، کسی راوی پر ادنیٰ اِشارۂ جرح بھی معاف نہ ہونے دیا اور جہاں خود ضرورت درپیش ہوئی، وہاں بغیرِ تصحیحِ محدّثین کا سہارا لے لیا۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی!

جہاں صحیح مسلم اور ابو داؤد تک کی احادیث "موضوع روایات" کے تحت درج کی جا رہی ہوں اور اس مکتبِ فکر کے حدیث پڑھنے پڑھانے والے عُلماء تک اس جسارت پر خاموش ہوں تو اس سے چارہ نہیں کہ اس اندازِ فکر پر خون کے آنسو بہائے جائیں ؎

طُبِعَتْ علیٰ کدرٍ وانت تریدھا
صفواً من الاقذار والاکدار

ایسے پُرخطر دَور میں، جبکہ احترامِ سلف اور فکرِ آخرت کا دائرہ سمٹتا چلا جا رہا ہے، جہاں یہ امر ضروری ہے کہ مُلک و ملّت کی مہمات میں تعبیری اور فروعی اختلافات میں نہ اُلجھا جائے، وہاں اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ دینی طبقوں میں جہاں بھی "اعتماد علی السّلف" کے خلاف کوئی چنگاری سُلگتی نظر آئے، اُسے اول وہلہ ہی میں سُلا دینے کی پُوری جدّوجُہد کی جائے۔ بیرُونی حملے کے وقت بھی تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اندرُونی آتشزدگی ہی کہیں خرمنِ حیات کو خاکستر نہ بنا دے۔

Marfat.com

ہاں، اگر طریقِ اختلاف ایسا ہو جس میں اکابر کے خلاف جذباتِ تنفر نہ پیدا ہو رہے ہوں، تو پھر یہ اختلافِ رائے برداشت کر کے اصولی مسائل میں سب ایک ہی چشمۂ اتحاد سے سیراب ہو سکتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ اختلافات تفردات محققین کا مقام پالیں۔

اس سے انکار نہیں کہ نظریاتی مسائل میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے، لیکن اگر بعض اکابر سے اختلاف ہو تو بعض دوسرے اکابر کی تائید کے ساتھ اور اس امر کی وضاحت کے ساتھ کہ موقف قطعی نہیں، اجتہادی ہے، آخر جانبِ مخالف بھی احتمالِ صواب سے خالی نہیں۔ الغرض ہر شے اپنے محل پر ہے تو اختلاف کے باوجود نزاع کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

اس رسالۂ ہدایت مقالہ میں اس آفتابِ رشد و ہدایت کے زندہ جاوید ہونے کا بیان ہے، جس کے نورِ عرفان نے لاتعداد ذروں کو غیرتِ خورشید بنا دیا تھا اور جس کی تابانی آج بھی بھٹکتی مخلوق کو چشمۂ ہدایت سے سیراب کر رہی ہے۔ ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب!

Marfat.com

تمہید

الحمد للہ الکبیر القادر علیٰ جمیع الممکنات المرید لجمیع الکائنات والصلوٰۃ والسلام علیٰ جمیع الھداۃ بالزبر والبیّنات الذین ھم احیاء فی قبورھم بعد الممات خصوصًا علیٰ خاتم الرسل وافضل المخلوقات سیدنا ومولانا محمدؐ الذی ھو حی فی روضۃ من ریاض الجنات وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ واتباعہ الذین یقتبسون من نور حیاتہٖ فی الحیات وبعد الوفات۔ امّا بعد:۔

عالمِ برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے، جو اُٹھایا نہیں جا سکتا ـــــ قرآنِ کریم نے عالمِ دُنیا اور عالمِ آخرت کی تفصیلات تو بہت پیش کی ہیں، لیکن درمیانی منزل ـــــ عالمِ برزخ ـــــ پر اِجمال و اِشارات ہی کی مصلحت کا فرما ہے۔ برزخ ایک ایسا پردۂ خفا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ عالمِ آخرت کا جتنا حصّہ اِس پردۂ خفا میں ہے، اُسے بھی عالمِ برزخ کہا جاتا ہے، اس کی اِنتہا قیامت پر ہے:۔

وَمِنْ وَّرَائِہِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (مؤمنون پ۱۸) اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے۔

اِنسان اِس عالم میں پہنچ کر دُنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت

Marfat.com

بھی پُوری طرح سامنے نہیں آئی ہوتی، صرف اس کا تھوڑا سا نمونہ سامنے رہتا ہے، باقی پردہ ہی پردہ ہے، جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے۔

ہاں انبیاے کرامؑ اور اولیاے عظامؒ نے اس کائنات کے اسرار و رموز کا بارہا مشاہدہ کیا ہے اور ربّ العزت نے کئی دفعہ اس عالم کو اُن پر منکشف فرمایا۔

ظاہر ہے کہ گو یہ کہ کی یہ جھلکیاں اور انکشافات کے یہ پرتو اس مادی کے ناآشنا ماحول میں، عالمِ برزخ کے روابط و ضوابط کی جملہ کڑیاں نہیں ملا سکتے۔ پس ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آں حضرتؐ نے جو کچھ فرما دیا، اُس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرضِ خفا میں رہا، اس میں قیاسات کے گھوڑے نہ دوڑائیں اور فوق العقل کو خلافِ عقل قیاس کرتے ہوئے منقولاتِ صحیحہ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔

حیاتِ انسانی کے چار دَور

عالمِ ارواح :-

یہ وُہ پہلی زندگی ہے، جس میں عہدِ الستؔ[1] لیا گیا تھا" وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ" کی شہادت اسی دَور کی ہے اور موجودات پر دلالت کرتی ہے اُس وقت ارواح کو کچھ ہدایات[2] اور بشارات ربّ العزت کی طرف سے ملی تھیں۔ اس دَور کی انتہا والدہ کے پیٹ میں ہوتی ہے، جب جسدِ جنین میں رُوح داخل ہوتی ہے۔ اس عالم کو عالمِ ارواح اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے سوا جتنے بھی انسانی زندگی کے دَور ہیں، سب میں رُوح کے ساتھ بدن متعلق ہے، خواہ جلی طور پر جیسا کہ اس دُنیا میں ہوتا ہے اور خواہ نہایت

---

[1] اعراف پ۹

[2] مثل قولہ تعالیٰ "یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ"۔ (اعراف پ۸ ع۲)

Marfat.com

لطیف انداز میں، جیسا کہ قبر میں ہوتا ہے۔ بہر حال اس سے گریز نہیں عالمِ مثال میں بھی جسم سے چارہ نہیں، خواہ وہ کوئی دوسرا جسم ہی کیوں نہ ہو۔ عالمِ ارواح صرف ایک عالم ہے اور صرف اسی میں انسان کی زندگی روحانی زندگی ہے۔

عالمِ دنیا:۔

اس کا معنی قریبی زندگی کا دور ہے۔ قرآن اسے "اَلْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں روح و بدن کا تعلق نہایت مضبوط ہوتا ہے، مگر جسد کے احکام روح پر غالب رہتے ہیں[1]۔ یہاں حیات کا تقوّم اس دنیا کے رزقِ مادّی پر ہوتا ہے۔ تغذیہ و تنمیہ اس زندگی کے لوازم ہیں۔ اس دور کی انتہا موت پر ہوتی ہے، لیکن بعض اوقات مرنے سے پہلے ہی اگلی زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم "دارُ التکلیف" ہے اور یہی "دارالعمل" جس کے ذخیرہ پر بعد کی جزا یا سزا مرتّب ہوتی ہے۔

عالمِ برزخ:۔

موت کے بعد سے لے کر قیامت تک یہ دور قائم رہتا ہے۔ اس میں روح اور بدن یا روح اور اجزائے بدن کے مابین نہایت لطیف اور قوی تعلق[2] ہوتا ہے۔

---

[1] قال العارف الجامیؒ ان الغالب فی ھذا العالم احکام الاجساد و احکام الروح مستورۃ لظہور الجسد و خفاء الروح و ینعکس الحال فی البرزخ و تظہر احکام الروح اما المحشر فیستاوی فیہ الحکمان واللہ اعلم۔

[2] یہ تعلق یا تو اس طرح قائم ہوتا ہے کہ روح، بدن یا اجزائے بدن پر اپنی تاثیر ڈالتی ہے اور جیسا روح کا مقام ہو اس کے مناسب بدن یا اجزائے بدن میں آثارِ حیات قائم ہو جاتے ہیں اور۔ یا خود روح ہی علیین یا سجین سے لا کر داخلِ بدن یا اجزائے بدن کر دی جاتی ہے اور وہ تعلق قائم کر کے پھر اپنے اپنے مستقر میں لوٹ جاتی ہے۔ اگر روح کمزور ہو اور ذراتِ بدن بھی منتشر ہوں تو پھر یہ حیات نہایت کمزور قسم کی ہوتی ہے "در قبر احیاء و اماتت حقیقی نیست بسبب انعکاس اشعۂ روح بر بدن تعلقے پیدا می شود کہ تغذیہ و تنمیہ ہمراہ آں نمی باشد"۔ (تحفۂ اثناء عشریہ ص ۲۳۸ نولکشور)۔ ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی ہوتا ہے کہ آنے سے زیارت کرنے والوں کی اور اقربا اور دوستوں سے مطلع ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح کو قرب و بُعدِ مکانی اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۔ مطبع فاروقی دہلی)۔

Marfat.com

قائم ہوتا ہے۔ اِس میں دُنیا والوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی پُوری طرح سامنے نہیں آتی۔ یہاں کی زِندگی کے لیے رُوح اور حیات میں ملازمہ[1] نہیں۔ رُوح اگر بدن میں نہ بھی داخل ہو، صرف تاثیر ہی کر رہی ہو، تو بھی حیات کا تقوّم ہو جاتا ہے۔ قبر کی منزل[2] اِسی دَور میں شمار ہوتی ہے۔ یہ عالم ایک حیث سے مواطنِ دُنیوی سے بھی متعلق ہے اور گنجائشِ ترقی رکھتا ہے۔ (مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانیؒ دفتر ۲ عدد ۱۶ ص ۲۹ لکھنؤ)

عالمِ آخرت :-

یہ وُہی آخری مقام ہے، جسے قرآنِ کریم "دارُالقرار" کہتا ہے۔ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے۔ جنّت اور جہنّم اِسی دُنیا کے دو مختلف نقشے ہیں۔ یہی زِندگی "اَبقیٰ" ہے، (پ ۳۰ اعلیٰ) آگے فنا نہیں۔ اِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (پ)۔

یہ چاروں ادوار بالترتیب چلتے ہیں، البتہ صفاتِ مختلفہ مختلف جہات سے جمع ہوتی رہتی ہیں۔ اِن میں سے کوئی دو عالم آپس میں متوازی نہیں۔

---

[1] الحیوٰۃ فی اللغۃ شیء مغائر للروح لاعینہ بل ثمرۃ تعلقہ وقد زعم بعض الناس انہ نفس الحیوٰۃ ولیس کذٰلک ففی النصوص ذکر الحیوٰۃ ولیست روحًا واطلاقات الروح فی عقیدۃ السفادینی جلد ۲ ص ۲۹ تحفۃ الاسلام ص ۳۶ ان ملازمۃ الحیوٰۃ للروح امر عادی لاعقلی فھذا مما یجوزہ العقل (شفاء السقام ص ۱۵۹)۔ [2] عالمِ برزخ کا محل صرف قبر کا ظاہر نہیں، بلکہ اس قبر کی ایک فوق الادراک حیثیت ہے۔ بعض قبور اپنی برزخی حیثیت میں میلوں تک وسیع ہو سکتی ہیں، اگرچہ عام نظروں میں وہ ایک گڑھا ہی دکھائی دیں اور بعض اپنی ظاہری کشاد سے بھی تنگ ہو سکتی ہیں، اگرچہ ظاہر میں کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہوں۔ پس حقیقتِ قبر صرف اسی ظاہری گڑھے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عالمِ برزخ کی منزل ہے۔ یہ قبر صرف اس منزل کا ایک پہلو ہے اور اس کی ظاہری علامت ہے۔ اس کی برزخی وسعت و فسحت کو رب العزت ہی جانتے ہیں یا وُہ مقدس ہستیاں، جن پر عالمِ برزخ کا انکشاف ہو رہا ہو، اُن سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ اس ظاہر قبر کو حقیقتِ قبر سے کوئی علاقہ نہیں یا برزخ اس قبر سے کوئی بالکل مغایر چیز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

فلھذہ الانفس الاربع دور کل دار اعظم من التی قبلھا (کتاب الروح ص۱۴۴)۔

ہاں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بہت سی احادیث سے استنباط کرکے ایک ایسے عالم کا پتہ دیا ہے، جو عالمِ ارواح کے سوا حیاتِ انسانی کے باقی ادوار کے متوازی چلتا ہے۔ یہ عالم عنصری نہیں[1] اور اسے عالمِ مثال کہتے ہیں:۔

دلت احادیث کثیرۃ علیٰ ان فی الوجود عالمًا غیر عنصری یتمثل فیہ المعانی باجسام مناسبۃ لھا فی الصفۃ۔

بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایک اور جہان موجود ہے، جو عنصری نہیں اس میں معانی صفات اور اعراض اس صورت اجسام میں متمثل ہوتے ہیں، جو صفات میں ان کے مناسب ہو۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص۱۰۱ مصر)

عالمِ ارواح، عالمِ دنیا، عالمِ برزخ، عالمِ آخرت اور عالمِ مثال کے حالات اور ان کی صفات آپ کے سامنے ہیں۔ اب عالمِ برزخ میں قبر کے الم ولذت کی کیفیت اکابر سے سنیئے:۔

عذاب القبر

(۱) ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایۃ۔

(۱) میرے نزدیک قبر کا سوال وجواب روح وجسد کے مجموعہ سے ہوگا اور صاحبِ ہدایہ نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(فیض الباری مولانا السید انور شاہؒ ص۱۸۲ جلد۲)

---

[1] سورہ بقرہ اور آلِ عمران کا قیامت کے دن کا آنا اعمال کا جو اعراض ہیں، متجسد ہونا، دنیا کا بوڑھی عورت کی شکل میں آنا، موت کا مینڈھے کی شکل میں ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔

Marfat.com

(۲) یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ من الجنۃ او النار ویحس اللذۃ والالم۔

(مظہری جلد ۱۰ ص ۲۲۵)

(۲) یہ صحیح ہے کہ قبر میں جنت اور دوزخ کے ٹھکانے روح وجسد کے مجموعہ پر پیش ہوتے ہیں اور روح وجسد سے مرکب انسان ہی قبر کے لذت والم کا ادراک کرتا ہے۔

(۳) ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیاۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیاۃ فی تلک الاجزاء المتفرقۃ لا یدرکھا البصر۔

(ردالمحتار شامی باب الیمین فی الضرب والقتل جلد ۳ ص ۲۰۱)

(۳) عذابِ قبر کا انکار نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہلِ سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ لذت الم کا ادراک کر سکے، اور جسم کا یکجا ہونا اس ادراکِ الم کے لیے اہلِ سنت کے ہاں کوئی شرط نہیں، بلکہ وہ حیات اجزائے منتشرہ میں بھی اس طرح رکھی جا سکتی ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اسے نہ پا سکیں۔

(۴) واعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیات فی القبر قدر ما یتالم او یتلذذ۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۲۱)

(۴) یہ جان لیجیے کہ اہلِ حق (اہلِ سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں بحالتِ قبر ایک اس طرح کی حیات ضرور پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ (معاملاتِ قبر میں) الم یا لذت کا ادراک کر سکے۔

(۵) ان مذھب سلف الامۃ وائمتھا ان المیت اذا مات

(۵) سلف امت اور ائمہ اہلِ سنت کا فیصلہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد میت کے

Marfat.com

یکون فی نعیم او عذاب و
ان ذالك یحصل لروحه
و بدنه (کتاب الروح ص۶۳)

لیے نعیم و عذاب کے معاملات برحق ہیں اور (قبر میں لذت، و الم کا) یہ ادراک روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۶) ان النعیم والعذاب
لایکون الا علی الروح وان
البدن لاینعم ولایعذب
وھذا تقوله الفلاسفة المنکرون
لمعاد الابدان وھولاء کفار
باجماع المسلمین ویقوله
کثیر من اھل الکلام من
المعتزلة وغیرھم الذین یقرون
بمعاد الابدان لکن یقولون
لایکون ذالك فی البرزخ وانما
یکون عند القیام من القبور لکن
ھولاء ینکرون عذاب البدن فی البرزخ ۔فقط ۔ کتاب الروح ص۶۲

(۶) قبر کا ثواب و عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں ۔ یہ اُن فلاسفہ کا قول ہے، جو "معادِ ابدان" کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ بالاجماع مسلمان نہیں معتزلہ کے متکلمین کا، جو "معادِ ابدان" کا اقرار کرتے ہیں، بھی قبر کے ثواب و عذاب کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ وہ معاملہ ابدان کو صرف حشر میں تسلیم کرتے ہیں، برزخ میں اس کے قائل نہیں ۔ ان معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عذابِ قبر صرف روح سے متعلق ہے بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۷) بدنِ اوّل را از حصولِ
احکامِ برزخ چارہ نبود و از
عذاب و ثوابِ قبر گزر نہ ..
..... افسوس ہزار
افسوس، ایں قسم بطالاں
خود را بمسند شیخی گرفتہ اند

(۷) اس سے پہلے بدن (عنصری) پر احکامِ برزخ ضرور وارد ہوتے ہیں اور اس بدن اوّل کو عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے معاملات سے ہرگز چھٹکارا نہیں۔ افسوس ہزار افسوس، ان فریب کاروں پر جو شیخ ہونے کی مسند بچھائے ہوئے ہیں، مسلمانوں کے

Marfat.com

و مقتدا اے اہلِ اسلام گشتہ ضلّوا و اضلّوا۔
(مکتوباتِ امام ربانی دفتر ۲ ص ۱۱۶)

مقتدا بنتے ہیں (اور پھر ان امور کا انکار کرتے ہیں)۔ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

تنقیح المبحث

مختلف ادوارِ حیات کی تفصیل اس لیے کی گئی ہے کہ اصل موضوع جس پر پورے سوادِ اعظم کا اجماع ہے مشتبہ ہو کر نہ رہ جائے۔ برزخی کیفیات کی تفصیل اس لیے ہے کہ اس دُنیا والے بدن یا اس کے اجزا کو عالمِ برزخ میں رُوح سے کلّی طور پر جدا نہ سمجھا جائے، بلکہ ہر کسی کے لیے اس کے مقام کے مطابق رُوح و بدن کا تعلق قائم تسلیم کیا جائے۔

جملہ اہلِ اسلام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم، پر وفاتِ شہرِ ظہیر وارد ہوئی اور طریان موت سے "کلّ نفس ذائقۃ الموت" کا وعدہ پورا ہوا۔ آپ کے لیے جس قسم کی وفات مقدّر تھی اُس کا وُرود ہوا اور آپ نے یقیناً اس عالمِ دنیا سے عالمِ برزخ میں انتقال فرمایا، روضۂ منورہ برزخ کا محل اور آخرت کی پہلی منزل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ارشاد فرماتے ہیں:-

"حسب ہدایت "کلّ نفس ذائقۃ الموت" اور "انّک میّت وانّھم میّتون" تمام انبیائے کرام علیہم السّلام خاص کر حضرت سرورِ انام صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔"

(لطائفِ قاسمی ص ۴ مطبع مجتبائی)

"بالجملہ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

(آبِ حیات ص ۲۱۹)

Marfat.com

اس پر بھی پورے سوادِ اعظم کا اجماع ہے کہ حضورؐ کے پردۂ قبر میں جانے کے بعد پھر آپ کے جسدِ اطہر میں حیات لوٹا دی گئی۔ دخولِ روح سے اس دُنیا والے جسم عنصری میں اعادۂ حیات ہُوا یا تاثیرِ روح سے آپ کے جسدِ عنصری میں حیات لوٹ آئی؟ اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہُوا، لیکن انجام کار سب کا اتفاق ہے کہ آپ کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے حس و شعور نہیں، بلکہ فائز الحیات ہے۔ آپ کی یہ حیاتِ قدسیہ باعتبارِ تعلّق بالابدان جسمانی، باعتبارِ تعلق بالرزق روحانی اور باعتبارِ تعلق بالعالم، برزخی ہے۔

اِن سطور سے یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ اصل بحث مطلق حیات نہیں بلکہ حیات بعد الوفات ہے۔ پس وہ آیات یا روایات، جن سے نبوّت وفات ثابت کرنا کا استدلال ہوتا ہو، ہمارے مدّعا کے قطعاً خلاف نہیں۔ مسئلہ زیر بحث میں انہیں بار بار دُہرانا اور محلِ نزاع بنانا یقیناً خروج عن المبحث ہے۔ اہلِ سُنّت کا عقیدہ حیات النبیؐ کے مسئلہ میں یقیناً "حیات بعد الوفات" کا ہے۔ پہلے وفات کا ورود بعد کے زندہ ہونے کے ہرگز منافی نہیں۔ خطبۂ صدّیقی صرف اُن لوگوں کے خلاف ہی پیش ہو سکتا ہے، جو آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم، پر کسی قسم کے طریانِ موت کے قائل نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ طریانِ موت کی کیفیت میں تو اختلاف کر سکتے ہیں؛ لیکن ورودِ موت سے انہیں بھی اختلاف نہیں۔ یہ حقیقت ان کو بھی تسلیم ہے کہ جس قسم کی وفات آپ کے لیے مقدّر تھی، وہ آپ پر وارد ہُوئی اور وعدۂ الٰہیہ حضورؐ پر بھی پورا ہو کر رہا تھا۔

Marfat.com

طریانِ موت اور اعادۂ حیات کے احتمالاتِ ثلثہ

صورتِ واقعہ خواہ کچھ ہو،

روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی پھر بھی قدرِ مشترک ہے

احتمالِ اوّل :-

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی "ابانۃ الروح عن الجسد" ہے، لیکن روح مبارک جسدِ اطہر سے جدا ہونے اور رفیقِ اعلیٰ اور علیین کی سیر کرنے کے بعد[1] پھر قبرِ شریف میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر میں لوٹا دی گئی۔ روحِ اقدس کا اعلیٰ علیین سے تعلق بھی رہا اور بقعہ منورہ میں رکھے جسدِ اطہر تک بھی حیات لوٹ آئی اور اس طرح روح و بدن میں ویسا ہی قوی تعلق قائم ہو گیا، جو اس دنیا میں تھا، بلکہ اس سے بھی قوی تر، کیونکہ یہ حیاتِ دنیوی رزقِ مادّی کی محتاج ہے، لیکن اس عالمِ برزخ کی حیاتِ عنصری جسمانی اس دنیا کے رزقِ مادّی پر مبنی نہیں، اس کا تقوم رزقِ روحانی پر ہے اور ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔

---

[1] اعلیٰ علیین میں اس وقتی داخلے اور تعلق قائم کر کے پھر روح کے واپس ہو جانے پر تعجب نہ ہو۔ اس لیے کہ حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام نے ایک خواب میں حضور کو اس عالم کی سیر کرائی تھی اور حضور نے وہاں اپنی منزل دیکھی تھی، تو آپ اس میں داخل ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا داخل ہونے کا ارادہ وہاں رہنے کے لیے نہ تھا، بلکہ آپ محض سیر کے طور پر وہاں داخل ہونا چاہتے تھے، اس پر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل نے کہا تھا "انه بقي لك عمر لم تستكمله فلو استكملت اتيت منزلك" (بخاری کتاب الجنائز جلد اول صفحہ ۱۸۵) آپ کی عمر شریف میں سے کچھ حصہ باقی ہے۔ جب آپ اس کی تکمیل فرما لیں گے تو پھر آپ اپنی اس منزل میں آئیں گے"۔ جب یہ کلام اس وقتی داخلے کے جواب میں تھا تو متبادر ہوتا ہے کہ استکمالِ عمر کے بعد وہاں جو داخلہ میسر ہو گا وہ بھی بطور سیر اور کچھ وقت کے لیے ہی ہو گا۔ بعد میں کیا ہو گا، یہاں اس کی تفصیل نہیں اور نہ یہ اس کا مقام تھا۔ ہاں اس روایت کے کسی طریق میں ہمیں یہ الفاظ نہیں مل سکے کہ "آپ استکمالِ عمر کے بعد اس منزل ہی میں ہمیشہ رہیں گے" من ادعیٰ فعلیہ البیان۔ بہرحال یہ ایک خواب تھا جس کی تحقیق اس وقت مقصود کلام نہیں۔ ممکن ہے اس کی تعبیر کچھ اور ہو۔

Marfat.com

احتمالِ دوم :-

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی "ابانۃ الروح عن الجسد" ہی ہے لیکن بعد کا اعادۂ حیات دخولِ روح سے نہیں، اتصالِ روح سے ہے۔ روحِ مبارک جسدِ اطہر سے جدا ہو کر رفیقِ اعلیٰ اور حظیرۂ قدسیہ میں پہنچی، پھر اسی مستقر سے اس کا پرتو قبر شریف میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر پر پڑنے لگا، اس سے جسدِ عنصری کا شعور بیدار ہوا اور روح و بدن میں نہایت قوی علاقہ قائم ہو گیا۔ روح و بدن کے اس تعلق سے حیاتِ جسمانی قائم ہوئی اور روضۂ منورہ پر عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو آپ خود سنتے ہیں۔

احتمالِ سوم :-

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی "ابانۃ الروح عن الجسد" نہیں، بلکہ بمعنی قبضِ روح ہے "انقباض الروح فی القلب" سے روحِ اقدس سارے جسد سے بہ موجودہ منقطع کر کے قلبِ مبارک میں مستور ہو گئی۔ پھر وہاں روح اور حیات میں تلازم ہٹ گیا، آثارِ حیات قلبِ منور میں مرتکز ہو گئے اور روحِ مبارک اس تعلق کے باوجود علیین سے متعلق ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ حیات ایک لمحہ کے لیے بھی مرتفع نہ ہوئی اور روح بمعنی حیات کا بالکل انقطاع نہ ہوا خواہ روح معانقہ حیات علیین ہی میں ہو۔ یاد رہے کہ اس عالم میں منتقل ہونے کے بعد روح و حیات میں تلازم نہیں۔ آثارِ حیات سلب ہو کر قلب میں اس لیے منتقل ہوئے کہ اختلافِ دارین کا تحقق ہو سکے، کیونکہ موت ذریعہ ہے اس عالم میں منتقل ہونے کا اور قاعدہ ہے کہ حریمِ اسرار میں بجز آئینِ دربار کے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے ورودِ وفات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو دفن کر دیا اور روضۂ منورہ میں پھر آپ کے جسدِ اطہر میں حیات پھیلا دی گئی اور روح و بدن کا ویسا ہی تعلق قائم ہو گیا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ ماسوا اس کے کہ لوازمِ حیات وہاں صرف وہی ہیں، جن کا پتہ ہمیں شریعت کی

Marfat.com

طرف سے بنتا ہے، اس دُنیا کی زندگی کے جمیع لوازمات کا تحقق وہاں ضروری نہیں۔

طریانِ موت اور اعادۂ حیات کی ان تین صُورتوں میں سے کوئی ایک محلِ نزاع نہیں اور نہ ان میں سے کسی ایک کے امرِ واقع ہونے پر ہمیں اصرار ہے۔ بحث و تمحیص وہیں ہونی چاہیئے جہاں ترتبِ احکام مختلف کر دینے والا ہو اور جہاں بہر صُورت قدرِ مُشترک ایک ہی ہو اور ترتبِ آثار و احکام میں، خواہ کوئی بھی احتمال اختیار کر لیں نتیجہ ایک ہی ہو، وہاں ان مباحث میں اُلجھ کر رہ جانا خود ایک اندازِ جنوں ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے طریانِ موت اور اعادۂ حیات کے لیے جس صُورت کو امرِ واقع قرار دیا ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

"ہم بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے لیے ایسے یقین کے خواستگار نہیں کہ وہ ہم سنگ یقین توحید و رسالت ہو فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتبِ آثار و احکام ہو سکے"۔

(آبِ حیات صـ۳۲)

"گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں تو جانتا ہوں انشاء اللہ العزیز ایسا ہی رہے گا، مگر اس عقیدہ کو عقائدِ ضروریہ سے نہیں سمجھتا"۔

(لطائفِ قاسمیہ صـ۳ مطبعِ مجتبائی)

پس جب حضرت حجۃ الاسلامؒ نے اپنی اختیار کردہ صُورت سے اختلاف کرنے کا خود دُوسروں کو حق دیا ہے تو اب اس خاص جزئیہ میں حضرتؒ سے اختلاف خود ان کے مسلک سے خروج نہیں۔ ہاں اگر قدرِ مشترک ہی کا کہ "روضۂ منورہ میں جسدِ اطہر محض بے حس و شعور نہیں، بلکہ اس میں حیاتِ عنصری بہر صُورت کیفیتِ موت موجود ہے۔ انکار کر دیا جائے تو پھر اس اصل کے انکار کو اس ایک خاص صُورتِ موت کے انکار پر قیاس نہیں کر سکتے، یہ یقیناً اکابرِ اہلِ سُنّت کے مسلک سے گریز پائی ہے۔

روح

مبارک نے علیین سے پرتو ڈال کر جسدِ اطہر میں حیات لوٹائی ہو یا قدرتِ ایزدی سے خود رُوح ہی بدن میں داخل ہو چکی ہو یا قلبِ منور میں مستور حیات پھر سارے بدن میں پھیلا دی گئی ہو، صورتِ واقعہ خواہ کچھ ہو، مآل ان سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی تمام احتمالات اور مسالکِ فکر کی قدرِ مشترک ہے۔

تفصیلِ مذکور سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ مسئلۂ زیرِ بحث فقط یہی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ عنصری سے زندہ ہیں یا جسدِ اطہر محض بے جان پڑا ہے۔ یہ مبحث ہرگز نہیں کہ :۔

(۱) حضورؐ پر وفاتِ شریفہ کا ورود ہُوا تھا یا نہیں یا

(۲) یہ طریانِ موت "انقطاع الروح عن الجسد" کے معنی میں تھا یا قبضِ رُوح کے معنی میں یا

(۳) رُوحِ مبارک کا مستقر مقامِ علیین ہے اور وہ وہاں سے روضۂ منورہ میں رکھے جسدِ اطہر پر پرتوِ حیات ڈال رہی ہے یا خود رُوح ہی دوبارہ جسدِ اطہر میں داخل ہے اور رفیقِ اعلیٰ سے فقط ایک تعلق باقی ہے۔ وغیرہ ذالک من المدارک۔ ان کیفیات کو موضوع بنا لینا یقیناً خروج عن المبحث ہے اور یہ امور قطعاً نقطۂ اشتراک "قبر شریف کی حیاتِ عنصری" کے عوارضِ ذاتیہ میں سے نہیں، ان احتمالاتِ ثلثہ میں سے کسی ایک یا دو کے بالکل خلافِ واقعہ ثابت ہو جانے سے بھی اصل مسئلے کا انکار یا ابطال لازم نہیں آتا

اصل مبحث حیات النبیؐ :۔

باعتبارِ تعلق بالبدن	——	حیاتِ جسمانی	مشترک مفاد حیاتِ جسمانی برزخی ہے۔
باعتبارِ تعلق بالعالم	——	حیاتِ برزخی	
باعتبارِ تعلق بالرّزق	——	حیاتِ رُوحانی	

(ولولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ)

Marfat.com

حیاتِ جسمانی

زندہ اُسے ہی کہتے ہیں جس کے بدن میں حیات ہو، خواہ دُخُولِ رُوح سے، خواہ تاثیرِ رُوح سے۔ فقط رُوح کے زندہ ہونے سے کسی کو زندہ نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ رُوح تو ہوتی ہی زندہ ہے، خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی ــــــ رُوح جہاں بھی ہوگی، زندہ ہی ہوگی۔ پس کسی شخصیت کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی زندگی کا محل ہے۔ جس کے بدن میں حیات ہو وُہ زندہ ہے اور جس کی رُوح یا حیات اُس کے بدن سے منقطع ہے وُہ زندہ نہیں اور نہ اسے کوئی زندہ سمجھتا ہے۔

قرآنِ عزیز میں جہاں بھی انسانی حیات کا تذکرہ ہے، اُس کا محل جسم ہی ہے۔ شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ ...... الآیۃ

اور تم اُنھیں، جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، مُردے نہ کہو، بلکہ وُہ زندہ ہیں، لیکن تمھیں پتہ نہیں چلتا۔

یہاں احیاء اُنھی کو فرمایا، جو مَن یقتل کے ماتحت آتے تھے اور ظاہر ہے کہ قتل کا محل جسم ہے نہ کہ رُوح ــــــ پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ رُوح ــــــ اگر جسم میں زندگی ہو تو وُہ زندہ ہے۔ اگر جسم زندہ نہیں تو کوئی زندگی نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہداء کے اجسام سامنے بالکل مُردہ نظر آتے ہیں، بلکہ بعض اوقات لاش بھی ایک جگہ نہیں ہوتی تو کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ وُہ جسدی طور پر زندہ ہیں؟

جواباً عرض ہے کہ اسی لیے تو رب العزت نے ارشاد فرما دیا تھا ــــــ وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ لیکن تمھیں پتہ نہیں چلتا ــــــ اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا، تو یہ ایک پردہ ہے، حق یہی ہے کہ حیات ثابت ہے اور وُہ جسدی حیات ہے قاضی

Marfat.com

شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین۔

(نیل الاوطار جلد ۳ ص۲۱۱ مصر)

نصِ قرآن وارد ہے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں، انھیں رزق بھی دیا جاتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہوتی ہے (خواہ ہمیں اس کا ادراک نہ ہوتا ہو)۔ پس انبیاء مرسلین کی حیات پھر کس طرح جسمانی نہ ہوگی!

(۲) وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ۭ (پ۳ بقرۃ)

اور جب ابراہیمؑ نے کہا "اے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ فرماتے ہیں"۔

یہاں حیات کا محل اسے ہی بنایا جسے کہ "موتٰی" کہا گیا ہے اور ظاہر ہے رُوح ہمیشہ زندہ رہتی ہے اسے میّت کبھی بھی نہیں کہا جاتا۔ موت کا محل جسم ہی ہے اور "موتٰی" اجسام ہی کو کہا گیا ہے۔ پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔

(۳) فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ

حضرت عزیرؑ کو سو سال تک[1] موت سے رکھا۔

اس میں بھی اماتت کا محل جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔ حضرت عزیرؑ کی رُوح پر

---

[1] پیشِ نظر رہے کہ جس طرح جملہ بنی آدم پر فعل اماتت محض ایک آنی اور صرف چند لمحات کے لیے وارد ہوتا ہے بعد ازاں برزخی معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عزیرؑ پر ایسا نہ ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سو سال تک موت کی حالت ہی میں رکھا، آگے کے برزخی معاملات ان پر وارد نہ فرمائے، کیونکہ آگے جا کر انھیں اسی دُنیا میں زندہ کیا جانا تھا۔ پس جب مدّت سابقہ سے انتقالِ دارین کا تحقق نہ تھا تو برزخی معاملات کو روک لیا گیا۔ یہاں "مائۃ عام" کی قید اسی لیے ہے کہ جب دوسرے بنی آدمؑ پر فعل اماتت کے بعد معاملاتِ برزخ جاری کر دیے جاتے ہیں۔ یہاں معاملہ عجیب ہو رہا ہے۔ پس اسے ایک ضابطہ بنانا اور موتِ انبیاءؑ کے لیے بطور ایک کلیہ کے پیش کرنا کس قدر کھلی خطا ہے!

تو موت قطعاً نہ آئی تھی ۔ پس جس طرح موت کا محل جسم ہے نہ کہ رُوح ، اسی طرح حیات کا محل بھی جسم ہی ہے ۔ جب حیات جسم میں ہو تو زندہ ہے جب نہ ہو تو زندہ نہیں ۔

(۴) انّی یحیی ھذہ ـــــ میں بھی محل حیات جسم ہی ہے نہ کہ رُوح ۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ حیات ہوتی ہی جسمانی ہے، اگر رُوح کا تعلق بدن کے ساتھ نہ ہو تو اسے کوئی حیات نہیں کہتا اور نہ ہی یہ حیات کی کوئی قسم ہے ۔ خواہ مخواہ اسے حیاتِ رُوحانی کہتے چلے جانا ایک مغالطہ اور فریب ہے، اسی طرح موت کا محل بھی جسم ہی ہے ۔ مالک بن ریب اپنے مرثیے میں کہتا ہے ۔ ؎

وَلَمَّا تَرَاءَتْ عِنْدَ مرو مَنِيَّتِيْ
وَحَلَّ بِهَا جِسْمِيْ وَحَانَتْ وَفَاتِيَا

(ترجمہ) اور جب مرو کے پاس میری موت سامنے آئی اور اس کا محل میرا جسم بنا اور میری وفات کی گھڑی آپہنچی ۔

حیاتِ برزخیہ

انبیائے کرامؑ کی حیاتِ عنصری جسمانی کے انکار کو حیاتِ برزخی کے مبہم اقرار میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ حیات کی کوئی قسم برزخی نہیں ۔ حیاتِ برزخیہ میں علاقہ نوعیت کا نہیں ظرفیت کا ہے اور حیاتِ برزخی سے مراد حیات فی البرزخ ہے نہ یہ کہ حیات کی اپنی کوئی قسم برزخی ہے ، نہ یہ مطلب ہے کہ آپ کو عالمِ برزخ میں حیاتِ جسمانی حاصل نہیں ۔

پس جن جن بزرگوں نے حیاتِ برزخی کی تصریح کی ہے ان کی مراد روضۂ منوّرہ کی حیاتِ عنصری جسمانی کا انکار ہرگز نہیں ، اسی طرح جنھوں نے حیاتِ رُوحانی کے

Marfat.com

الفاظ استعمال کیے۔ ان کا منشاء یہی تھا کہ باعتبارِ تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے، نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم روحانی بھی ہے۔ اندریں صورت حیاتِ روحانی یا حیاتِ برزخی کے قول سے قبرِ شریف کی حیاتِ جسمانی کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا۔

خلاصۃ المرام یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ثانیہ کی ان جہات (برزخی، روحانی، معنوی) میں کوئی اختلاف نہیں، انھیں خواہ مخواہ محلِ بحث بنانا اصل موضوع کو الجھانے کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اصل موضوعِ تحقیق صرف حیاتِ جسمانی ہے اور وہی محلِ نزاع بنی ہوئی ہے۔ پس اصل مبحث یہ ہے کہ:۔

"سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ عنصری جسمانی حاصل ہے یا جسدِ اطہر محض بے حس و شعور پڑا ہے"۔ (معاذ اللہ)

رُوح کی حقیقت

بقیۃ السلف بحر العلوم حضرتِ علامہ سید انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالفاظِ عارف جامیؒ یہاں تین چیزیں ہیں:۔

۱۔ وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں، جیسے ہمارے ابدانِ مادیہ۔

۲۔ وہ جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے، جنھیں صوفیا "اجسامِ مثالیہ" کہتے ہیں۔

۳۔ وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں، جن کو صوفیہ "ارواح" یا حکماء "جواہرِ مجردہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔

جمہور اہلِ شرع جس کو رُوح کہتے ہیں، وہ صوفیہ کے نزدیک "بدن مثالی" سے موسوم ہے، جو بدنِ مادی میں حلول کرتا ہے اور بدنِ مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ رُوح بدنِ مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس

Marfat.com

جُدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے، جس سے بدن پر ہر حالت میں موت طاری نہیں ہونے پاتی، گویا حضرت علی مرتضےٰؓ کے قول کے مطابق، جو بغویؒ نے "اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا" کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس وقت رُوح خود علیحدہ رہتی ہے، مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔ (فوائد القرآن للعلامۃ العثمانی ۲۴ صـ ۳۸)

حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

الحیٰوۃ فی اللغۃ شیٔ مغائر للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقہ وقد زعم بعض الناس انہ نفس الحیٰوۃ ولیس کذٰلک۔ (تحیۃ الاسلام صـ ۳۶)	حیات اور رُوح لغت کی رُو سے دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ حیات رُوح کا عین نہیں، بلکہ اس کے تعلق کا ایک ثمرہ ہے بعض عام لوگوں کا گمان ہے کہ رُوح ہی نفسِ حیات ہے، حالاں کہ معاملہ ایسا نہیں۔
بسیارے از اشاعرہ وحنفیہؒ در اعادۂ رُوح تردد کردہ اند و تلازمِ رُوح وحیات را منع نمودہ۔ (جذب القلوب صـ ۱۷۵ از مسائرہ)	بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ (حیات فی القبر کے لیے) اعادہ رُوح کے باب میں متردد رہے ہیں (یعنی اسے قطعی نہیں جانتے ہیں) اور حیات اور رُوح کے تلازم کے قائل نہیں

(یعنی قبر میں حیاتِ جسمانی کے لیے اعادۂ رُوح ضروری نہیں، محض تعلقِ رُوح سے بھی وہاں حیات کا تحقق ہو جاتا ہے)۔

Marfat.com

مفارقتِ بدن کے بعد رُوح کا شعور

امام رازیؒ اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہ "رُوح مفارقتِ بدن کے بعد بھی جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے۔ فرماتے ہیں :

"فوجب القطع بأن النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئيات"۔ (المطالب العالیہ مقالہ ۳ · فصل ۵، مطبوعہ مصر)

اِن تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اصل موضوع "اعادۂ رُوح" بھی نہیں، بلکہ "ثبوتِ حیات بعد الوفات لسیّد الکائنات" ہے۔ اِسی موضوع پر ہم کچھ گزارشات کرنا چاہتے ہیں، عمدہ رُوح کی بحث اگر آئے گی، تو ضمناً آئے گی۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق!

Marfat.com

حیات بعد الوفات لسید الکائنات

الباب الاول وفیه اربعة فصول

حدثنا هارون بن عبد الله اخبرنا حسین بن علی عن[1] عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه قبض وفیه النفخة وفیه الصعقة فاکثروا علیّ من الصلوٰة فان صلوٰتکم معروضة علیّ قال قالوا یا رسول الله وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان الله عزوجل حرم علی الارض الاجساد الانبیاء۔

سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۱۵۰/۲۱۴، سنن نسائی جلد ۱ ص۱۵۴، سنن ابن ماجه ص۷۷ ص۱۱۹، سنن دارمی ص۱۹۵، مستدرک حاکم جلد ۱ ص۲۷۸، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۳ ص۲۴۸ والطبرانی کما فی نیل الاوطار جلد ۳ ص۲۱۰/۲۱۱ واحمد کما فی التفسیر لابن کثیر جلد ۳ ص۵۱۴ وابن خزیمة وابن حبان وسعید بن منصور فی سننه وابن ابی شیبة فی مصنفه کما فی شرح العلامة البوسنوی ص۳ مصر۔

---

[1] قال ابن حبان فی صحیحة حدثنا ابن خزیمة حدثنا ابو کریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر فصرح بالسماع منه (جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص۳۶ طبع امرتسر)۔

Marfat.com

(ترجمہ) حضرت اوس بن اوسؓ کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم، صلی اللہ علیہ وسلم، نے ارشاد فرمایا۔ تمام دِنوں میں سے افضل جمعہ کا دِن ہے، اسی دِن آدم کی تخلیق ہوئی، اسی دن ان کی رُوح قبض ہوئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دِن قیامت کی بے ہوشی ہوگی۔ پس جمعہ کے دِن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمھارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ، جب آپؐ قبر میں گھل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپؐ پر کیسے پیش کیا جائے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے۔

اس حدیثِ صحیح میں منشائے نبوت کیا ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے یہ اُمور پیشِ نظر رکھیں:۔

۱۔ صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات ہمارا درود آپؐ پر کیسے پیش کیا جائے گا، دراصل آں حضرتؐ کے اس ارشاد سے پیدا ہوا تھا ——

فان صلوٰتکم معروضۃ علی ۔ بے شک تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آں حضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم، جس وقت یہ ارشاد فرما رہے تھے، اس زندگی میں یہ صلوٰۃ و سلام بلا ریب رُوح مع الجسد پر پیش ہوتا تھا۔ اس حیات میں تو یہ تصور بھی نہیں کہ رُوح اور جسم کبھی ایک دُوسرے سے جُدا ہوتے ہوں، اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ بعد الوفات یہ عرض صلوٰۃ و سلام صرف رُوحِ مجرّد پر ہوگا یا بدستور رُوح مع الجسد ہی پر پیش ہوتا رہے گا۔ آں حضرتؐ کا ارشاد فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ جملہ اسمیہ میں تھا۔ صحابہؓ نے جب اس استمرار پر متعجب ہو کر قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا تو آپؐ نے ہر حد میں فرق کرنے کے بجائے ایک اُصولی بات بتا دی کہ پیغمبروں کی وفات کے بعد وُہ حالت نہیں ہوتی، جو عام دُوسرے انسانوں کی ہوتی ہے، آپؐ نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا وُہ اسی کا جواب تھا، ارشاد ہوا:۔

"زمین پر حرام ہے کہ انبیاءؑ کے جسموں کو مٹی بنائے"۔

Marfat.com

گویا آپؐ نے قبل الوفات اور بعد الوفات کے عرضِ صلوٰۃ وسلام کو برابر رکھا۔ اب ظاہر ہے کہ قبل الوفات یہ عرضِ صلوٰۃ وسلام رُوح مع الجسد پر پُورے شعُور سے ہوتا تھا پس اِس یقین سے چارہ نہیں کہ بعد الوفات بھی یہ عرضِ صلوٰۃ وسلام رُوح الجسد پر پُورے اِدراک وشعُور سے ہو رہا ہے، ورنہ بنائے سوال اَور جواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔

(۲) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد کہ "زمین پر حرام ہے کہ انبیاءؑ کے جسموں کو مٹی بنائے" صرف اَرَمْتَ (آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے) کے مقابلہ میں نہیں، بلکہ کیف تعرض صلوٰتنا علیك کے جواب میں ہے، یعنی اِرشادِ نبوّت صرف یہ نہیں کہ انبیاء کرامؑ کے اجسادِ مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، بلکہ آپؐ کا منشا یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ کے اَجسادِ مطہرہ اِس طرح محفُوظ ہوتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اِس لیے کہ اصل سوال یہ تھا:۔

کیف تعرض صلوٰتنا علیك وقد ارمت ۔ ہمارا دُرُود آپؐ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ مُراد ہرگز نہیں کہ اَجسامِ مطہرہ صرف اِس طرح محفُوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبُور میں محض بے حس وشعور پڑے ہیں، بلکہ منشائے سوالت میں اَیسی محفُوظیت مُراد ہے کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔ اگر اجسادِ محفُوظہ پر صلوٰۃ وسلام پیش نہ ہوتا ہو اَور انھیں اس صلوٰۃ وسلام کا بالکل شعُور نہیں ہوتا، تو حدیث کے دونوں جُملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال وجواب کا اِقتضاء یہی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر محض بے حس وشعُور اکرامًا محفُوظ نہ ہو، اس میں اَیسی حیات ہو کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔

۳۔ صحابہ کرامؓ کے سوال میں "ارمت" اَور اُس کے جواب میں "اجساد الانبیاء" کے اِطلاقات قطعًا اَور یقینًا اِس دُنیا والے جسدِ عنصری سے متعلق ہیں۔ یہاں اِس شُبہ کی قطعًا گنجائش نہیں کہ شاید اجسادِ مثالیہ مُراد ہُوں، پس اِس

Marfat.com

یقین سے چارہ نہیں کہ صلوٰۃ وسلام روضۂ منورہ کے اسی جسدِ عنصری پر پیش ہو رہا ہے اور جسدِ اطہر وہاں مع الرّوح ہی ہے، تو عرضِ صلوٰۃ وسلام کا محل بنا ہوا ہے، محض بے جان جسم پر درود پیش کرنے کا تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر اس کا کچھ امکان بھی ہوتا کہ بے جان بدن یا اجزائے بدن پر بھی عرضِ صلوٰۃ وسلام ہو سکتا ہے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے :-

کیف تعرض صلوتنا علیك وقد ارمت

اگر بے جان بدن پر بھی یہ عرضِ صلوٰۃ وسلام ہے، تو پھر سارے بدن کے یک جا ہونے یا ذراتِ بدن کے منتشر ہونے میں کیا فرق ہے۔ فتفکر فان ذالك من مدارک الاذکیاء۔

مولانا محمد بشیر قنوجی رحمہ اللہ تفہیم المسائل فارسی ص۸۵ پر اس حدیث حفظِ اجساد سے اسی طرح استدلال فرما رہے ہیں۔

کثیفہ

بعض حیران کن واقعات یا تصورات جب لطفِ طبع کے لیے کہے یا سُنے جاتے ہیں، تو انھیں لطیفہ کہتے ہیں۔ ایسے لطائف اچھے خاصے ذوقِ طبع کا سامان ہوتے ہیں، لیکن ایسے ہی بعض اوقات جہالت کی انتہا، نظر کے فریب یا تاویل کے فساد کو بھی علمی لطیفوں کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں، جو واقعہ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ بھی فسادِ تاویل کی انتہائی مثال ہے۔ چونکہ ایسے نقل کرنے میں بھی طبیعت پر گرانی ہوتی ہے، اس لیے اسے لطیفہ کے بجائے کثیفہ کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے :-

پچھلے چند ماہ کا واقعہ ہے ایک تقریر کے سلسلہ میں ضلع کیمبلپور جانا ہوا۔ وہاں چند روز پہلے کے ایک جلسہ کی روئداد بعض لوگوں سے سُننے کا اتفاق ہوا۔ ایک عالم نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قبور میں اجساد کا محفوظ رہنا نبوّت

Marfat.com

صادقہ کی علامت ہے، سچے مدّعیِ نبوّت اور جھوٹے مدّعیِ نبوّت کا اس طرح سے پتہ چل سکتا ہے کہ قبر کھول کر دیکھ لو، جھوٹے مدّعی کی لاش گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوگی، مگر سچے پیغمبر کا جسد بالکل محفوظ ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ "زمین پر حرام ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے" سچے اور جھوٹے نبیوں کا امتیاز کرنے کے لیے تھا۔ (معاذ اللہ!) اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قبروں کو کھول کھول کر سچے نبیوں کی پہچان ہوتی ہے، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ!

اگر یہ بیانِ دلفگار صحیح ہے، تو غور کیجیے کہ کس طرح منشائے نبوّت کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ارشادِ نبوّت کو سیاق و سباق سے بے نیاز کرنے اور اُسے ایسا معنی پہنانے پر جو آج تک کسی شارحِ حدیث کو نہیں سوجھا، حیرت در حیرت ہوتی ہے ؂

الا یا قومنا انتبھوا فانا
نحاسب فی القیمۃ غیر شک

اگرچہ یہ ارشادِ نبوّت اجسادِ انبیاءؑ کی محفوظیت ــــــ، ایسی محفوظیت کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکے ــــــ اور ایسا صلوٰۃ و سلام پیش ہونا جیسا کہ قبل الوفات ہوتا تھا، یعنی روح و جسد کے مجموع پر ــــــ پر دلیل ناطق اور شاہدِ صادق ہے، تاہم تائیدِ مزید کے لیے یہ بھی سُنیے:۔

تائیدِ مزید

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداءؓ سے یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ حضورِ انورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ

حی یرزق ـــــــ ابن ماجہ ص ۱۱۹

ترجمہ :- "بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاءؑ کے جسموں کو مٹی بنائے، پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے"۔

لیجیے جو مضمون حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت سے اس طرح ثابت ہوتا تھا:۔

فان صلوٰتکم معروضۃ علی ــــــ بنائے سوال "کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت"۔

ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء ــــــ جواب برائے صورت "عرض صلوٰۃ وسلام بعد الوفات"

نتیجہ ــــــ بعد الوفات حیات جسمانی

حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت میں وہی نتیجہ خود الفاظ نبوت ہو کر سامنے آگیا ہے۔

فنبی اللہ حی یرزق ــــــ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔

اس جزو کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔ محدثین میں سے کسی کی یہ تصریح ہماری نظر سے نہیں گزری۔ یہ ادعا اور حکم ادراج کہاں تک صحیح ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں، ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ انبیاءؑ کے اجساد مطہرہ کے محفوظ رہنے اور ان پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہوتے رہنے سے، حیات النبیؐ کا جو استدلال ہم نے پیش کیا ہے، وہ دوسری روایت میں بعینہٖ جزو حدیث کے طور پر موجود ہے اور اگر یہ راوی حدیث کی اپنی تفسیر اور ادراج ہے تو بھی اس میں ہماری ہی تائید ہے کہ حدیث حفظ اجساد کا اس کے پورے سیاق وسباق کے ساتھ جو مطلب ہم نے سمجھا تھا، اس حدیث کے راوی

لے کما یظہر من صنیع صاحب السیرۃ المصنفۃ وراجع لہ ص ۵۴۰

کرنے والے بھی وہی مطلب لے رہے ہیں، مقامِ تعجب ہے کہ اجساد الانبیاءؑ کے واضح سیاق کے باوجود فنبی اللہ حی یرزق کا مطلب یوں بیان کیا جائے کہ اس میں مطلق حیات کا ثبوت ہے حیاتِ جسدی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے

والبغی یصرع اھلہ　　　　والظلم مرتعہ الوخیم

حضرت ابو الدرداءؓ کی یہ روایت ایک اور سلسلۂ اسناد سے طبرانی میں بھی موجود ہے (جلاء الافھام لابن القیمؒ ص۵)

رجال اسناد روایت ابی الدرداءؓ

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ــــ قلت رجالہ ثقات (تہذیب جلد ۳ ص۳۹۸)۔

۲۔ الحفنی حاشیہ عزیزی شرح جامع صغیر ــــ رجالہ ثقات۔ ص۲۹۰ مصر۔

۳۔ ملا علی قاریؒ ــــ باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ (مرقاۃ جلد ۲ ص۱۱۲)۔

۴۔ علامہ سمہودیؒ ــــ رواہ ابن ماجۃ باسناد جیّد (خلاصۃ الوفاء ص۴۸)۔

۵۔ قاضی شوکانی یمنیؒ ــــ اخرج ابن ماجۃ باسناد جیّد (نیل الاوطار جلد ۳ ص۲۱)۔

۶۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ ــــ باسناد جیّد (عون المعبود جلد ۱ ص۴۰۵)۔

۷۔ تنقیح الرواۃ ص۲۵۵ باسناد جید (وترکنا البتایا مخافۃ التطویل)۔

Marfat.com

الفصل الاوّل

وفیہ ستّۃ من المباحث

المبحث الاوّل: احوالِ رُواۃ حدیث اوس بن اوس رضؓ

پہلا راوی، جس پر تمام ائمۂ حدیث کا اشتراک ہو جاتا ہے، حسین بن علی الجعفی ہے[1] اس کے بعد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر، پھر ابوالاشعث صنعانی اور ان کے بعد حضرت اوس بن اوسؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی ہیں۔ اندریں صورت صرف حسین بن علیؒ عبدالرحمٰن اور ابوالاشعث کے مختصر تراجم پیش کیے جاتے ہیں۔

حسین بن علی —— ثقۃ عابد (تقریب ص۱۱۳ کشف الاستار ص۲۶)۔

عبدالرحمٰن بن یزید :-

عبدالرحمٰن بن یزید دو ہیں: ایک عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم۔ دوسرے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ابن تمیم کو ضعیف کہا گیا ہے، لیکن ابن جابر ثقہ اور قوی ہے۔ اس حدیث کے سلسلۂ اسناد میں عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں۔ بعض حضرات نے ان اسانید کو دیکھ کر جہاں صرف عبدالرحمٰن بن یزید تھا، اسے ابنِ تمیم سمجھ لیا اور حدیث کی تضعیف کر دی، حالانکہ ابوداؤد اور نسائی کے متن میں ابنِ جابر کی تصریح موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کو خواہ مخواہ خلط ملط کر رہے ہیں۔

---

[1] قال ابوداؤدؒ حدثنا ھارون بن عبداللہ اخبرنا حسین ابن علی (جلد ۱ ص۱۵۰) قال النسائیؒ اخبرنا اسحٰق بن منصور قال حدثنا حسین ابن علی (جلد ۱ ص۱۵۲)۔ قال احمد حدثنا حسین بن علی (ابن کثیر جلد ۳ ص۵۱۶)۔ قال ابن ماجہ حدثنا ابوبکر بن ابی شیبہ حدثنا حسین بن علی (ص۱۱۹)۔ قال ابن خزیمہ حدثنا ابوکریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبدالرحمٰن (جلاء الافہام لابن القیم ص۶۲)۔

Marfat.com

جن لوگوں کی رسائی اصل کتبِ حدیث تک نہیں ہوتی، اُن کی نا واقفیت کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر، انھیں مغالطہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ نچلے راوی حسین بن علی نے یُوں ہی ابنِ جابر کہہ دیا ہے (معاذ اللہ، استغفر اللہ!)۔ ضد اور تعصب نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ہر صداقت مشتبہ نظر آتی ہے ؎

وقد ترکتنی لا اعی لمحدثٍ

حدیثاً و ان ناجیتہ و نجانی

سُنیے حافظ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں:۔

وقولھم انہ ظن انہ ابن جابر و انما ھو ابن تمیم فغلط فی اسم جدہ بعید فانہ لم یکن یشتبہ علی حسین ھذا بھذا مع نقدہ و علمہ بھما و سماعہ منھما۔ (جلاء الافہام ص۴۵) رایت الدار قطنی قد ذکر ذلک نصاً (ص۴۸)

بعض لوگوں کا یہ گمان کہ یہ راوی ابنِ تمیم ہے، اسے ابنِ جابر کہنے میں غلطی ہو گئی ہے، صحیح نہیں۔ حسین بن علی جیسے راوی حدیث پر ایسا شک بہت بعید ہے۔ حسین بن علی کا معیارِ تنقید اور ان دونوں عبدالرحمٰن نامی راویوں کو ذاتی طور پر جاننا اور ان سے سننا ہرگز اس اشتباہ کی گنجائش نہیں دیتا۔

عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے مکحول، زہری، عطیہ بن قیس، عمیر بن ہانی، ابو الاشعث صنعانی اور عطاء خراسانی سے احادیث سُنیں اور اُن سے ان کے بیٹے عبداللہ، حسین بن علی الجعفی اور دُوسرے کئی لوگوں نے روایات لیں، آپؒ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن المبارک کے بھی شیخِ حدیث تھے (جلاء الافہام ص۴۷)۔

امام یحییٰ بن معین، ابن سعد، امام نسائی اور دُوسرے کئی محدثین نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کو ثقہ قرار دیا ہے (تہذیب جلد ۶ ص ۲۹۸)۔

Marfat.com

ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے بعد فقہائے شام کے دوسرے طبقہ میں سے تھے۔ یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ جابر کے بیٹے عبدالرحمٰن اور یزید دونوں ثقہ تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں "ھو من ثقات الناس"۔ ان کے بیٹے ابوبکر نے کہا ہے "ثقہ مامون"۔ ابوحاتم کہتے ہیں "صدوق لا بأس به ثقة" (تہذیب جلد ۶ ص ۲۹۸)۔

وفات ۱۵۳ھ عمر تقریباً ۸۴ سال۔ ابنِ جابر کے اساتذہ میں ابوالاشعث الصنعانی کا اسمِ گرامی ذکر ہو چکا۔ یہی استاذ اس حدیث حفظِ اجسادِ انبیاءؑ کو روایت کر رہے ہیں۔ ابنِ تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔ (تہذیب ص ۲۱۵ من المجلد السادس)۔

پیشِ نظر رہے کہ وہ شخص، جسے عبدالرحمٰن بن یزید کے دادا کے نام پر اشتباہ ہوا اور ابنِ تمیم کے بجائے ابنِ جابر کہہ گیا تھا، درحقیقت ابواسامہ ہے، حسین بن علی نہیں اس پر علل رجال کے ماہرِ فن امام دارقطنیؒ نے نص فرمائی ہے۔

خلاصۂ کلام یہی ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ہے اور ثقہ صدوق راویِ حدیث ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ وہ لوگ، جو طبقاتِ رواۃ اور علل رجال پر نظر نہیں رکھتے، از خود جرح و تعدیل میں امام بن بیٹھتے ہیں۔

ابوالاشعث الصنعانی:

ثقه من الثانیه شهد فتح دمشق (تقریب التہذیب ص ۲۲۱)۔ اصل نام شراحیل بن آدہ ہے۔ ثقہ راویِ حدیث ہے (کشف الاستار ص ۱۱۹)۔

المبحث الثانی

کن کن ائمہ و کبار اور محدثینِ کرام نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے اور اسے تسلیم کیا ہے:۔

Marfat.com

۱۔ امام احمدؒ ۲۔ امام ابوداؤدؒ ۳۔ امام نسائیؒ ۴۔ امام ابنِ حبانؒ ۵۔ امام ابن خزیمہؒ ۶۔ امام دارقطنیؒ ۷۔ امام نوویؒ ۸۔ امام ابن دحیہؒ ۹۔ حافظ ابنِ کثیرؒ ۱۰۔ حافظ ابن تیمیہؒ ۱۱۔ حافظ ابن قیمؒ ۱۲۔ حافظ ذہبیؒ ۱۳۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ ۱۴۔ علامہ عینیؒ ۱۵۔ حافظ سخاویؒ ۱۶۔ علامہ طیبیؒ ۱۷۔ امام ملا علی قاریؒ ۱۸۔ علامہ سمہودیؒ ۱۹۔ شیخ دہلویؒ ۲۰۔ قاضی شوکانیؒ ۲۱۔ حجۃ الاسلام امام محمد انور شاہ کشمیریؒ وغیرہم من الاکابر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حوالجات از بعض عبارات :۔

۱۔ شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ ـــــ تلخیص المستدرک للعلامۃ الذہبی "علیٰ شرط البخاری" جلد ۱ ص ۲۷۸

۲۔ حضرت امام نوویؒ :۔

روینا فی سنن ابی داؤد والنسائی و ابن ماجہ بالاسانید الصحیحۃ عن اوس بن اوسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .... الحدیث (کتاب الاذکار کتاب الصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ ص ص ۱۴۸)۔

۳۔ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ :۔

ا۔ ورد الامر باکثار الصلوٰۃ علیہ یوم الجمعۃ من حدیث اوس بن اوسؓ وھو عند احمد وابی داؤد وصححہ ابن حبان (فتح الباری پ ۲۶ کتاب الدعوات ص ۵۷ مطبوعہ دہلی)

ب۔ ورد الامر بالاکثار منہا یوم الجمعۃ فی حدیث صحیح کما تقدم (فتح الباری پ ۲۶ ص ۵۸)۔

ج۔ عند ابی داؤد والنسائی وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ من

Marfat.com

اوس بن اوسؓ رفعہ۔

(فتح الباری پ۱۳ کتاب الانبیاء ص۲۷۹)

۴۔ شیخ الاسلام علامہ عینیؒ :۔

صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام (عینیؒ علی البخاری جلد ۶ ص۴۹)

۵۔ حافظ ابن کثیرؒ :۔

قد صح ھٰذا الحدیث ابن خزیمۃ وابن حبان والدار قطنی والنووی فی الاذکار (تفسیر لابن کثیر ص۵۱۲ / ۳)

ان پانچوں حوالوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ روایت کہ انبیائے کرامؑ کے جسموں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے اور یہ کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے، بالکل صحیح الاسناد ہے اور یقیناً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔

۶۔ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں :۔

ومن تأمل ھٰذا الاسناد لم یشك فی صحتہ لثقۃ رواتہ وشھرتھم وقبول الائمۃ حدیثھم (جلاء الافہام ص۳۴)

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء ..... الی غیر ذلك مما یحصل من جملتہ القطع

اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا اسے اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہ رہا، کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث نے ان سب کی روایات قبول کی ہیں۔ آں حضرتؐ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیائے کرامؑ کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ ایسے دلائل سے یہ بات قطعی طور پر

Marfat.com

بأن موت الانبياء انما هو راجع الى ان غيبوا عنا بحيث لا ندركهم وان كانوا موجودين احياء (كتاب الروح ص۴۳)

ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرامؑ کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے ورنہ وہ تو موجود اور زندہ ہیں۔

۷ - امام الحدیث والفقہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری :-

قال ميرك ورواه ابن حبان في صحيحه والحاكم وصححه وزاد ابن حجر بقوله وقال صحيح على شرط البخاري ورواه ابن خزيمة في صحيحه قال النووي اسناده صحيح وقال المنذري له علة[1] دقيقة اشار اليها البخاري نقله ميرك قال ابن دحيه انه صحيح بنقل العدل عن العدل ومن قال انه منكر او غريب بعلة خفية فقد استروح لان الدارقطني ردها۔ (مرقاة جلد ۲ ص۲۱ مصر)

یعنی جس شخص نے اس حدیث کو "منکر" یا "غریب ومعلل" کہا ہے، اس نے نہایت کچی بات کہی، کیونکہ امام دار قطنیؒ جیسے ماہرِ فن نے اس علت کو مردود قرار دیا ہے۔

۸ - شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ :-

در حدیثِ صحیح آمده است کہ پیغمبرؐ گوئید در روزِ جمعه درود بر من زیرا کہ صلوٰۃ شما معروض می گردد بر من۔ ازیں جا معلوم می شود کہ حیاتِ انبیاؑ حیاتِ جسمی

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاءؑ کی حیات اس دنیا والے جسم

---

[1] یہ علت غالباً عبدالرحمٰن بن یزید کے ابنِ تمیم یا ابنِ جابر ہونے کی وجہ سے ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں، جو محلِ جرح تھا۔ پس سند بالکل بے غبار رہی واجاب الحافظ عما ذكر فيه من العلة وراجع له جلاء الافهام ص۴۶م۔

Marfat.com

دُنیاوی است نہ مجرد بقائے ارواح۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۲۰) — سے ہے، نہ کہ فقط ارواح کے زندہ رہنے سے۔

۹۔ قال الحافظ عبدالغنی النابلسی انہ حسن صحیح (ترجمان السنۃ ۳ صفحہ ۲۹۷)۔

۱۰۔ خاتم المحدثین حضرت العلامہ امام محمد انور شاہ کشمیری رح :-

ومما کفر بہ الفقہاء الحجاج..... لان فی ھذا الکلام تکذیبًا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من اعتقاد ذلک فانہ صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان اللہ عز وجل حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء رواہ ابوداؤد۔ (خزائن الاسرار صفحہ ۱۹)

فقہائے کرام نے جن وجوہ کی بنا پر حجاج کی تکفیر کی تھی، ایک ان میں سے اس ارشاد پیغمبر کی تکذیب بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے، کیونکہ یہ حدیث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے اور اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

• تلک عشرۃ کاملۃ!

المبحث الثالث

اُن بزرگوں کی عبارات جنھوں نے اِس حدیث کا مطلب روضۂ منورہ کی حیات یقینی کیا ؎

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم — جنید و شبلی و عطار ہم مست

لہ و راجع لہ الکامل للمبرد جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ بحاشیۃ الی کنوز زکی مبارک و جلد ۱ صفحہ ۱۵۳/۱۵۴ بحاشیۃ ابراہیم۔

۱۔ شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہؒ ۲۔ حافظ ابن القیمؒ ۳۔ علامہ طیبیؒ
۴۔ علامہ سید جمال الدینؒ ۵۔ علامہ سندھیؒ ۶۔ امام ملا علی قاریؒ
۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۸۔ قاضی شوکانیؒ ۹۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ ۱۰۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ وغیرہم من الاکابرؒ۔

پیشِ نظر رہے کہ ان حوالجات سے ان ائمہ و اکابر کے اپنے اپنے مذہب بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ ارشادِ نبوت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے یہ اہلِ فن کی مدلل شہادتیں ہیں، جن کے مقابلے میں کسی احتمالِ ثانی کی گنجائش نہیں۔

۱۔ آں حضرتؐ کے ارشاد پر کہ "تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے" صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ "بعد الوفات یہ کیسے پیش ہوگا" اور اس پر آپ کا یہ جواب کہ وفات کے بعد پیغمبروں کے جسموں کے ساتھ عالم دوسرے انسانوں جیسا معاملہ نہیں ہوتا، یعنی وہ اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے، ان تمام امور کا تذکرہ کرتے اور سوال و جواب کے باہمی ربط کو حل کرتے ہوئے، علامہ طیبیؒ اس حدیث کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

ویویّدہ ما یسرد فی الحدیث الثالث قولہ فنبی اللہ حی یرزق۔

حدیث حفظِ اجساد انبیاءؑ کے اس مطلب کی تائید میں دوسری حدیث میں صریح الفاظ بھی مل جاتے ہیں کہ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔

(طیبی شرح مشکوٰۃ ص۸۲)

عمدۃ المحققین حضرت علامہ سندھیؒ حاشیہ نسائی میں اس حدیث حفظِ اجساد انبیاءؑ پر رقمطراز ہیں:۔

والجواب بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرّم علی الارض

آں حضرتؐ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو

Marfat.com

اجساد الانبیاء کنایۃ عن کون الانبیاء احیاء فی قبورھم۔

(جلد ۱ ص ۱۵۵ دھلی)

کھائے، یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

۳۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ :۔

قال اکثروا علیّ من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ فقالوا کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت ای بلیت قال ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فاَخبَرَ انہ یسمع الصلوٰۃ من القریب ویُبلّغ ذالک من البعید۔

(رسائل ابن تیمیہ الکلام فی مناسک الحج ص ۳۹۱/۱۴)

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے جسموں کو مٹی بنانا زمین پر حرام ہے۔ اس حدیث میں حضورؐ نے یہی بات بتلائی ہے کہ آپ قبر کے قریب پڑھے جانے والے درود کو خود سنتے ہیں اور دور کا پڑھا ہوا درود (بتوسط ملئکہ) پہنچایا جاتا ہے۔

تنبیہ

یہاں فَاَخبَرَ انہ یسمع الصلوٰۃ من القریب ـــــ میں دو احتمال ہیں
اوّل یہ کہ یہ پہلی حدیث حفظِ اجسادِ انبیاءؑ کا مفہوم اور نتیجہ ہے، یعنی جسدِ اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے اور آپ قبرِ مبارک میں اس طرح زندہ ہیں کہ قریب کے درود کو خود سنتے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہاں آپ کو حیاتِ جسدی حاصل ہے۔

Marfat.com

ثانیاً ہو سکتا ہے کہ شیخ الاسلامؒ کی مراد ان الفاظ سے وہ دوسری حدیث ہو جو حضرت ابوہریرہؓ سے باختلافِ الفاظ اصبہانیؒ، ابن حبانؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے۔ اس میں من صلی علی عند قبری ...... الحدیث کے الفاظ میں قریب و بعید درود پڑھنے کے احکام صراحت سے منقول ہیں۔ اس صورت میں امام ابنِ تیمیہؒ کا دونوں حدیثوں کو فاخبرہ سے جوڑنا اس بات کا اشارہ ہے کہ حفظِ اجسادِ انبیاءؑ والی روایت اور روضۂ اطہر کے قریب درود شریف خود سننے کی روایت مآل کار ایک ہیں اور مضمون دونوں کا روضۂ منورہ کی جسمانی حیات ہے۔

۴۔ شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ:۔

ومعلوم بالضرورۃ ان جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الارض طری مطرا وقد سألہ الصحابۃ کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسدہ فی ضریحہ لما اجاب بھذا الجواب وقد صح عنہ ان اللہ تعالیٰ وکل بقبرہ الملئکۃ یبلغون عن امتہ السلام وصح عنہ انہ خرج بین ابی بکر وعمر وقال ھکذا نبعث ھذا مع القطع بان روحہ الکریمۃ فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلی علیین مع ارواح الانبیاء ..... فالروح ھناک ولھا اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیہ وتعلق بہ بحیث یصلی فی قبرہ ویرد سلام من سلم علیہ وھی فی الرفیق الاعلیٰ ——— کتاب الروح ص۲۵ مطبوعہ حیدرآباد۔

وبھذا التعلق رای موسیٰؑ قائماً یصلی فی قبرہ۔

(زاد المعاد ص۲۹)

Marfat.com

ترجمہ :- یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر بالکل تر و تازہ روضۂ منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ سے صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ وفات کے بعد آپ پر صلوٰۃ و سلام کیسے پیش ہوتا رہے گا، اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ کا جسدِ اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا[1]، تو آپ ہرگز یہ جواب ارشاد نہ فرماتے؛ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے روضۂ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مابین تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ یہ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں رفیقِ اعلیٰ میں ہے، جہاں کہ دوسرے انبیائے کرامؑ کی ارواحِ مقدسہ ہیں، پس روح تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روضۂ منورہ میں رکھے جسدِ اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے۔ روح و بدن کا ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب

---

[1] یہ غالباً اس نظریئے کی تردید ہے جو علامہ قونویؒ کا ہے کہ انبیائے کرامؑ کے اجسادِ مطہرہ دفن کے کچھ دنوں بعد اپنی قبروں میں باقی نہیں رہنے دیے جاتے، وہاں سے انھیں اعلیٰ علیین یا حظیرۂ قدسیہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ گویا انبیائے کرام کی حیات جسمانی انھیں قبور میں نہیں ہوتی، بلکہ اعلیٰ علیین میں وہ اسی جسدِ عنصری سے زندہ ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس اختلاف کا حاصل یوں بیان کرتے ہیں۔ پس محصل اختلاف در دوام و استمرار است در قبول بجہاتیکہ پیش از وفات بود (جذب القلوب ص۱۸۶) امام بیہقیؒ نے ایک احتمال کے درجے میں اس طرف اشارہ کیا ہے وقد یحتمل ان یکون المراد بہ رفع اجسادھم مع ارواحھم (حیات الانبیاء امام بیہقی ص۲ مصری) حافظ ابن قیمؒ اس نظریے کی احادیث کی روشنی میں تردید فرما رہے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ انبیائے کرامؑ کو ان کی قبور ہی میں حیاتِ جسدی حاصل ہوتی ہے، ہاں یہ روح کی وسعت اور کمال ہے کہ اس کا استقرار علیین میں بھی ہو اور اتصال جسدِ اطہر کے ساتھ بھی ہو، یہاں تک کہ وہ قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔ [2] اس حدیث سے واضح ہوا کہ عرض صلوٰۃ و سلام روضے ہی پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسدِ عنصری وہیں ہے، اگر اس پر فیضانِ حیات نہ ہو تو فرشتے مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟

Marfat.com

دیتے ہیں۔ رُوح و بدن کے اسی تعلق کی بنا پر آپ نے مُوسٰی علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔" انتہی کلامہٗ۔

حافظ ابنِ قیمؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے کہ انتقال بہ برزخ کے بعد رُوح کو اس قدر وُسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار کے باوُجُود قبورِ شریفہ کے اجسامِ مطہرہ اس کے اتّصال سے زندہ ہوتے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ وہاں رُوح اور حیات میں تلازم نہیں، تقوّمِ حیات کے لیے فقط اتنی تاثیر اور اتنا اتّصال ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!

۵۔ شیخ الاسلام حضرت علّامہ عینیؒ:۔

صح عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد الانبياء ..... فتحصّل من جملة هذا القطع بانهم غيّبوا عنا بحيث لا ندركهم وان كانوا موجودين احياء وذالك كالحال في الملئكة عليهم الصلوٰة والسلام فانهم موجودون احياء لا يراهم احد من نوعنا الا من خصه الله تعالى بكرامته واذا تقرر انهم احياء ..... الخ

(عینی شرح البخاری جلد ۶ صفحہ ۶۹)

آں حضرتؐ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ زمین انبیاے کرامؑ کے جسموں کو نہیں کھاتی، ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیاے کرامؑ زندہ ہیں۔ صرف وُہ ہم سے غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے؛ جیسا کہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وُہ زندہ بھی ہیں اور موجُود بھی، لیکن ہم ان کو پا نہیں سکتے۔ ہاں جن پر اللہ تعالیٰ کرامت فرما دے، وُہ انھیں دیکھ بھی سکتے ہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاے کرامؑ زندہ ہیں۔

Marfat.com

۶۔ حضرتِ امام ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربّہ الباری :۔

قال ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرّم علی الارض ای منعھا و فیہ مبالغۃ لطیفۃ اجساد الانبیاء ای من ان تاکلھا فان الانبیاء فی قبورھم احیاء..... فحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوٰۃ من صلی علیھم۔ تامّل۔

(مرقات جلد ۲ ص ۲۰۹)

آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اسی لیے تھا کہ انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں (صحابہؓ کے اس سوال کے، کہ بعد الوفات یہ صلوٰۃ وسلام کیسے پیش ہوگا) جواب میں یہ ارشاد فرمانا، اس کا ماحصل ہی یہ ہے کہ انبیاؑ اپنی قبورِ شریفہ میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوٰۃ و سلام پڑھے، اسے وہ بخوبی سن سکتے ہیں۔

۷۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ :۔

اس حدیث حفظِ اجسادِ انبیاؑ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں :۔

۱۔ "ازیں جا معلوم می شود کہ حیاتِ انبیاؑ حیاتِ جسمی و دنیاوی است نہ مجرّد بقائے ارواح"۔ (مدارج النبوّۃ جلد ۲ ص ۹۲ طبع قدیم)

۲۔ "کنایہ است از حیات ..... و حیاتِ انبیاؑ متفق علیہ است، ہیچ کس را در دے خلافے نیست حیاتِ جسمانی دنیاوی حقیقی ..... و دریں حدیث کہ فرمود ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء اشارت است بآں"۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۶۱۳)

۳۔ کنایۃ عن حیاتھم کما یأتی من حدیث ابی الدرداءؓ والمذھب ان الانبیاء احیاء حیٰوۃ حقیقیّۃ (لمعات التنقیح ص ۳۳۱)

۴۔ بدانکہ در حیات انبیاء علیہم السّلام، و ثبوتِ ایں صفت مر ایشاں را و ترتّب

Marfat.com

آثار و احکام آں ہیچ کس را از علماء خلافے نیست"۔ (جذب القلوب ص۱۸۶ لکھنؤ)

۵- "انبیاء علیہم السلام کو موت نہیں، وہ زندہ اور باقی ہیں، ان کے واسطے وہی ایک موت ہے، جو ایک دفعہ آچکی۔ اس کے بعد ان کی روحیں بدن میں لوٹا دی جاتی ہیں اور جو حیات ان کو دنیا میں تھی، وہی عطا فرماتے ہیں"۔

(تکمیل الایمان مترجم ص۵۸ مصنفہ شیخ دہلوی رح)

۸- مقتدائے فرقہ اہلِ حدیث فاضلِ جلیل قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں:-

والاحادیث فیها مشروعیة الاکثار من الصلوٰة علی النبی ﷺ یوم الجمعة وانها تعرض علیه وانه حی فی قبره ...... قال ﷺ ان الله حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء وقد ذهب جماعة من المحققین الی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم حی بعد وفاته۔

(نیل الاوطار جلد۳ ص۲۱۰/۲۱۱)

احادیث سے ان امور کی شرعی حیثیت ثابت ہے:- (۱) جمعہ کے دن آپ پر درود کثرت سے پڑھا جائے۔ (۲) درود شریف آپ پر پیش ہوتا ہے۔ (۳) آپ اپنی قبرِ مبارک میں زندہ ہیں، چنانچہ حضور نے فرمایا کہ ربّ العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسموں کو مٹی بنائے اور محققین کی ایک پوری جماعت اس تحقیق پر پہنچی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

۹- پیشوائے فرقہ اہلِ حدیث محقق عظیم آبادی رح بھی فرماتے ہیں:-

اجساد الانبیاء (ای من ان تأکلها) فان الانبیاء فی قبورهم احیاء (عون المعبود جلد۱ ص۴۰۵)[1]

فان الانبیاء فی قبورهم احیاء (بذل المجهود جلد۲ ص۱۹۰)[2]

اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ اس ارشادِ نبوت کی بنا یہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔ اسی طرح بذل میں ہے۔

Marfat.com

کیا یہاں بھی کسی مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے انبیاءؑ کی حیاتِ قبریہ کا بیان ہو رہا ہے یا محدث سہارنپوری ارشادِ نبوّت کا منشا واضح کرنے کے لیے حدیث کی شرح فرما رہے ہیں اور ان سے پہلے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے ۔

فتفکّروا یا اولی الابصار !

حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور فرقۂ اہلِ حدیث نے اس ارشادِ نبوّت کا مطلب کیا سمجھا اور کس وضاحت سے اس کا مدلول روضۂ اطہر کی حیاتِ عنصری قرار دیا، یہ سب آپ کے سامنے ہے۔ اب آیئے حنفیہ کرام کے طبقہ دیوبند سے بھی استفادہ کیجیے :۔

۱۰ ۔ صدر المحققین رئیس المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ ابی داؤد میں تصحیح فرماتے ہیں :۔

ان الصحابة سألوا بيان كيفية العرض بعد اعتقادهم بانه كائن لا محالة لقول الصادق دفعاً لاشتباه ان العرض هل هو على الروح المجرد او على المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبيؐ كجسد كل احد فكفى في الجواب ما قاله على وجه الصواب۔

(حاشیہ ابی داؤد ص ۱۵۷)

صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپؐ پر پیش کیا جاتا رہے گا، کیونکہ آپؐ یہ ارشاد فرما چکے تھے۔ پس ان کا سوال صرف پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق تھا کہ وفاتِ

شریفہ کے بعد یہ درود صرف روحِ مجرد پر یا روحِ متصل بہ جسد پر اس کا عرض ہوگا۔ حضورِ اکرمؐ کا جواب کہ انبیاءؑ کے اجسادِ مطہرہ مٹتی نہیں ہوتے، اس سوال کی کیفیت کا کافی جواب تھا (خلاصہ یہ کہ جسدِ اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے اور روحِ مبارک کا اس جسد سے اتصال ہے)۔

تلك عشرة كاملة !

Marfat.com

المبحث الرّابع

حدیث ابی الدرداءؓ واحوال رواتہ

"حدّثنا عمرو بن سعد[۱] المصری ثنا عبد اللہ بن وہب[۲] عن عمرو بن الحارث[۳] عن سعید بن ابی[۴] ہلال عن زید بن[۵] ایمن عن عبادۃ بن نسئی عن ابی الدرداءؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فانہ مشہود تشہدہ الملئکۃ وان احدًا لن یصلی علی الا عرضت علی صلوٰتہ حتی یفرغ منہا قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق ـــــ" ابن ماجہ ص۱۱۹

ترجمہ:- "عبادہ بن نسئی حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے دُرود پڑھا کرو، کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر یہ کہ اُس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا

---

۱ عمرو بن سعد المصری ابو محمد المصری ثقہ من الحادیۃ عشرۃ ـــ ثقہ راوی حدیث ہیں (تقریب ص۳۹۲)۔ ۲ عبد اللہ بن وہب بن مسلم مولاہم ابو محمد المصری الفقیہ ثقۃ حافظ عابد من التاسعۃ (تقریب ص۲۹۵)۔ ۳ ثقۃ فقیہ حافظ من السابعۃ (تقریب ص۳۸۹)۔ ۴ اللیثی مولاہم ابو العلاء المصری قیل مدنی الاصل قال ابن یونس بل نشاء بہا صدوق (تقریب ص۱۹۵)۔ صدوق راوی حدیث ہیں۔ ابن حزم سے پہلے کسی نے ان پر جرح نہیں کی اور ابن حزم کی جرح کا منشاء اُن کا اپنا اعتقاد تھا۔ وہ عذابِ قبر کے قائل نہ تھے اور اجسادِ قبریہ کی کسی قسم کی حیات کا بھی اقرار نہ تھا۔ ابو داؤدؒ کی روایت جس میں قبر میں عودِ روح کا بیان ہے، اس کی سند میں ایک راوی منہال بن عمرو تھے، ان پر بھی ابن حزم نے جرح کر دی تھی۔ تنقیح الرواۃ ص۳۱ میں ہے ولما رای ابن حزم حدیث المنہال رادا علی معتقدہ فی انکار عذاب الاجساد فی قبورہا طعن فیہ وطعنہ مردود والحدیث صحیح ـ (جلد ۱ ص۳۱)۔ ۵ زید بن ایمن روی عن عبادۃ بن نسی وعنہ سعید بن ابی ہلال ذکرہ ابن حبان فی الثقات روی لہ ابن ماجہ حدیثًا واحدًا فی فضل الصلوٰۃ علی النبیؐ قلت رجالہ ثقات (تہذیب جلد ۳ ص۳۹۸)

Marfat.com

جاتا ہے۔ ابوالدرداؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپؐ پر درود پیش ہوتا رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا رہے گا، اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاءؑ کے جسموں کو کھائے۔ پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔"

عبادہ بن نسیؒ :۔

مشہور تابعی ہیں۔ وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ حضرت اوسؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوالدرداؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ سے احادیث سنیں۔ زید بن ایمنؒ اور سعید بن ابی ہلالؒ وغیرہما نے ان سے روایات لیں۔ امام احمدؒ، یحییٰ بن معینؒ، امام نسائیؒ اور ابن سعدؒ انھیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :۔

ثلثة نفر ینزل بھم الغیث وینصر بھم علی الاعداء عبادہ بن نسیؒ رجاء بن حیوۃ وعدی بن عدی۔	تین ایسی عظیم شخصیتیں ہیں کہ ان کے وسیلے سے بارشیں برستی ہیں اور ان کی برکتوں سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے پہلے عبادہ بن نسیؒ ہیں (توسل بالذوات)۔

(تہذیب جلد ۵ ص ۱۱۴)

"تہذیب الکمال" میں بھی حضرت ابوالدرداؓ سے ان کی حفظِ اجسادِ انبیاءؑ والی روایت منقول ہے۔ اس کے آخر میں بھی فنبی اللہ حی یرزق کے الفاظ موجود ہیں (حاشیہ تہذیب للبلی الحسن جلد ۳ ص ۲۹۸)۔

عبادہ بن نسیؒ سے اگلے راوی حضرت ابوالدرداؓ ہیں۔ ان کا ترجمہ نقل کرنے اور ان کی تعدیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہ تو ایک نہایت جلیل القدر صحابیِ رسولؐ ہیں۔ عبادہ بن نسیؒ سے پچھلے سب راوی ثقہ ہیں اور ان کے تراجم حاشیہ میں پیش

Marfat.com

ہو چکے ہیں اور اس پوری سند پہ ماہرینِ حدیث کی ایک پوری جماعت "اسنادہٗ جیّد" کا حکم لگا چکی ہے۔ کما تقدّم قبیل المبحث الاوّل قال الحافظ المنذری اسنادہ جیّد (ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۲۹۷)

عراقی شرحِ ترمذیؒ میں لکھتے ہیں کہ زید بن ایمن اور عبادہ بن نسیؒ کے مابین انقطاع ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اصل انقطاع اس حدیث کی طبرانیؒ کی سند میں ہے جو سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداءؓ کے طور پر منقول ہے، وہاں رجال بھی محلِّ کلام ہیں: چنانچہ حافظ ابنِ قیمؒ نے جلاء الافہامؒ میں تصریح کی ہے۔

زید بن ایمن اور عبادہ کے مابین دعوائے انقطاع پر وجہِ وجیہ مطلوب ہے۔ محض نقلِ دعوے ہی کافی نہیں۔ پھر بتایا جائے کہ یہ کون سی قسم کا انقطاع ہے، مُضر ہے یا غیر مُضر؟ پھر بصورتِ مضرت کن کن محدّثین نے اس روایت کو ردّ کیا ہے۔

بایں ہمہ

اگر یہ روایت مُرسل ہے، تو پیشِ نظر رہے کہ ہم اس سے بالاستقلال استدلال نہیں کر رہے، بلکہ اسے حضرت اوس بن اوسؓ کی مذکورہ سابقہ روایت کی تفسیر میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہاں اس کا قبول کسی کے ہاں محلِّ اعتراض نہیں۔ جن محدّثین کو احتجاج بالمرسل میں کلام ہے، وہ بھی تفسیر المتصل بالمرسل میں مرسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ ترمذیؒ کی متصل روایت (بالفاظ تدریب) خیر نسائھا مریم وخیر نسائھا فاطمہ کی تفسیر مسندِ حارث بن ابی اسامہ کی روایت مریم خیر نساء عالمھا و فاطمہ خیر نساء عالمھا کے ساتھ اسی اصول پر کی گئی ہے، حالانکہ ثانی الذکر صحیح سند کے باوجود مرسل ہے اور سند میں انقطاع ہے؛ مگر چونکہ تفسیر و توضیح میں پیش کی جا رہی ہے، اس لیے محدّثین شافعیہ بھی جو احتجاج بالمرسل کے قائل نہیں، اسے قبول کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر المتصل بالمرسل کے باب میں بھی اس ابنِ ماجہ کی جیّد الاسناد حدیث کا اعتبار نہ کیا

Marfat.com

جائے ـــــ وکل من تأمّل فیہ علم و تیقن ان العلم بالارسال من الدقیق الذی لا یستدرکہ الا الموفق او الطالب المتحقق۔

المبحث الخامس

کشف الحجاب عن وجہ الاضطراب

حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت :۔

ان احدًا لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلوٰتہ حتی یفرغ منھا۔

"کہ کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر یہ کہ اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے"۔

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کا بیان ہے اس میں فضیلت کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے، صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کے لیے جمعہ کی تخصیص نہیں، اوقاتِ فاضلہ میں اعمالِ صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے[1] ۔ حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت کا مفاد بھی یہی ہے حصن حصین کے الفاظ "لیس یصلی علیّ احد یوم الجمعۃ الا عرضت علیّ" ـــــ میں بھی جمعہ کے دن پیش ہونے کی تخصیص نہیں۔ جمعہ کے دن درود پڑھنے پر اس کے پیش ہونے کی محض بشارت ہے اور یہ جو یوم جمعہ کی فضیلت میں فرمایا :۔

فانہ مشہود تشھدہ الملائکۃ۔ "اس دن فرشتے حاضر رہتے ہیں"۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے ماسوا باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے بلکہ یہاں مراد کثرتِ شہود ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ روضۂ منورہ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے فرشتے بھی اس دن حاضر ہوتے ہیں، اس مقصد کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے سیاح

---

[1] ان العمل الصالح یزید فضلًا بواسطۃ فضل الوقت وعلیٰ ھذا لا حاجۃ الیٰ تقیید العرض بیوم الجمعۃ فالہ السندھی۔

Marfat.com

فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر کر رکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔ (نسائی ۱ ص۱۴۳، دارمی ص۳۷۲)	بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحتِ ارض پر مقرر ہیں، جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔[1]

یہاں بھی یومِ جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ اگر اوقاتِ فضیلت میں اعمالِ فضیلت کی ترغیب دلائی جائے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اعمال یا ان کی شان ان اوقات ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان اوقاتِ فضیلت میں عرضِ صلوٰۃ وسلام بھی بعض خصوصیات کا حامل ہو۔

پیشِ نظر رہے کہ ان روایات میں عرضِ صلوٰۃ وسلام کے لیے اگر جمعہ کی تخصیص نہیں تو ہر روز کی بھی تصریح نہیں۔ یہاں عرضِ صلوٰۃ وسلام کا محض اجمالی بیان ہے۔ جن روایات سے درود پڑھتے ہی اس کا پیش ہونا متبادر ہوتا ہے، اسے بھی ہم ہر روز پیش ہونے کے لیے تصریح نہیں کہہ سکتے، اس لیے کہ وہ بھی تو فضیلتِ جمعہ کے ضمن ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

ہاں بعض روایات میں عرضِ صلوٰۃ وسلام کے لیے یومِ جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے، لیکن ان کی سندیں ضرور محلِ کلام ہیں۔ سُننِ سعید بن منصور میں یہ مرسل روایت منقول ہے :-

---

[1] علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے (السراج المنیر ص۱۱۶ ج۲)۔ اس کی سند میں زاذان راوی حدیث ہے۔ امام ابن معین انھیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ خطیب اور عجلی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی توثیق کی ہے۔ (تہذیب جلد ۳ ص۳۰۳)۔ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں :-

وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابۃ کعمر وغیرہ وروی لہ مسلم فی صحیحہ قال یحیی بن معین ثقۃ وقال حمید بن ہلال وقد سئل عنہ ہو ثقۃ لا تسأل عن مثل ہؤلاء (کتاب الروح ص۵۸)۔

Marfat.com

ان صلوٰة امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعة ۔ (منتقی الاخبار جلد ۲ ص۲۱ مصر) ۔

ان روایات کی روشنی میں اگر پہلی سب روایات کے اجمال کو اٹھالیں ، تو غایت مافی الباب یہ ہوگا کہ ہر جمعہ اُمّت کے صلوٰة وسلام فرشتوں کے توسط سے روضۂ اطہر پر پیش ہوتے ہیں ۔

اب اس کے مقابلہ میں ان روایات کو لیجیے، جن میں یوم الجمعہ کی نہ تخصیص ہے نہ ذکر، بلکہ عمومی طور پر صلوٰة وسلام پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے ۔ ابوداؤد میں ہے:

ما من احد یسلّم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی فارد علیہ السّلام ۔ (جلد ۱ ص۲۷۹)[1]

جب بھی کوئی مُسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو میری طرف متوجہ فرما دیتے ہیں ۔ پس میں اُس کا جواب دیتا ہوں ۔

اس میں صلوٰة وسلام پڑھتے ہی اس کے پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے، نہ جمعہ

---

[1] رواتہ ثقات (فتح الباری پ۱۳ ص۲۷۹) رواتہ ثقات (عقیدة الاسلام للامام السید انورشاہ ص۵۲، فتح الملہم جلد ۱ ص۳۳) اسنادہ ھکذا حدثنا محمد بن عوف اخبرنا المقری اخبرنا حیوة عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبداللہ بن قسیط من اواخر کتاب المناسک وتقدیر الکلام ما من احد یسلم علیّ الا ارد علیہ السلام لانی حی قدر علیہ (کذا فی الشرح جلد ۲ ص۱۶۹) قال المحدث السخاوی یوخذ من ھذہ الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام وذالک انہ محال عادة ان یخلو الوجود کلھا من واحد یسلّم علیہ فی لیل ونہار ونحن نومن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض والاجماع علی ھذا ۔ اھ (القول البدیع ص۱۲۵) رد اللہ علیہ روحہ لاجل سلام من یسلم علیہ واستمرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم لا انھا تعاد ثم تنزع ثم تعاد (القول البدیع ص۱۳۰) قال المحدث انورشاہ الظاھر منہ انہ لم یوجد ھناک نقل من موطن الی موطن وانما ھو نقل من حالة الی حالة وتبدیلھا ولعل المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون انھم ابقوا علی ھذہ الحالة ولم تسلب عنھم (تحیة الاسلام ص۳۶) ۔ اس صورت میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی سلام بھیجتا ہے، تو خداوند کریم آپ کی رُوح پُرفتوح کو اس حالتِ استغراق کی فات اللہ وتجلیات اللہ سے ... ہوش دلا دیتا ہے ... جو کسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا، اس کی طرف کا شعبہ توجّہ کا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے ۔ اس شعبہ کا اتداد بحیثِ اطلاعِ سلام معلوم تو ہوگا پر موجبِ زوال استغراق مطلق نہ ہوگا (مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی رح جلد ۱ ص۱۳۳) والمعنی ان اللہ سبحانہ یرد روحہ الشریف عن استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمہ (شرح الشفا للملا علی القاری جلد ۲ ص۱۴۲ مصر) والتفصیل فی نسیم الریاض للخفاجی جلد ۳ ص۴۹۹) ۔

Marfat.com

کی کوئی تخصیص، نہ اس کا کوئی پہلے ذکر ہے۔ "غنیۃ الطالبین" کی روایت سے "کل یوم" کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ یہ مفہوم یقیناً ان روایات سے متعارض ہے، جن میں عرضِ صلوٰۃ وسلام کے لیے یومِ جمعہ کی تخصیص تصریحاً یا تفسیراً تسلیم کر لی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دو متعارض مضامین میں کوئی صورتِ مطابقت ہے۔ ایک طرف کی روایات میں ہر جمعہ کے دن عرضِ صلوٰۃ وسلام متبادر ہوتا ہے اور توسطِ ملائکہ کا تذکرہ ملتا ہے اور دوسری طرف کی روایات ہر روز بلکہ ہر آن عرضِ صلوٰۃ و سلام کا پتہ دے رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان روایات کو متصادم قرار دے کر کیا "اضطراب فی الروایۃ" کا دعوےٰ کر دیا جائے گا یا اس تعارض کو اٹھانے کی کوشش کی جائے گی؟ کیا کسی محدث یا شارحِ حدیث نے محض اسی بنا پر اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے؟ من ادعی فعلیہ ان یأتی بالنقل۔

لیجیے مزید بحث کی ضرورت نہیں، خود ارشادِ نبوت ہی اس اضطراب کو رفع کر دیتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا بلغتہ۔

(رواۃ ابو الشیخ بسند جید کما فی الفتح جلد ۱ ص ۳۳)

(ترجمہ) "جو میرے روضہ پر آکر مجھ پر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے"۔

بات صاف ہو گئی کہ درود پڑھنے اور پہنچنے کی دو صورتیں ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایات کو ان پر منطبق کر لو۔ روضۂ منورہ کے پاس حاضر ہو کر درود پڑھنا ہر وقت پہنچتا ہے اور دور سے پڑھنا جمعہ کے دن فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ جب اس تقسیم پر غور کیا تو امام احمد کی روایت میں ما من احد یسلم علی کے مضمون کی اور وضاحت ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

Marfat.com

ما من احد یسلم علیّ قبری الا رد اللہ علی روحی ۔

لیجیے رفعِ تعارض اور تطبیق بین القولین کے لیے "عرضِ سلام بوقت تسلیم" کا جو مطلب ہم نے بتایا تھا کہ یہ قربِ روضہ کے لیے ہے، وہی مضمون "علی قبری" کی عبارت میں خود الفاظِ نبوت ہو کر سامنے آگیا ہے ؎

وکم من عائب قولاً صحیحًا

وآفتہ من الفہم السقیم

سیدنا ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :۔

"درود و سلام پہنچانے کے لیے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے، جو روضۂ اطہر سے دور ہو"۔ (مرقات ص ۶/۲)

"نیز از ابنِ عمر آمدہ من صلی علیّ عند قبری، زدت علیہ ومن صلی علی فی مکان آخر بلّغونیہ"۔ (جذب القلوب ص ۱۸۲)

باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں فانکم لا تدرون لعل ذلک یعرض علیہ (ابن ماجہ ص ۶۵) کے الفاظ، سو اس نقط "لعل" میں درود پہنچنے کی کسی تعمیری صورت کا ذکر نہیں، بلکہ اس کی قبولیت اور عدمِ قبولیت کے احتمالات[1] کا بیان ہے، یعنی درود شریف اچھی طرح اور پوری توجہ ہی سے پڑھا جائے تبھی حضورؐ کی خدمت میں پہنچتا ہے۔

بعض واعظین کا یہ کہنا کہ براہِ راست سننے اور بتوسط ملائکہ پہنچنے کا فرق قرب و بعد کے لیے نہیں، بلکہ محبت اور عدمِ محبت کے لیے ہے، جو شخص محبت سے درود پڑھے، وہ خود سنتے ہیں اور دوسرا فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے، یہ سب وسوسے اور توہمات ہیں۔ تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ درود شریف تو پڑھا ہی

---

[1] ان الترجی فی قبولیۃ الصلوٰۃ فان عرضہ لا یکون الا بشرط القبول لعدم اختلاطہ بالریاء (انجاح الحاجہ)۔

Marfat.com

محبت سے جاتا ہے، خواہ روضے کے پاس حاضر ہو، خواہ دور سے پڑھ رہا ہو۔ وہ کون سا بدبخت ہوگا، جو محبت کے بغیر درود پڑھتا ہو۔ کامل ترین محبت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے حضورؐ پر وہی درود پیش ہوتا ہے جو پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جائے، روضہ پر حاضری ہو تو خود سماعت فرماتے ہیں، دور سے پڑھا جائے، تو فرشتوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عرضِ صلوٰۃ وسلام کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر پہلی روایات کی بعض مرسل اور کمزور روایات کی روشنی میں یومِ جمعہ کے ساتھ تخصیص نہ کریں، تو پھر تو تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرب و بعد کا صلوٰۃ وسلام ہر روز بلکہ ہر ساعت پہنچتا ہے اور اگر ان روایات کے اجمال کی بعض کمزور اور مرسل قسم کی روایات کے ساتھ تفصیل کر دی جائے اور تبلیغِ صلوٰۃ وسلام کو یومِ جمعہ سے خاص سمجھا جائے، تو پھر اس کی تطبیق دوسری روایات سے یوں ہوگی کہ قریب کے صلوٰۃ وسلام کے لیے تو کسی وقت کی تخصیص نہیں اور دور کا مجموعی طور پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔ پس جملہ اختلاف اور اضطرابات رفع ہو گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالك والمختار عندی ھو الاوّل واللہ اعلم بالصّواب۔

(نوٹ) طبرانیؒ کی ایک روایت میں "لیس من عبد یصلی علیّ الا ابلغنی صلوٰتہ" کے الفاظ ہیں۔ (نیل الاوطار جلد ۳ صـ ۲۱۱) حافظ ابنِ قیمؒ کی جلاء الافہام میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے، لیکن تصحیف کاتب سے بلغنی صلوٰتہ کے بجائے بلغنی صوتہ لکھا گیا ہے۔ ناظرین طبرانیؒ کے حوالے سے جلاء الافہام کے حوالے میں تصحیح فرما لیں۔ طبرانیؒ کی اس روایت میں سعید بن ابی ہلال اور حضرت ابوالدرداءؓ کے مابین انقطاع ہے۔

Marfat.com

المبحث السّادِس

التحقیق المفید فی الذب عن الشیخ الشہیدؒ

بعض مبتدعین حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل الشہیدؒ کے ذمہ یہ لگاتے ہیں کہ وہ انبیاے کرامؑ کے (وفات شریفہ کے بعد) مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاے کرامؑ کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام فرما دیئے، ثابت نہیں اور اگر ثابت تھی، تو پھر ان کی تحقیق میں ضعیف ہو گی۔ اس الزام کے لیے حضرت شہیدؒ کی جو عبارت پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے :۔

"یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجدے کے لائق ہوں"۔ (تقویۃ الایمان)

یہاں لفظ "ملنا" محلِ اعتراض ہے اور اسی پر الزام کی ساری عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔ حالانکہ مٹی کے ساتھ ملنا اور بات ہے اور مٹی ہونا اور بات ہے۔

اردو زبان میں لفظ "ملنا" کے معنی یہ ملتے ہیں :۔

پیوستہ ہونا۔ ملحق ہونا۔ چسپاں ہونا۔ ایک ذات ہونا۔ (نور اللغات جلد ۴ ص ۶۳۲)

معترضین خواہ مخواہ اس لفظ کو چوتھا معنی پہناتے ہیں، تاکہ پھر کفر کی مشین کو حرکت دے سکیں۔ حق یہ ہے کہ حضرت شیخ شہیدؒ کی عبارت میں یہ پہلے معنی مراد ہیں۔ اس تشریح میں حضورؐ کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھے بھی ایک دن پردہ قبر میں جانا ہے۔ مٹی میں ملنے والا ہوں۔ اس سے یہی مراد ہے کہ ایک دن مجھے قبر کی مٹی سے ملحق ہونا ہے، نہ یہ کہ مجھے مٹی ہی ہو جانا ہے۔ (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، استغفر اللہ!)

اردو زبان کا جامع ترین لغت "جامع اللغات" جلد ۲ ص ۵۶۵ میں خاک

Marfat.com

"میں ملنا" کے معنی دفن ہونا اور مٹی میں پڑنا بھی لکھے ہیں۔ جلد ۴ صفحہ ۴۶ میں لکھا ہے "مٹی سے مٹی مل جانا" "دفن ہونا"۔

"منیر اللغات" صفحہ ۹ میں ہے :- خاک میں ملنا " دفن ہونا"۔

اسی طرح "سعید اللغات" مرتبہ منیر لکھنوی میں ہے مٹی میں مل جانا " دفن ہو جانا"۔

ان تصریحات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ مٹی میں ملنے والا ہوں کا معنی یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر میں دفن ہونا ہے۔ اب اسے ضد و عناد سے ان معنوں پر محمول کرنا، جو مصنفؒ کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزرے ہوں، کس قدر فریب اور ظلم ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ!

پیشِ نظر رہے کہ جب کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی ایک جہت سے چسپاں ہو، تو اس ملنے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ "یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے"۔ لیکن اگر اول الذکر کو اس ثانی الذکر چیز نے چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا ہو اور اس کی ہر جہت اس سے ملحق ہو رہی ہو، تو پھر پہلی چیز کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ "یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے"، بلکہ زیادہ بلیغ انداز یہی ہو گا کہ "سے" کے بجائے "میں" کا لفظ اختیار کیا جائے۔ حضورِ اکرمؐ کے جسدِ اطہر پر روضۂ منورہ ہر جہت سے چسپاں ہو رہا ہے؛ اس لیے حضورؐ کی طرف سے یہ مضمون ان لفظوں میں ادا کیا گیا :-

"مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجدے کے لائق ہوں!" (تقویۃ الایمان)

ویسے "نور اللغات" جلد ۴ صفحہ ۴۳۸ پر لکھا ہے کہ "میں" کبھی "سے" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے کہتے ہیں درخت میں باندھ دو یعنی درخت سے باندھ دو۔

مبتدعین محض بغض و عناد اور اپنی کور باطنی کی وجہ سے اس عبارت کے معنے لگاتے ہیں اور اس مضمون کو حدیثِ حفظِ اجسادِ انبیاءؑ سے خواہ مخواہ ٹکراتے ہیں، حالانکہ حضرت

Marfat.com

شیخ شہیدؒ اور ان کے حلقۂ اعتقاد میں اس عبارت کا مفہوم ہمیشہ یہی سمجھا گیا ہے کہ حضورِ اکرمؐ ایک دن ضرور پردۂ قبر میں تشریف لے جائیں گے اور اس کے لیے آپؐ کو اس دروازے سے بھی گزرنا ہوگا، جس کے بغیر کوئی اس عالم سے اُس عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا اور اسی دروازے کو موت کہتے ہیں، جس کی لذت آشنائی انبیاؑ کے لیے بھی ضروری ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ط

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :۔

"مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں : ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ خلط ہو جائے جیسا سب اشیا زمین پر پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں، دوسرے مٹی سے متصل ہونا یہاں (یعنی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے کلام میں) مراد دوسرے معنی ہیں اور جسدِ انبیاء علیہم السلام کے خاک نہ ہونے کے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ بھی قائل ہیں"۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص)

محدثینِ حنفیہ اور شافعیہ نے بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے (جس کی تشریح کے ضمن میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے عبارت زیرِ بحث لکھی تھی) آں حضرتؐ کی طرف سے ایک ایسے ہی مضمون کو ادا کیا ہے۔

اُسجدوا للحیّ الذی لا یموت لِمَن ملکہ لا یزول فانّک انّما تسجد لی الآن مھابۃً واجلالاً فاذا صرتُ رھینَ رمسٍ امتنعت عنہ۔

(مرقات جلد ۱ ص ۲۴۹)

سجدے تم اسی ذات کو کرو جو زندہ ہے اور اس پر فنا کبھی نہ آئے گی اور جس کی بادشاہی لازوال ہے۔ بے شک تو اس وقت تو میری ہیبت اور میری تعظیم کے لیے سجدہ کرنے کو تیار ہو رہا ہے، لیکن جب میں مٹی کے قبضے میں چلا جاؤں گا، تو اس وقت تو سجدے سے رک جائے گا۔

علامہ طیبیؒ شافعیہ میں اور مُلّا علی قاریؒ حنفیہ میں بہت بلند پایہ ائمہ فقہ و حدیث

Marfat.com

ہیں، انھوں نے ارشادِ نبوّت کے اس مضمون کو آں حضرتؐ کی طرف سے اسی طرح ادا فرمایا ہے، جس طرح کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اس مضمونِ حدیث کو بیان کیا ہے، ہاں ان بزرگوں کے الفاظ :-

فاذا صرتُ رهينَ رَمس ــــ جب میں قبر کی مٹی میں گرفتار ہو جاؤں -

مولانا شہیدؒ کے مقابلے میں ذرا زیادہ سخت ہیں - ہمیں عوامی سطح پر ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہیے -

بعض مبتدعین مٹی کی پوری بحث ہی کو ہدفِ طعن بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر ہی خاکی نہ تھا - نہ مٹی سے بنا اور نہ مٹی میں رہنے کا سوال پیدا ہوتا ہے - یاد رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحبؒ حضورِ انورؐ کی حدیث نقل فرما رہے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

انا و ابوبکر و عمر خلقنا	میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے
من تربة واحدة فيها ندفن	بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے -

(فتاویٰ افریقہ ص۸۵)

معلوم ہوا کہ جسدِ اطہر خاکی ہی تھا اور ذاتِ اقدس کو مٹی سے گریز نہ تھا - ہاں آپؐ اپنی صفات میں منبعِ نور و عرفان اور مرکزِ ہدایت و ایمان تھے اور اس سے کس بدبخت کو انکار ہو سکتا ہے !

الفصلُ الثّانی

وفیہ ستّۃ من المباحث

حدثنا ھداب بن خالد و شیبان بن فروخ قالا اخبرنا حماد بن سلمۃ عن ثابت البنانی و سلیمان التیمی عن انس بن مالکؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت وفی روایۃ ھداب مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ ۔۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۸، نسائی جلد ۱ ص ۱۸۵)

(ترجمہ) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا معراج کی رات میں سُرخ ٹیلے کے قریب مُوسیٰ علیہ السّلام کے پاس سے گزرا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس صحیح حدیث میں حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبرِ شریف میں زندہ ہونا اور نمازیں پڑھنا بصراحت مذکور ہے۔ قرآنِ عزیز فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ ۔ اور ہم نے مُوسیٰؑ کو کتاب دی۔ پس ان کی مُلاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

(پ ۲۱ سجدہ)

یعنی آپ جو شبِ معراج میں مُوسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے، وہ امرِ واقع اور سچی حقیقت تھی، یہ کوئی خواب یا کسی مثالی وجود اور رُوح کی ملاقات نہ تھی اور نہ ہی کوئی دھوکہ یا نظر بندی تھی۔ آپ یقیناً اسی شخصیت کو ملے تھے، جسے کہ ہم نے تورات

Marfat.com

دی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تورات دینا کسی مثالی وجود کو نہ تھا اور نہ ہی وہاں روح متمثل ہو رہی تھی، بلکہ تورات لینے والے خود موسیٰ علیہ السلام تھے، جن کا جسم عنصری تھا۔ انہی کو آں حضرتؐ نے شب معراج میں دیکھا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ آپؐ اس موسیٰؑ کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں۔

المبحث الاوّل

یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر منورہ میں زندہ موجود تھے، تو پھر بیت المقدس میں ان کا حاضر ہونا اور باقی انبیاءؑ کے ساتھ حضورؐ کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور پھر آسمانوں پر حضورؐ کو ملنا اور پھر آپؐ کی واپسی پر نمازوں کی تخفیف کے لیے آپؐ سے مذاکرہ کرنا، آخر ان تمام ملاقاتوں کا محل کیا ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قبر میں بھی زندہ موجود ہوں، بیت المقدس میں بھی حاضر ہوں اور ملاء اعلیٰ میں بھی تشریف فرما ہوں!

افسوس ہے کہ یہاں وہ امور زیر بحث لائے جا رہے ہیں، جن کی مدارس عربیہ کے متوسط طالب علموں سے بھی توقع نہیں ہو سکتی۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ تعارض کے لیے وحدت زمان شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحؒ لکھتے ہیں:۔

وصلوٰتهم فی اوقات مختلفة وفی اماکن مختلفة لایرده العقل وقد ثبت به النّقل فدلّ ذٰلك علی حیاتهم۔

(فتح الباری کتاب الانبیاء پ ۱۳ ص ۲۷۸ دھلی)

(ترجمہ) اور انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر نمازیں پڑھنا یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ عقل سلیم اس سے متصادم نہیں۔ اور نقل صحیح اسے ثابت کر رہی ہے پس یہ ان کے زندہ ہونے پر کافی شہادت ہے"۔

Marfat.com

یعنی قبر میں نماز پڑھنا، پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنا، اور پھر ملاء اعلیٰ میں جانا، ان سب کے اوقات مختلف ہیں۔ پس تعارض لازم نہیں آتا ——— فتفکروا یا اولی الابصار!

محدثِ کبیر امام بیہقیؒ فرماتے ہیں :۔

فی قصة المعراج انه لقیهم فی جماعة الانبیاء فی السموٰت وکلمهم وکلموه وکل ذلك صحیح لا یخالف بعضه بعضًا فقد یری موسیٰ علیه السلام قائمًا یصلی فی قبره ثم یسری بموسیٰؑ وغیره الی بیت المقدس کما اسری بنبینا صلی اللہ علیه وسلم فیراهم فیه ثم یعرج بهم الی السموٰت کما عرج بنبینا صلی اللہ علیه وسلم فیراهم فیه کما اخبره وصلوٰتهم فی اوقات بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بها خبر الصادق وفی کل ذالك دلالة علی حیاتهم۔

(حیات الانبیاء للامام البیہقیؒ صـ مصر)

(ترجمہ) "واقعہ معراج میں ہے کہ حضورِ اکرمؐ انبیاے کرامؑ کی ایک پوری جماعت کو آسمانوں میں ملے تھے، ان سے کلام فرمایا اور انھوں نے آپؐ سے باتیں کیں۔ یہ سب مضامین صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے کہ آپؐ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے ہیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بیت المقدس تک سفرِ اسرا کرایا گیا جیسا کہ حضورِ اکرمؐ کو سفرِ اسرا پیش آیا۔ پس آپؐ نے وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، پھر سب پیغمبروںؑ کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج کرایا گیا۔ جیسا کہ حضورِ اکرمؐ کو معراج ہوا۔ پس آپؐ نے وہاں بھی انبیاے کرامؑ کو دیکھا، پس انبیاے کرامؑ کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا، اس پر عقلاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نقلاً اس پر قولِ صادق موجود ہے۔ ان تمام واقعات سے انبیاے کرامؑ کی حیات پر دلالت ہو

Marfat.com

ہو رہی ہے۔

المبحث الثانی

بعض اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی اور اسے واقعۂ حال لا عموم لہا کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، جواباً عرض ہے کہ محدثین نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں کیا، بلکہ اس کے برعکس اسے حیاتِ انبیاء کے کلیّہ کے ماتحت ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رح اور علامہ شبیر احمد عثمانی رح نے بھی مؤقف اختیار کیا ہے:۔

فان قیل ھذا خاص بموسیٰ ع قلنا قد وجدنا له شاھدًا من حدیث ابی ھریرۃ رض اخرجه مسلم ایضًا من طریق عبد اللّٰہ بن الفضل عن ابی سلمة عن ابی ھریرۃ رض رفعه لقد رایتنی فی الحجر و قریش تسألنی عن مسرای ..... الحدیث

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۷۸ کتاب الانبیاء، فتح الملھم جلد ۱ ص ۱۳۳)

پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ حیات موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں صحیح مسلم کی روایت سے حضرت ابو ہریرہ رض کی حدیث اس کے شاہد کے طور پر مل گئی ہے۔ جس میں ہے کہ حضور نے فرمایا میں مقامِ حجر میں تھا اور قریش مجھ سے میرے سفر اسرا کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ پھر اسی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی پوری جماعت میں دیکھا، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام سب حضرات وہاں جمع تھے۔

محدثینِ کرام میں سے کسی کا مؤقف نہیں کہ یہ حیات صرف حضرت موسیٰ

لہ صاحب له ص ۳۳۴ مع الفتح۔

Marfat.com

کے ساتھ خاص تھی من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

آں حضرتؐ نے ایک دفعہ بالکل عالمِ بیداری میں بحالتِ سفر حضرتِ موسیٰؑ علیہ السلام اور حضرت یونسؑ علیہ السلام کو وادیِ ازرق اور ثنیۃِ ھرشیٰ میں لبیک پڑھتے ہوئے خاص ہیئت و لباس میں دیکھا۔ آپؐ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے وادیِ عُسفان میں حضرتِ نوحؑ علیہ السلام، حضرت ہودؑ علیہ السلام اور حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ سُرخ اونٹوں پر سوار تھے، جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔ یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں، بلکہ دوسرے موقع سے متعلق ہیں۔ پس ایسے انکشافات نہ تو لیلۃ الاسرا سے خاص ہیں اور نہ ہی یہ حیات صرف موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

المبحث الثالث

بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیاتِ عنصری اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو تمام انبیاءؑ کا اس رات بیت المقدس میں اجسادِ عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلیٰ میں اجسامِ عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرینِ قیاس نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسدِ عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان سے بیت المقدس میں آنا اگر قرینِ قیاس ہے تو دوسرے انبیائے کرامؑ کا اپنی اپنی قبور سے وہاں پہنچنا کیوں قرینِ قیاس نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسدِ عنصری سے ملاء اعلیٰ

۱؎ مسلم جلد ۱ ص ۸۰، بخاری کتاب المناسک جلد ۱ ص ۲۱۱۔

۲؎ رواہ ابو یعلی والطبرانی قال الحافظ ابن کثیر فیہ غرابۃ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۱۱۹)۔

۳؎ اخرجہ احمد قال ابن کثیر ھذا اسناد حسن (البدایۃ ۱ ص ۱۳۸)۔

Marfat.com

میں پہنچنا اگر محال نہیں، تو باقی انبیاے کرامؑ کے اجسادِ مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر مدارِ عقل پر ہے تو وجہِ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پر ہے، تو پھر اسے استبعادِ عقلی کے طور پر پیش نہ کیا جائے، آخر نقول تو یہاں بھی موجود ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس رات انبیاے کرامؑ کا اصل اجسادِ عنصریہ کے ساتھ حاضر ہونا اسے لازم ہے کہ ان کی قبریں کھلیں اور ایسا ہونا "اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ" کے خلاف ہے (یعنی قیامت کو قبریں اکھاڑ دی جائیں گی)۔ اس سے پہلے ایسا کبھی وقوع میں نہیں آسکتا۔ جواباً عرض ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا، کتاب و سنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں، جن میں ان کا آنا قیامت کے قریب مذکور ہے۔ اگر یہ کہو کہ کتاب و سنت میں ان کی جس آمد کی خبر دی گئی ہے، وہ آمد اصلاحِ احوال اور اس زمین پر زندگی گزارنے کے لیے ہوگی اور یہ آمد قطعاً اس رات واقع نہیں ہوئی، ہم کہیں گے کہ "اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ" وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے، وہ وہ ہے، جو حساب و کتاب اور حشر کے لیے ہوگی اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیاے کرامؑ کا اپنی اپنی قبور سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لیے نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس رات وہ قبورِ منورہ نہیں کھلی تھیں۔ رات کا وقت تھا، کون وہاں دیکھ رہا تھا، جو بیان کرے کہ وہ ہرگز نہ کھلی تھیں، نیز یہاں کوئی حصر نہیں، خوب سمجھ لیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ انبیاے کرامؑ اپنی اپنی قبور سے اصل اجسامِ عنصریہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے، تو کیا اتنا عرصہ وہ اپنی اپنی قبور سے علیحدہ رہے تھے۔ جواباً عرض ہے کہ اگر رات کے نہایت مختصر لمحوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم،

Marfat.com

سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی سے ہو کر واپس آسکتے ہیں اور اس کا پتہ کسی کو نہیں چلتا، بستر بھی گرم رہتا ہے، تو باقی انبیاے کرامؑ کے اپنی اپنی قبور سے ایک نہایت مختصر لمحے کے لیے چلے جانے میں اور اس طرح چلے جانے میں کہ کسی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ اس میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے اور کون سا شرعی اصول پامال ہوتا ہے۔ انبیاے کرامؑ اس رات اگر اپنے اجسامِ عنصریہ کے ساتھ حاضر تھے، تو یہ ضروری نہیں کہ اس حاضری کے تحقق کے لیے جو اسباب کارفرما ہوں، وہ بھی سب مادّی ہوں، جہاتِ مختلفہ یہاں ناممکن نہیں۔ ان نفوسِ قدسیہ کی مذکورہ حاضری کے لیے جو اسباب عمل میں آئے، وہ روحانی تھے پس روحانی طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہونا یہ کوئی ایسی بات نہیں، جو امرِ محال ہو اور ایسے موقعوں پر بسا اوقات زمان و مکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور وہاں تزاحمِ تضاد کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا۔

بایں ہمہ

اگر یہ سب انکشافات حقیقت نہ ہوں، وادیِ ازرق، ثنیہ ھرشیٰ اور وادیِ عسفان کی یہ ملاقاتیں یا لیلۃ المعراج میں انبیاے کرامؑ کا بیت المقدس میں اجتماع اور ملاءِ اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور ابدانِ مثالیہ سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہداتِ عالمِ مثال کے قرار دیے جائیں، تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، کا اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالمِ مثال ہی کا واقعہ تھا۔ امورِ مذکورہ بالا کو اگر ان تاویلات پر بھی محمول کر دیا جائے، جو ان کے تذکروں میں بطورِ احتمال ذکر کی گئی ہیں، تو بھی یہ مقصودِ کلام قطعاً متاثر نہیں ہوتا کہ انبیاے کرامؑ کو اپنی اپنی قبور میں جو حیات حاصل ہے، وہ عنصری اور جسمانی ہے، نیز یہ کہ وہ تلذذاً معروف عبادت ہیں۔

ہاں اگر کہا جائے کہ مذکورہ انکشافات میں اور معراج کی ملاقاتوں میں نہ ابدانِ

Marfat.com

مثالیہ تھے اور نہ اجسامِ عنصریہ، بلکہ ان انبیائے کرام کی ارواحِ قدسیہ ہی متمثل[1] ہو رہی تھیں، تو پھر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پھر ان کے اجسامِ عنصریہ قبورِ شریفہ میں زندہ نہ ہوں گے اس صورت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر ارواحِ مقدسہ رفیقِ اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر وہاں سے اجسامِ قبریہ پر اپنی تاثیر دکھا سکتی ہیں اور انھیں فائز الحیات کر سکتی ہیں کہ وہ اجسامِ عنصریہ بھی اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں، تو جہاں وہ ارواح متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی ہوں، وہاں سے اجسامِ قبریہ پر کیوں پرتو نہیں ڈال سکتیں اور وہاں اتصالِ روح کے نتیجے میں حیات کا تحقق کیوں نہیں ہو سکتا۔

نوٹ:۔

اس مبحث میں ہمارا مقصود ان انکشافات کی تحقیق اس کے ضمن میں مختلف احتمالات کی تطبیق یا کسی ایک توجیہہ کا اثبات یا ابطال نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبرِ شریف میں زندہ ہونے کے بیان میں جو جو مغالطات عوام کے سامنے آتے ہیں، ان کے الزامی جوابات اور ایرادِ استبعاد میں دلائلِ امکانات ہیں نہ ہر صورتِ ممکنہ کے وقوع کا دعویٰ ہے اور نہ اس کی ضرورت! کہنا یہ ہے کہ اصل مدعا کسی بھی صورتِ واقعہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

المبحث الرابع

یہ بھی سننے میں آیا ہے[2] کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبرِ شریف میں نماز پڑھنے کی روایت اگرچہ صحیح مسلم میں موجود ہے، لیکن قرآنِ پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائق

---

[1] قال الشیخ الاکبر فی الفصوص الروح یتشکل باشکال مختلفۃ (العرف الشذی ص ۱۰)۔

[2] کما ذھب الیہ ابن القیم وراجع لہ کتاب الروح ص ۵۲ و زاد المعاد جلد ۲ ص ۴۹۔

[3] یہ روئداد ملتان کے ایک رس کی ہے، جو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر فیروز الدین صاحب (اندرون بوہڑ گیٹ) نے ہمیں سنائی تھی۔

Marfat.com

اعتماد نہیں - قرآنِ پاک میں ہے :-

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ - پ۱۴

اور بندگی کیے جا اپنے رب کی یہاں تک کہ تجھے وفات آجائے -

پس جب عبادت موت تک کے لیے ہی ہے تو قبر میں عبادت کرنے اور نمازیں پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ ہرگز دار العمل نہیں - پس یہ حدیث، جس میں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبرِ منوّر میں نماز پڑھنا مذکور ہے، قرآن کے خلاف ہے - (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ!)

جواباً عرض ہے کہ دار العمل کے بعد "وجوبِ عمل" کا انقطاع ہے "نفسِ عمل" کا نہیں قرآنِ عزیز نے جس عبادت کا حکم دیا ہے - اس کی "انتہائے مدت" موت ہے - اس کے بعد عبادت کا نہ حکم ہے اور نہ کسی پر یہ اس عالم میں واجب ہے - انبیائے کرام، جو عالمِ برزخ میں (اپنی اپنی قبور میں) نمازیں پڑھتے ہیں، وہ تلذذاً پڑھتے ہیں، وجوباً نہیں -

قال القرطبي حُبِّبَتْ اليهم العبادة فهم يتعبّدون بما يجدونه من دواعي انفسهم لا بما يُلْزَمون به — راجع له الفتح ص۳۳۰

خاتم المحدثین حضرت مولانا السیّد انور شاہؒ فرماتے ہیں :-

انّ كثيراً من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمي وقراءة القرآن عند الترمذي - (فیض الباری جلد ا ص۱۸۳ مصر)

(ترجمہ) بہت سے اعمال قبورِ شریفہ میں بھی ثابت ہوتے ہیں - سُنَنِ دارمی کی روایت سے قبر میں اذان واقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے قبر میں تلاوتِ قرآن کا ثبوت ملتا ہے -

پس جس طرح "صَلُّوْا خَمْسَكُمْ" (تم اپنی پانچ نمازیں پڑھ لیا کرو) میں تہجد کی نفی نہیں، اسی طرح ورودِ موت کے بعد قبر کی زندگی میں نمازیں پڑھنا، تلاوت کرنا

Marfat.com

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" کے خلاف نہیں۔ مقربینِ ایزدی کو عبادت میں اس قدر لذت ملتی ہے کہ وجوب ہو نہ ہو، وہ عبادت کو اپنی طبیعت بنا چکے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآنِ عزیز جنت میں بھی دعا و ذکر کی خبر دیتا ہے :۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (یونس : پ ۱۱)

ان کی دعا اس جگہ یہ ہے کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے اور ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کا ہوگا اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر ہے کہ سب تعریفیں سب جہانوں کے پروردگار کے لیے ہی ہیں۔

پس جب دعا جو "مُخُّ الْعِبَادَةِ" ہے، یعنی ساری عبادت کا مغز ہے۔ وہ مرنے کے بعد ثابت ہے، تو پھر یہ کہنا کہ قرآنِ عزیز اس 'دارالعمل' کے بعد کسی قسم کی عبادت یا ذکر وحمد کی خبر نہیں دیتا، قرآنِ پاک پر اور خود اسلام کے نظریۂ مابعد الموت پر کس قدر ظلم ہے ؎

فریبِ کشمکشِ عقل دیدنی دارد
کہ میرِ قافلہ و ذوقِ راہزنی دارد

قال اللہ تعالیٰ :۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ ...... وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (پ ۲۴ زمر)

اور جنتی کہیں گے الحمدللہ جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور وارث کیا ہمیں اس زمین کا اور ہر طرف سے الحمدللہ رب العٰلمین کی آوازیں آئیں گی۔

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۔ (پ ۲۲ سبا)

اور آخرت میں بھی اسی کی ہی حمد ہوگی اور وہی ہے حکیم وخبیر۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

اور جنتی کہیں گے الحمدللہ سب تعریفیں

Marfat.com

هدانا لھذا۔ اُسی ذات کے لیے ہیں۔ جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔ (پ اعراف)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:۔

یلھمون التسبیح و التحمید اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد اُن کے دلوں میں ڈال دی جائے گی۔ (مسلم)

پھر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یسبحون اللہ بُکرۃً و عَشِیًّا وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے۔ (متفق علیہ)

"فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ" میں تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم تھا۔ اس عالم میں وجوباً اس پر عمل ہوتا رہا۔ بعد ازاں تلذّذاً تسبیح و تحمید اور دعا و استغفار کا سلسلہ جاری ہے۔ تسبیح و تحمید کا بیان ہو چکا۔ اب استغفار بھی دیکھیے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔ رواہ البزار باسناد جید (فتح الملھم جلد ا ص۱۳)۔

وکذا عند البزار بسند جید عن ابن مسعود رفعہ (فہرست عقیدۃ الاسلام مولینا انور شاہؒ)۔

بزار برجال صحیح از عبداللہ بن مسعودؓ می آرد (جذب القلوب ص۱۸۴ محدث دہلویؒ)۔

(ترجمہ) میری یہ زندگی بھی تمھارے لیے خیر ہے اور بعد الوفات بھی میری

حالت تمہارے لیے خیر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ پس جو اچھے ہوں گے، تو یہ میرے لیے سامانِ تحمید ہو گا اور جو اعمال اچھے نہ ہوں گے، اس پر میں دعائے استغفار کرتا رہوں گا۔"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں :-

"مجموع روایات سے علاوہ فضیلتِ حیات و اکرام ملئکہ کے برزخ میں آپ کے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مشاغل ثابت ہیں (۱) اعمالِ امت کا ملاحظہ فرمانا۔ (۲) نماز پڑھنا۔ (۳) غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا۔ (۴) سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملئکہ۔ (۵) سلام کا جواب دینا۔ یہ تو دائماً ثابت ہیں اور احیاناً بعض خواصِ امت سے یقولہٗ میں آپؐ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے اور حالتِ رویا اور کشف میں تو ایسے واقعات حصر و احصاء سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے، کیونکہ برزخ میں روح کو پھر خصوصاً روحِ مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے؛ مگر اس وسعت سے امورِ غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا مسکوت عنہا کو ثابت یا ثابتہ احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہیں ہو گا۔ خوب سمجھ لیا جائے"۔ (نشر الطیب)

خلاصۂ مبحث یہی ہے کہ یہ حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر بالکل صحیح ہے اور ہرگز قرآنِ پاک کے خلاف نہیں، اسی طرح لیلۃ الاسریٰ میں انبیائے کرامؑ کا نمازیں پڑھنا اور پھر آں حضرتؐ کا ان کی امامت کرانا، یہ بھی احادیثِ صحیحہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب!

Marfat.com

المبحث الخامس

یہ اعتراض بھی سُننے میں آیا ہے کہ حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث حضرت انس رضؓ نے آں حضرتؐ سے براہِ راست نہیں سُنی - اِس لیے کہ بعض سندوں میں عن انس رضؓ عن بعض اصحاب النبیؐ قال ... الحدیث کے الفاظ ہیں - پس جب تک اس صحابیؓ کے نام کا پتہ نہ ملے، جس سے حضرت انس رضؓ نے یہ حدیث سُنی تھی، اُس وقت تک اُسے حُجّت نہیں سمجھا جا سکتا۔

جواباً عرض ہے کہ صحیح مُسلم کی روایت میں حضرت انس رضؓ براہِ راست آں حضرت، صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اِس حدیث کو نقل کر رہے ہیں - پس جو سند اِس عالی سند سے ٹکرائے گی، ناقابلِ اعتماد ہوگی ؛ ثانیاً امام نسائیؒ جنھوں نے دونوں طریقِ اسناد پیش کیے ہیں، خود اِسی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں، جس میں حضرت انس رضؓ براہ راست حضورِ اکرمؐ سے اِس حدیث کو روایت کر رہے ہیں :-

قال ابو عبد الرحمٰن النسائیؒ ھذا اولیٰ بالصّواب عندنا (سنن نسائیؒ جلد ۱ ص۱۸۵)۔

ثالثاً اگر ان دونوں حقیقتوں کو نظر انداز کر دیں، تو غایت ما فی الباب لازم آتا ہے کہ یہ حدیث مُرسلاتِ صحابہ رضؓ میں شمار ہو اور ظاہر ہے کہ مُرسلات صحابہ رضؓ بالاتّفاق موصُولات کے حکم میں ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک بھی معتبر ہیں، جو مُرسل کے قبُول کرنے میں کلام کرتے ہیں - الفیہ عراقی میں ہے :-

امّا الّذی ارسلہ الصّحابی فحکمہ الوصل علی الصّواب

الفیہ سیوطیؒ میں ہے ؎

و مرسل الصاحب وصل فی الاصح

Marfat.com

تحریر میں ہے :۔

فلا یضر اذ لا یرسل الا عن صحابی (التحریر لابن الہمام ص۳۳۶ مصر)

شیخ الاسلام فرماتے ہیں :۔

اما مراسیل الصحابہؓ فحکمہا حکم الموصول علی المشہور الذی ذہب الیہ الجمہور"۔ (مقدمہ فتح الملہم ص۳۲)

خلاصہ سب دلایل کا یہی ہے کہ :۔

صحابۂ کرامؓ کی مرسلات (یعنی وہ روایات جو روائیت کرنے والے صحابیؓ نے خود حضورؐ سے نہ سنی ہوں، بلکہ کسی اور صحابیؓ سے سنا ہو کہ حضورؐ نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور اب وہ اس دوسرے صحابیؓ کی نشان دہی ضروری نہ سمجھتے ہوئے ان احادیث کو براہِ راست حضورؐ سے ہی روایت کر رہے ہوں، تو) ان کا حکم یہی ہے کہ انھیں متصل روایات قرار دیا جائے اور یہی جمہور محدثین کا فیصلہ ہے۔

المبحث السادس

وادیِ ازرق اور لیلۃ الاسراء کے مشاہدات اگر حقیقت نہ ہوں مثالی ہی ہوں، تو بھی مقصودِ کلام متاثر نہیں ہوتا۔

مذکورہ سابقہ انکشافات برزخیہ میں یہ اختلاف درپیش ہے کہ اجسامِ مرئیہ واقعی حضراتِ انبیاء علیہم السلام ہی تھے یا یہ فقط ان کے مثالی اجسام تھے؟ اس میں کئی موقف اختیار کیے جاتے ہیں :۔

ا۔ حضورؐ نے جب فرما دیا کہ میں نے انھیں دیکھا ہے، تو واقعی آپؐ نے انھیں دیکھا ہے، اس کا ادراک و شعور اگر ہمیں نہ بھی ہو سکے، تو بھی یقینِ کامل ہے کہ آپؐ نے جنھیں دیکھنے کا دعویٰ فرمایا،

Marfat.com

آپ نے واقعی انہیں ہی دیکھا تھا اور وُہ واقعۃً وُہی حضرات تھے، جن کا آپ نے ذکر فرمایا۔ اُس عالمِ برزخ میں انبیائے کرامؑ جسمانی طور پر زندہ ہیں اور جس کے لیے بھی کبھی یہ پردے اُٹھائے گئے، اُس نے ان نفوسِ قدسیہ کو اِس دُنیا کی جسمانیات قبر یا کعبہ وغیرہما سے متعلق ہی پایا۔

یہ مؤقف کہ اِن انکشافات میں اشخاصِ مرئیہ صرف مثالی وُجود تھے یا ان کی ارواح (تعلق بالبدن المدفون کے باوُجود) یہاں متمثل ہو رہی تھیں، یقیناً صرف عن الظاہر ہے اور یہ طے شدہ تحقیق ہے کہ ہر شے اپنی اصل پر قائم ہے، جب تک کہ اس کا حقیقت پر محمول ہونا شرعًا یا عقلاً متعسر نہ ہوں۔ صرف عن الظاہر کے لیے اصل شرعی مطلوب ہے اور وُہ بھی کم از کم اسی پایہ کی ہونی چاہیے، جس پائے کا آپ کا یہ دعوٰی شریفہ ہے کہ مَیں نے اِن اِن انبیاءؑ کو فلاں فلاں موقع پر دیکھا تھا۔ اگر اِس درجہ کی اصل اِس مقام پر موجُود نہیں، تو ظاہر ہے کہ اصل دعوے کو اپنے اصل ہی پر رہنے دیا جائے۔

اِس موقف کے قائلین پر ایک الزام

جو اہلِ علم حضرات اِن انکشافات کے حقیقت پر محمول ہونے کا مسلک رکھتے ہیں، ان کی تردید میں یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ سلفِ صالحین میں سے یہ کسی کا مسلک نہ تھا؛ اِن اجسامِ مدفونہ سے متعلق سماع و عدمِ سماع یا شعور و عدمِ شعور کے مباحث تو تھے، لیکن ان کے متحرک ہونے یا ایک جگہ سے دُوسری جگہ جانے کا دعوٰی سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔

راقم الحرُوف عرض کرتا ہے کہ اِس الزام میں قلبِ موضوع، حقائق کو برعکس بیان کرنے، موجُود کو غیر موجُود کہنے اور غیر موجُود کو موجُود کہنے سے کام لیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرامؑ کے اجسامِ مدفونہ سے متعلق سماع یا عدمِ سماع اور شعور یا عدمِ شعور

Marfat.com

کے مباحث تو حضرات اہل السنت میں کہیں نہیں ملتے اور اس کے برعکس ان اجسامِ مدفونہ کے متحرک ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا قول سلفِ صالحین میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجر عسقلانی رح فتح الباری باب المعراج میں لکھتے ہیں :۔

واستشکل رویته الانبیاء فی السموات مع ان اجسادهم مستقرة فی قبورهم بالارض و اجیب بان ارواحهم تشکلت بصور اجسادهم او احضرت اجسادهم لملاقات النبی صلی اللہ علیه وسلم تلك اللیلة تشریفاً و تکریماً ویؤیده حدیث عبد الرحمٰن بن هاشم عن انس رض ففیه وبعث له آدم ومن دونه من الانبیاء۔

یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیاے کرام کے اجسادِ کریمہ تو اپنی اپنی قبروں میں استقرار پذیر ہیں۔ پھر حضور کا انھیں معراج کی رات آسمانوں پر دیکھنا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواح قدسیہ اس رات متجسد کر دی گئی تھیں۔ یا ان کے اجسادِ کریمہ ہی (ان کی قبور سے) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف و تکریم کے لیے لا حاضر کر دیے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت انس رض سے منقول ہے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۱۶۶ مصر)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رح کا اندازِ بیان بتلا رہا ہے کہ وہ اس دوسری صورت ہی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ خاتمۃ الحفاظ کے علاوہ اور بھی کئی محدثین سے یہ موقف منقول ہے۔ حیرت در حیرت ہے کہ جو مباحث موجود ہیں، ان کے وجود ہی سے انکار ہو اور جن کا حضراتِ اہلِ سنت میں نام و نشان بھی نہیں ملتا، ان کے امرِ واقع ہونے کا دعویٰ کر دیا جائے ؎

خود کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

Marfat.com

۲۔ بعض دُوسرے حضرات کا موقف یہ ہے :۔

حضورؐ نے جن انبیاے کرامؑ کے متعلق فرمایا کہ مَیں نے انھیں دیکھا ہے، حضورؐ نے انھیں واقعی نہ دیکھا تھا، بلکہ یا

(۱) ان انبیاءؑ کی ارواحِ قدسیہ صُورتِ جسم میں متمثّل ہو رہی تھیں یا

(۲) ان انبیاے کرامؑ کے ان اجسام کا مشاہدہ ہو رہا تھا، جو عالمِ مثال میں قائم تھے اَور یا

(۳) انھیں اس عالم سے اِنتقال فرمانے کے بعد کوئی اَور جسم مِلا ہُوا ہے اَور انبیاے کرامؑ کی یہ حاضریاں انھی اجسام کے ساتھ تھیں۔

ہمیں اِن اِحتمالات کے مابین محاکمہ کرنا نہیں۔ امرِ واقع خواہ کوئی صُورت ہو، اِس عقیدے کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ انبیاے کرامؑ کے اَجسادِ عنصریہ اپنی قبُورِ شریفہ میں بالکل بے حس و بے شعور ہیں۔

اگر یہ نُفُوسِ قُدسیہ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد بھی کہیں کہیں اپنے اصل جسدِ عنصری سے چلتے پھرتے دِکھائی دیں اَور یہ رفت و آمد فوق الاسباب بغیر اِنشقاقِ قبُور کے ہو اَور اِس اِعتبار سے رُوحانی ہو کہ زمان و مکان کی وُسعتیں، جیسا کہ معراج کی رات واقع ہُوا، سمٹ گئی ہوں، یعنی اپنی قبُور سے جُدائی بھی کسی خواص محسُوس درجے میں نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ :۔

ربُّ العزّت کے لیے ایسے حالات پیدا کر دینا اَور پھر رُوحانی اَور جسمانی اِعتبارات کو مُختلف جہات سے اِس عالمِ برزخ میں جمع کر دینا کیا امرِ ناممکن ہے؟ یا اِن جزئیات میں سے کوئی جزئیہ کِتاب و سُنّت کی کسی تصریح سے مُتصادِم ہوتا ہے؟ یا یہاں کوئی پہلو ایسا بھی اِختیار کیا گیا، جس کی نظیر پہلے کے کسی بھی واقعہ میں نہ ہو؟ ——— جواب یقیناً نفی میں ہو گا!

Marfat.com

پیشِ نظر رہے کہ ان تفصیلات کو ہم مدعی ہو کر اپنے دلائل میں پیش نہیں کر رہے، بلکہ بات یہ چلی تھی کہ آں حضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں نے فلاں فلاں پیغمبرؑ کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا، آیا حقیقت پر محمول ہیں یا اسے حقیقت پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً محال ہے؟ بصورتِ ثانی ہم مجبور ہوں گے کہ آپ کے اس ارشاد کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تمثیل و مجاز وغیرہ پر محمول کریں۔ ہم نے یہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ آں حضرتؐ کے ان ارشادات کو ان امکانات، احتمالات اور نظائر کے ہوتے ہوئے ان کے ظاہر پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً ہرگز ناممکن نہیں اور واضح رہے کہ امکان ثابت کرنے کے لیے یا امتناع توڑنے کے لیے صرف صورتِ ممکنہ کافی ہوتی ہے، صورتِ واقعہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

اگر ان برزخی مشاہدات میں اجسامِ مرئیہ اصل اجسامِ عنصریہ نہ ہوں؛ بلکہ عالمِ مثال کے مثالی اجسام ہوں، تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اصل اجسامِ عنصریہ اپنی اپنی قبور میں بالکل بے حس و بے شعور ہوں اور انبیائے کرامؑ اپنے اپنے روضات میں فائز الحیات نہ ہوں؛ اس لیے کہ ان دونوں معاملات میں کوئی تصادم نہیں، ہر معاملہ اپنے اپنے مقام پر اپنے اپنے حالات کے مطابق ہو رہا ہے۔

ہاں اگر یہ تشکل عالمِ مثال کا نہ ہو، بلکہ اصل ارواحِ قدسیہ ہی متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی ہوں۔ جیسا کہ علامہ قرطبیؒ وغیرہ کی رائے ہے، تو پھر ہمیں وہ موقف اختیار کرنا پڑتا ہے کہ عالمِ برزخ میں ان ارواحِ طیبہ کو عظیم وسعت حاصل ہوتی ہے ہرگز بعید نہیں کہ یہ ارواحِ قدسیہ اجسامِ عنصریہ سے بھی بالکل بے تعلق نہ ہوں اور ان کا پرتو یہاں بھی صورتِ جسمیہ میں متمثل ہو رہا ہو یا وہ ارواحِ اصلیہ ان مقامات پر متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی ہوں اور ان کا اجسامِ قبریہ پر بھی پرتو پڑ رہا ہو جس سے وہ صفتِ حیات سے متصف ہوں۔ اگر روحِ پاک رفیقِ اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ کو اپنا مستقر

Marfat.com

بنا کر قبورِ شریفہ میں رکھے اجسام پر پرتوِ حیات ڈال سکتی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابنِ قیمؒ کی رائے ہے، تو ارواحِ متمثلہ یہاں قریب کے مقامات سے اجسامِ قبریہ پر تاثیر کیوں نہیں کر سکتیں؟

حق یہ ہے کہ احوالِ برزخ پر اس عالم کی نظر و فکر کے پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے۔ جن حضرات کا یہ موقف ہے کہ ان انکشافات میں ارواحِ قدسیہ ہی متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی تھیں، آخر وہ بھی تو رفیقِ اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ ہی کو روح کا محلِ استقرار قرار دیتے ہیں۔ جو جواب ان کا ان احوال میں ارواحِ قدسیہ کے علیین سے جدا ہونے کا ہوگا، وہی جواب ان کا سمجھ لیجیے، جو ارواحِ قدسیہ کو قبر کے اجسامِ عنصریہ سے متعلق مان کر پھر ان مشاہدات میں تمثلِ ارواح کا دعوےٰ کر رہے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ صورتِ واقعہ کیا تھی اور کیا نہیں اور نہ اس وقت یہ ہمارا موضوع ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ مذکورہ احتمالات میں سے کوئی بھی جانب اختیار کر لی جائے، یہ حقیقت قطعاً متاثر نہیں ہوتی کہ انبیائے کرامؑ کے اجسامِ عنصریہ اپنی اپنی قبور میں ہرگز بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ وہ فائز الحیات ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا اپنے روضۂ شریفہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور حضورؐ کا ان کی خبر دینا ان اختلافات سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ حدیثِ صلوٰۃِ موسیٰؑ پر حاشیہ سننِ نسائی میں "زہر الربی" سے منقول ہے:۔

قال الشیخ بدر الدین ھٰذا صریح فی اثبات الحیوۃ لموسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ وانہ قائم ومثل ذلک لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علیٰ ھٰذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ بالقبر و قال الشیخ تقی الدین السبکی فی ھٰذا الحدیث "الصلوٰۃ تستدعی جسدًا

Marfat.com

حیًّا" ولا یلزم من کونها حیٰوۃ حقیقیۃ ان تکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب وغیر ذٰلك من صفات الاجسام التی نشاهدها بل یکون لها حکم آخر۔

(حاشیہ نسائی جلد ۱ ص ۱۸۵ باب صلوٰۃ نبی اللہ موسیٰ وذکر الاختلاف علی سلیمان التیمی)۔

(ترجمہ) "شیخ بدرالدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰؑ کے اپنی قبر میں زندہ ہونے پر صریح دلیل ہے، کیونکہ حضورِ اکرمؐ نے آپؑ کو نماز سے موصوف بتلایا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے محض روح موصوف نہیں ہوتی۔ نماز جیسے عمل سے متصف ہونا تو جسم کا کام ہے، صرف روح کا نہیں، نیز اس عمل کے قبر سے متعلق ہونے میں بھی "حیات فی القبر" پہ دلیل ہے (یعنی یہ عمل جسدِ عنصری کا ہے، کیونکہ قبر میں تو جسدِ عنصری ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اور جسدِ مثالی پیشِ نظر ہوتا، تو پھر اس عملِ صلوٰۃ کے مخصوص بالقبر ہونے کی حاجت نہ تھی) پس اگر یہ عملِ صلوٰۃ (یا تجسد لعمل الصلوٰۃ) روح کی صفت ہوتی، تو اس کی تخصیص قبر سے بالکل نہ ہوتی۔ شیخ تقی الدین السبکیؒ بھی اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ "نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے"۔ پیشِ نظر ہے کہ حیاتِ حقیقی کے ثبوت سے یہ چیز لازم نہیں آتی کہ وہاں بھی ابدان اسی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں، جس طرح کہ اس دنیا میں تھے جیسا کہ ہم صفاتِ اجسام کو ہر روز دیکھتے ہیں، بلکہ اس جہان کے احکام اس سے مختلف ہیں (یعنی حیاتِ جسمانی کے ساتھ وہاں رزقِ مادی نہیں، بلکہ معنوی ہے۔ حیاتِ دنیاوی صرف تعلق بالبدن الدنیوی کی بنا پر ہے۔ تعلق بالرزق کی بنا پر وہ حیات روحانی ہے اور تعلق بالظرف کے پیشِ نظر برزخی ہے)"۔

عالمِ برزخ کی حقیقتیں اس جہان والوں سے مخفی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب

Marfat.com

کسی پر انھیں منکشف فرمانا چاہتے ہیں، تو پہلے اس میں برزخی مشاہدات کی صلاحیت پیدا فرما دیتے ہیں؛ پھر جب ان مخفی حقائق سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے، تو وہ نفوسِ قدسیہ دیکھ لیتے ہیں کہ کس کس کی حیاتِ برزخی مضمحل ہے اور کس کس کی رُوح وجسم فائز الحیات ہیں۔ اس عالم میں رہتے ہوئے اُس عالم کی جھلکیں دیکھ پانا نقولِ صحیحہ کے پیشِ نظر ہرگز محال نہیں۔ کشف القبور سے تو بارہا غیر انبیاءؑ بھی متصف ہوتے رہے ہیں اور ہوتے ہیں۔ آں حضرتؐ نے بارہا مختلف قبروں کو دیکھا اور اُن کے احوال مختلف لوگوں کے سامنے بیان فرمائے۔ یہ اطّلاع وحی کے بجائے کشف پر مبنی ہوتی تھی ؂

چہ گویم شرحِ آں حالت کہ در گفتن نمی آید!

ایسے انکشافات صرف لیلۃ المعراج ہی سے خاص نہ تھے۔ آپؐ نے بارہا اس عالم میں ہوتے ہوئے اُس عالمِ برزخ میں انبیائے گزشتہ کو دیکھا۔ ان کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال ——— جیسے وادی سے گزرتے یا گھاٹی سے اُترتے لبیک لبیک کہنا، نمازیں پڑھنا اور تحیّۃً وسلام کہنا، یہ سب اُمورِ معراج کے علاوہ اور بہت سے انکشافات کا پتہ دے رہے ہیں۔ اور اس دُنیا سے ایک تعلّق اور رابطہ ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے پُورے خدوخال کیا ہیں؟ اس پر ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے اور یہی برزخیت ہے۔ ہاں کبھی کبھار جو دیکھا یا سُنا جاتا ہے۔ یہ محض اُس عالم کی کچھ جھلکیاں ہیں یا بعض نفوسِ قدسیہ کے مشاہدات اور انکشافات!

انبیائے کرامؑ کے ایسے مشاہدات میں بعض ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن سے تمثّلِ ارواح یا ابدانِ مثالیہ کی بہت گنجائش نکلتی ہے؛ جیسے کأنّی انظرُ وغیرہ، لیکن ان الفاظ کو ان انکشافات سے اُٹھا کر ان حقائق پر بھی منطبق کرنا جہاں تخفیف بڑا دینے سے نہ عقلِ سلیم سے تصادم ہوتا ہے اور نہ کسی نقلِ صحیح کی مخالفت لازم آتی ہے، کس قدر زیادتی ہے! واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

الفصل الثالث

وفیہ ستۃ من المباحث

"عن انس بن مالک رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ۔"

مسند ابی یعلی (جامع صغیر ص۱۰۳ مصر) حیاتا لانبیاء للامام البیہقی ص۳ مصر ابن بزار (مجمع الفوائد جلد ۲ ص۱۷۶ میرٹھ) ابن عدی (شفاء السقام ص۱۳۴)

(ترجمہ) "حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں"۔

حیاتِ انبیاؑ کی قبورِ شریفہ سے صریح نسبت کے بعد اس وسوسے کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ انبیائے کرامؑ صرف رفیقِ اعلیٰ اور علیین میں فائز الحیات ہیں اور ان کی حیاتِ شریفہ کو اجسامِ قبریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وقد مرّ تفصیلہ من حاشیۃ سنن النسائیؒ۔

آں حضرتؐ کا یہ ارشاد محدثین کرامؒ نے مختلف طرق سے نقل فرمایا ہے۔ ان میں پچھلے راوی متعدد ہیں اور مختلف ہیں، لیکن ان سب کا اشتراک اوپر کے اتنے سلسلۂ اسناد پر جا قائم ہوتا ہے۔

المستلم بن سعید عن الحجاج الاسود عن ثابت البنانی عن انس بن مالک رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پس تمام محققین کا نقطۂ نظر انھی راویوں کی توثیق ہے، یعنی یہ رواتِ حدیث قابلِ اعتماد ہیں تو حدیث ثابت ہے۔ ان کے بعد کے پچھلے راویوں میں اگر کوئی اختلاف ہو

Marfat.com

بھی تو مقصودِ توثیق قطعاً متاثر نہیں ہوتا، اِس لیے کہ طرق مختلف اور متعدد ہیں۔

حافظ ابو یعلیٰ رح کا سلسلۂ اسناد یہ ہے :-

حدثنا ابو الجهم[1] الازرق بن علی حدثنا یحیی بن ابی[2] بکیر حدثنا المستلم[3] بن سعید عن الحجاج[4] عن ثابت[5] عن انس[6] رض قال قال رسول الله صلعم ...... الحدیث۔

یہ سلسلۂ اسناد امام بیہقی رح کو اس طریق سے پہنچتا ہے :-

اخبرنا الثقة[1] من اهل العلم قال انبأنا ابو عمرو بن[2] حمدان قال انبأنا ابو یعلیٰ[3] الموصلی حدثنا ابو الجهم[4] الازرق۔

حافظ ابو یعلیٰ رح کے سلسلۂ اسناد میں سب راوی معروف، قابلِ اعتماد اور متصل ہیں اب حافظ بیہقی رح کی سند حافظ ابو یعلیٰ رح تک جن دو راویوں سے پہنچتی ہے، اگر وہ نہ بھی ہوتے اور امام بیہقی رح تک یہ حدیث نہ بھی پہنچی ہوتی، تو بھی یہ حدیث صحیح اور صالح الاحتجاج تھی اور حافظ ابو یعلیٰ رح کا اسے سندِ صحیح سے لے آنا اس کی حجیت کے لیے کافی تھا۔

کس قدر افسوس ہے کہ امام بیہقی رح کے اس کہنے پر کہ "اخبرنا الثقة من اهل العلم" اس حدیث کے پورے اسناد پر مجہول ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے، حالانکہ اس سند میں امام بیہقی رح کے شیخ روایت بھی حکماً مجہول نہیں۔ کیونکہ مجہول وہ ہوتا ہے، جسے کسی امامِ حدیث نے ثقہ نہ کہا ہو اور یہاں خود امام بیہقی رح اسے اسی سند میں ثقہ قرار[1] دے رہے ہیں۔ راوی کا تعین اور اس کے حالات کی تفصیل اسی لیے مطلوب ہوتی ہے کہ اس کی ثقاہت کا پتہ چلے اور اس مقام پر نہ صرف اس کی توثیق ہے، بلکہ

---

[1] پیشِ نظر رہے کہ توثیقِ رجال میں حافظ بیہقی رح کا مسلک دارقطنی اور ابنِ حبان رح والا نہیں کہ فقط راویوں کی روایت اس کے لیے کافی ہو، بلکہ امام بیہقی رح اس باب میں جمہور محدثین رح کے ساتھ ہیں۔ پس ان کی توثیق کچھ کم وزن نہیں رکھتی؛ بالخصوص جبکہ اس روایت سے انھیں کسی خاص فقہی موقف کی کوئی تائید مقصود نہ ہو۔

Marfat.com

امام حدیث حافظ بیہقیؒ اس کے اہل العلم ہونے کا بھی اعلان کر رہے ہیں۔

خیر اسے بھی جانے دیجیے۔ حافظ ابو یعلیؒ کے سلسلۂ اسناد کو لیجیے، نچلے رواۃ میں اگر کوئی اختلاف بھی ہو تو بھی اوپر کے رواۃ کی توثیق بالکل متاثر نہیں ہوتی، کیونکہ سب کے سب راوی معروف اور ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔

محدثِ کبیر حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں :۔

رجال ابی یعلی ثقات (مجمع الزوائد)۔

خلاصہ یہ کہ ہم ان ہی راویوں کی تعدیل بیان کریں گے، جو اوپر کے ہیں اور جن پر حدیث کا دارومدار ہے۔

المبحث الاوّل

فی احوال رواۃ

۱۔ ابوالجہم الازرق :۔

بن علی الحنفی ابوالجہم صدوق یغرب من الحادیة عشرة (تقریب ص ۳۱)

یعنی صدوق اور سچے راویِ حدیث ہیں۔

۲۔ یحیٰ بن ابی بکیر (واسمه نسر الکرمانی کوفی الاصل نزل بغداد)

ثقه من التاسعه مات سنه ۲۹۸ (تقریب ص ۵۴۶) ثقہ راوی حدیث ہیں۔ رجالِ صحیح میں سے ہیں (فتح الباری پ ۱۳ ص ۲۷۸)۔

۳۔ مسلم بن سعید :۔

امام احمد اور ابن حبان انھیں ثقہ قرار دیتے ہیں (فتح) صدوق (تقریب ص ۴۸۸)

یعنی ثقہ اور سچے راویِ حدیث ہیں۔

Marfat.com

۴ - حجاج بن الاسود الاسود :-

یہ ابن ابی زیاد بصری ہے - اس نے ثابت بُنانی، جابر بن یزید، ابی نضرہ اور کئی دُوسرے بُزرگوں سے احادیث روایت کی ہیں اور اِس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کئی اور لوگوں نے روایات لیں - حافظ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں :-

قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معین ثقة وقال ابوحاتم صالح الحدیث وذکرہ ابن حبان فی الثقات -

امام احمد نے فرمایا حجاج ثقہ راوی ہے اور مردِ صالح ہے - امام یحیٰی بن معینؒ لکھتے ہیں وُہ ثقہ ہے - ابو حاتم کہتے ہیں، وُہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبانؒ نے اُسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے -

(لسان المیزان جلد ۲ ص ۱۷۵ فتح الباری پ ۱۳ ص ۲۷۸)

کشف الستارۃ عن وجہ النکارۃ

حافظ ذہبیؒ کا خیال ہے کہ حجاج نکارت کا مرتکب ہے - یعنی ثابت بُنانی سے روایت کرنے میں وُہ ثابت کے دُوسرے شاگردوں کی مُخالفت کر رہا ہے - پس "مُنکر الروایۃ" ہے، فرماتے ہیں :-

فاتیٰ بخبر مُنکرٍ عنہ عن انسؓ فی ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون رواہ البیھقیؒ (میزان)

حجاج اسود، ثابت سے حضرت انسؓ کی روایت لایا ہے، جو "منکر" ہے، یعنی حجاج ثابت کے دُوسرے شاگردوں کی مُخالفت کر رہا ہے -

ہم نے بہت تلاش کی کہ ثابت بنانی کے دُوسرے شاگردوں سے اِس روایت کی کہیں مخالفت مل جائے، یعنی اُنھوں نے اسے اِس طرح روایت کیا ہو کہ

Marfat.com

حیاتِ انبیاؑ کا یہ مضمون اس سے ٹکر کھا رہا ہوا اور کسی طرح اس پر ثقہ کی زیادتی بھی نہ بن سکے ؛ لیکن افسوس کہ حافظ ذہبیؒ کے اس گمان کی ہمیں کہیں سے تصدیق میسّر نہیں آسکی ۔ من ادعی فعلیہ البیان ۔

غایت تامل سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے حافظ ذہبیؒ کے پیشِ نظر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی وہ روایت ہو جسے کہ ہم صحیحِ مسلم کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں، اس لیے کہ اس روایت کا سلسلۂ اسناد بھی عن ثابت البنانی عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ——— پر منتہی ہوتا ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ صلوٰۃ موسیٰ فی القبر والی روایت کا سلسلۂ اسناد یہ ہے : —

حماد بن سلمہ عن ثابت عن انسؓ عن النبیؐ ۔

اور صلوٰۃ جمیع الانبیاء فی القبور والی روایت کا سلسلۂ اسناد یہ ہے :—

حجاج بن الاسود عن ثابت عن انسؓ عن النبیؐ ۔

حافظ ذہبیؒ کے اعتراض سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں روایتوں کو اصلاً ایک سمجھ رہے ہیں، اور اس لیے کہ حماد بن سلمہ حضرت ثابت سے صرف موسیٰ علیہ السّلام کا قبر میں نماز پڑھنا روایت کر رہے ہیں اور حجاج اسود اس کی بجائے تمام انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبروں میں نماز پڑھنا نقل کر رہے ہیں، انھوں نے اسے ثابتؓ کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت سمجھ کر حجاج اسود کو نکارت کا مرتکب قرار دے دیا اور حدیث کو "منکر" کہہ دیا ۔

حالانکہ

یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ تھیں ۔ پس نکارت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

Marfat.com

نہ یہ ایک روایت ہے اور نہ حجاج اپنے شیخِ روایت کے دوسرے شاگردوں سے ٹکرا رہا ہے۔ یہ حدیثیں دو ہیں اور مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "لسان المیزان" میں حافظ ذہبیؒ کی مذکورہ جرح بالکل قبول نہیں کی اور اسے نقل کر کے اس کا رد فرمایا ہے۔ حضرت امام احمدؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ جیسے ائمۂ جرح و تعدیل جس کے ثقہ ہونے پر نص فرما رہے ہوں، اس کی روایت کیسے نشانۂ ضعف بن سکتی ہے۔ فتفکروا یا اولی الابصار!

الغرض حجاجِ اسود نہایت ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور ائمۂ کبار نے اس کے ثقہ ہونے پر نص فرمائی ہے۔ حافظ ذہبیؒ کا منشائے اعتراض یہ تھا کہ دونوں روایتیں ایک ہوں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ دونوں حدیثیں جدا جدا ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں صحیح ہیں۔ رجال دونوں کے ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔ حدیثِ صلوٰۃِ موسیٰ فی القبر کو محدثین نے اس حدیث "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون" کا شاہد اور مؤید قرار دیا ہے۔ پس دونوں کو ایک حدیث کیسے سمجھا جا سکتا ہے! شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں:۔

وشاھد ھذا الحدیث ما ثبت فی صحیح مسلم من روایۃ حماد بن سلمہ۔ (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹)

صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ سے جو روایت منقول ہے، وہ اس حدیث (الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون) کی شاہد ہے۔

ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!

المبحث الثانی

حضرت ثابت بنانیؒ سے یہ حدیثِ حیاتِ انبیاء صرف حجاجِ اسود روایت کر رہے ہیں۔ راوی ثقہ ہونے کے باعث یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس

Marfat.com

کی سند بالکل بے غبار ہے، تاہم تائید مزید ملاحظہ کیجیے:۔

حضرت ثابت بنانی رضؓ یہ دعا کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ اَعْطَیْتَ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَنْ یُّصَلِّیَ لَکَ فِیْ قَبْرِہٖ فَاَعْطِنِیْ ذٰلِکَ۔

اے اللہ! اگر تو نے (انبیاؑ کے سوا) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا ہے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لیے نماز پڑھے تو وہ مرتبہ مجھے عطا فرما!

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد ۲ ص ۲۱۹ مصر)

دوسری سند میں یوسف بن عطیہؒ متابعت کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

سمعت ثابتًا یقول لحمید الطویل ھل بلغک یا ابا عبید ان احدًا یصلی فی قبرہ الا الانبیاء قال لا" قال ثابت "اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ اَذِنْتَ لِاَحَدٍ اَنْ یُّصَلِّیَ فِیْ قَبْرِہٖ فَاَذِنِ الثَّابِتَ اَنْ یُّصَلِّیَ فِیْ قَبْرِہٖ۔

(حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۲۱۹ مطبوعہ مصر)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاے کرامؑ کے اپنی اپنی قبورِ شریفہ میں نماز پڑھنے کا مضمون حضرت ثابت بنانی رضؓ کے نزدیک یقینی طور پر ثابت تھا، تبھی تو وہ اپنے لیے بھی اس کی دعائیں کر رہے تھے، پھر ان کا ابو عبیدہ رضؓ سے یہ کہنا کہ کیا تمھیں کوئی روایت پہنچی ہے کہ انبیاے کرامؑ کے سوا کچھ اور لوگ بھی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھیں گے اور انبیاے کرامؑ سے متعلق اس دعوے پر ابو عبیدہ رضؓ کا نکیر نہ کرنا اس حقیقتِ حال کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضؓ کو بھی یہ مضمونِ حدیث پہنچ چکا تھا کہ انبیاے کرامؑ اپنی اپنی قبورِ شریفہ میں نمازیں پڑھتے ہیں، ورنہ غیر انبیا کے اس مقام پر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

اب حجاج اسودؒ حضرت ثابت رضؓ سے یہ مضمون نقل کرنے میں متفرد نہ رہے اور اس کے ایک اور طریق کا پتہ چل گیا۔ اگرچہ اس میں ابو عبیدہ رضؓ عن ثابت رضؓ عن انس رضؓ

Marfat.com

کی تصریح نہیں؛ تاہم اس کا مجموعی مفاد اس روایت کی تائید ضرور کر رہا ہے اور حضرت ثابت رضؓ کے نزدیک تو اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا۔

حضرت جسرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانیؒ کو خود قبر میں اُتارا تھا۔ حمید طویل بھی اُس وقت میرے ساتھ تھے۔ جب ہم نے ان پر اینٹیں برابر کر دیں تو ایک اینٹ گر پڑی۔ ثابتؓ کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

(دالتفصیل فی تنویر الملک فی رویۃ النبیؐ والملک ص۳ مصر)

فلما سوینا علیه اللبن سقطت لبنة فاذا انا به یصلی فی قبره فقلت للذی معی الا تری قال اسکت فلما سوینا علیه وفرغنا اتینا ابنته فقلنا لها ما کان عمل ابیك ثابتؓ ..... قال فی دعائه اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ اَعْطَيْتَ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ الصَّلٰوةَ فِی الْقَبْرِ فَاَعْطِنِيْهَا۔ (حلیة الاولیاء لابی نعیم جلد۲ ص۳۱۹ مصر)

وقال ابن سعد فی الطبقات وابن ابی شیبة فی المصنف و الامام احمد فی الزهد اخبرنا عفان بن مسلم قال حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت البنانی هکذا ؛ والله اعلم بالصواب!

المبحث الثالث

کن کن اکابر محدثینؒ اور اعیانِ اُمّت نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر نص فرمائی ہے اور اسے تسلیم کیا ہے :-

(۱) حافظ بیہقیؒ۔ (۲) حافظ ہیثمیؒ۔ (۳) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔
(۴) علامہ عزیزیؒ شارح جامع صغیر۔ (۵) امام حدیث و فقہ ملّا علی قاریؒ۔
(۶) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ (۷) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندیؒ۔

Marfat.com

(۸) حضرت امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ۔ (۹) امام سیوطیؒ۔ (۱۰) قاضی شوکانیؒ۔
(۱۱) رئیس المحدّثین حضرت امام مولانا انور شاہؒ۔ (۱۲) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔
(۱۳) حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۴) حضرت علامہ شعرانیؒ
وغیرہم من الاکابر والاعیان۔ رحمہم اللہ۔

حوالجات از بعض عبارات

۱۔ ھو حدیث صحیح (عزیزی شرح جامع صغیر جلد ۲ صـ ۱۳۴ مصر)۔

۲۔ خاتمۃ الحفّاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ:۔

اخرجه من طريق يحيى بن ابى بكر وهو من رجال الصحيح عن المستلم بن سعيد وقد وثقه احمد وابن حبّان عن الحجاج الاسود وهو ابن ابى زياد البصرى وقد وثقه احمدؒ وابن معينؒ عن ثابتؓ عن انسؓ واخرجه ايضًا ابو يعلىؒ فى مسنده من هذا الوجه واخرجه البزّار لكن وقع عنده عن الحجاج الصواف وهو وهم والصواب الحجاج الاسود كما وقع التصريح فى رواية البيهقىؒ وصححه البيهقىؒ۔

(فتح الباری پ ۱۳ صـ ۲۷۸ کتاب الانبیاء)

یہ حدیث یحییٰ بن ابی بکر کے طریق سے مروی ہے اور وہ صحیحین کے راویوں میں سے ہے اُس نے مستلم بن سعید سے روایت کی ہے جسے کہ امام احمدؒ اور ابن حبّانؒ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اُس نے یہ روایت حضرت ثابتؓ سے لی ہے اور اُنھوں نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰؒ نے بھی اپنی مسند میں اسے اسی طریق سے روایت کیا ہے۔ بزّار کی تخریج میں وہم سے حجاج صوّاف آگیا ہے۔ صحیح حجاج اسودؓ ہی ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے تصریح کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔

Marfat.com

۳۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس حدیث کی تصحیح اسی طرح فرمائی ہے اور تمام مرکزی راویوں کی توثیق کرتے ہوئے اس حدیث سے احتجاج فرمایا ہے اور حافظ عسقلانیؒ کی تائید کی ہے۔ (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹)

۴۔ امام ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری :۔

صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورہم (مرقاۃ جلد ۲ ص ۲۱۲ مصر)۔

انبیائے کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ :۔

ابویعلیؒ بنقل ثقات از روایت انسؓ بن مالک آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲ ص ۵۱۹ عمدۃ المطابع ۱۲۷۰ھ۔ جذب القلوب ص ۱۸۱)۔

۶۔ حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانیؒ :۔

برزخ صغری چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال ایں موطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد "الانبیاء یصلون فی القبور" شنیدہ باشند (مکتوبات دفتر ۲، ۱۶ ص ۲۶)

برزخ صغری ایک جہت سے موطنِ دنیوی[1] بھی کہلا سکتا ہے اور اس اعتبار سے اس برزخی حالت میں بھی ترقی کی گنجائش ہے۔ اس موطن کے حالات مختلف لوگوں کے حالات کے مناسب مختلف ہوتے ہیں۔ "انبیاء اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں" یہ حدیث آپ نے سنی ہی ہوگی (یعنی برزخی زندگی کے ان افعال میں بھی ترقی کی گنجائش ہے اور اس ایک جہت سے اسے موطن دنیوی بھی سمجھا

[1] جو لوگ برزخی اور دنیاوی معاملات کو کسی جہت سے بھی جمع ہونا محال سمجھتے ہیں۔ حضرت مجددؒ کا یہ ارشاد ان کی نظر و فکر پر ایک تازیانۂ عبرت ہے۔

Marfat.com

جاسکتا ہے۔

۷۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (فیوض الحرمین ص۲۸ مطبوعہ دیوبند)

۸۔ قاضی شوکانیؒ :۔

قد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری۔ (نیل الاوطار جلد ۳ ص۲۱۱)

حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

۹۔ امام سیوطیؒ نے اس کے تواتر کا دعوٰے کیا ہے۔ یہ تواتر غالباً تواتر قدر مشترک کے درجے میں ہے۔ لکھتے ہیں :۔

تواترت بھا الاخبار (مرقاۃ الصعود) حیاۃ النبی ص فی قبرہ وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علمًا قطعیًا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذالک وتواترت بہ الاخبار۔

حیات النبیؐ کے ثبوت میں متواتر روایات موجود ہیں۔ حضورؐ اور باقی سب انبیاءؑ کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ہمارے نزدیک قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے، اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث تواتر کے درجہ پر پہنچ چکی ہیں۔

(فتاوٰی حافظ سیوطیؒ جلد ۲ ص۱۴۷ مصر)

۱۰۔ ان من جملۃ ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ الانبیاء فی قبورھم۔

(النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کما فی شرح العلامۃ البوسنوی ص۳ مصر)۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔

Marfat.com

اِس حدیث کی صحّت پر اکابرِ دیوبند کا فیصلہ

۱۔ رئیس المحدّثین حضرتِ علّامہ انور شاہؒ :۔

فی البیہقیؒ عن انسؓ وصححہ ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ (فیض الباری جلد ۲ صـ۶۴ مصر)

۲۔ حکیم الامّت حضرت تھانویؒ :۔

حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسُول اللہؐ نے فرمایا کہ انبیا علیہمُ السّلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (نشر الطیب صـ۱۸۳ مطبوع دیوبند)۔

المبحث الرّابع

الکلام علیٰ معنی الحدیث

اِس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ اِس کا منشا انبیاءؑ کی کیا صرف حیاتِ طبعی کا بیان ہے یا جس قسم کی حیات انبیائے کرامؑ کے لیے ثابت کی جا رہی ہے، وُہ اس حیاتِ طبعی پر ایک امرِ زائد ہے، تو اس کے لیے اِس حقیقت کو پیشِ نظر رکھیے :۔

عام طور پر رُوح اور جسم کے تعلّق یا رُوح کے بدن میں ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات کا صرف طبعی مفہوم ہے۔ اِس حیاتِ طبعی کی پھر دو حالتیں ہیں؛ ایک یہ کہ یہ حیات اِن تمام کاموں سے جو مقصدِ حیات ہیں، خالی اور بے کار ہو اور دُوسرے یہ کہ یہ حیات بے کار نہ ہو اور ان جیسے کاموں سے جو مقصدِ حیات ہیں، اس کا تعطّل نہ ہو۔

اوّل الذّکر حیاتِ طبعی تو ہے لیکن حقیقۃً یہ بھی موت ہے یا ایک ایسی زندگی

Marfat.com

ہے کہ اس میں اور موت میں کوئی فرق نہیں۔ قرآنِ عزیز ان لوگوں کو، جن کی حیات طبعی تو تھی، لیکن ان کا دامنِ حیات مقصدِ حیات سے بالکل خالی تھا، قلوب اُن کے مُردہ تھے اور دل کے کان بہرے ہو چکے تھے، صریح الفاظ میں مُردے قرار دیتا ہے:-

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ ۔ (پ ۲۰ نمل ع ۲ ردع)

بے شک آپ ان مُردوں کو نہیں سُنا سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں!

پھر یہی نہیں کہ انھیں "مُردے" فرمایا، بلکہ ان کے لیے مُردوں کے لوازمات بھی ذکر کر دیے:-

وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ ۔ (پ ۲۲ فاطر)

اور آپ ان کو نہیں سُنا سکتے، جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ طبعی طور پر تو زندہ اور موجود تھے، لیکن حکمی طور پر مُردہ —— بظاہر حیات تھی، لیکن حقیقۃً موت سے

کریں گے مر کے بقائے دوام کیا حاصل
جو زندہ رہ کے مقامِ حیات پا نہ سکے!

قرآنِ عزیز احکامِ طبعی کو اپنا موضوع قرار نہیں دیتا، بلکہ حقائق کا ادراک کرتا ہے۔ اس کی نظر میں اندھاپن ظاہری آنکھوں سے محرومی نہیں، باطن کی سیاہی اور دل کی آنکھوں پر پردے کا نام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:-

لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۔ (پ ۱۷ حج)

یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ حقیقت میں اندھے دل ہوتے ہیں جو سینوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور اسی وجہ سے فرمایا:-

Marfat.com

مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (پ ۱۵) جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا سو وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔

اِن حقائق سے واضح ہے کہ رُوح و جسم کا تعلق یا رُوح کا بدن میں ہونا ایک حیات طبعی ہے۔ جب تک اس کا اشتغال ان کاموں میں نہ ہو، جو مقصدِ حیات اور رازِ تخلیق کائنات ہیں، اسے حقیقی حیات نہیں کہا جا سکتا۔ اربابِ خبرت اس طبعی زندگی کی اوّل الذکر کیفیت کو موت ہی قرار دیتے ہیں، اور صرف ثانی الذکر زندگی ہی کو حیات کہتے ہیں۔

یہاں تین کیفیتیں اور اُن کے اَحکام پیشِ نظر رکھیے :۔

۱۔ رُوح اور جسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے عامۃ النّاس اور اربابِ خبرت دونوں موت قرار دیتے ہیں۔ یہ حیات کسی معنی میں نہیں۔

۲۔ رُوح اور جسم کا تعلق تو ہو، لیکن دامنِ حیات مقصدِ حیات سے خالی ہو، اسے عوام حیات اور ارباب خبرت موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳۔ رُوح اور جسم کا تعلق بھی ہو اور زندگی بھی مقصدِ حیات سے خالی نہ ہو، اربابِ خبرت اسے ہی حیات قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں زندگی یہی ہے۔

آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب ارشاد فرمایا کہ "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون" (انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں)، تو آپؐ کا منشا صرف حیاتِ طبعی کا بیان نہیں، بلکہ اس حیات کی کیفیّت کا اظہار تھا۔ اگر حیاتِ انبیاء کا یہی مفہوم ہو کہ انھیں قبورِ شریفہ یا ریاض منوّرہ میں ایسی زندگی حاصل ہے، جس میں محض رُوح و بدن کا تعلق قائم ہے، تو یہ کوئی خاص مقام نہیں۔ اس لیے کہ قرآنِ عزیز تعطّل عن الافعال کی حیاتِ طبعی کو بے کار ہونے کی وجہ سے موت کے برابر قرار دیتا ہے۔ پس حدیثِ شریف کا منشا اسی قسم کی حیاتِ طبعی نہیں، بلکہ ایسی حقیقی حیات

Marfat.com

ہے، جس میں محض رُوح و بدن ہی کا تعلق نہیں، بلکہ اعمال سے بھی ہرگز تعطل نہیں او[ر] یہی حقیقت میں قرآن کا مفہومِ حیات ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا تین صُورتوں میں سے دُوسری قسم کی حیات نہیں، بلکہ تیس[ری] قسم کی حقیقی حیات ہے، اور اسے ہی اربابِ دانش حقیقتِ حیات قرار دیتے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہی ارشاد فرماتے کہ "الانبیاء احیاء فی قبورھم" تو یوں متبادر ہوسکتا تھا کہ روضۂ شریفہ میں آپ صرف رُوح و بدن کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور آپؐ کی حیاتِ جسمانی فقط اس تعلّق کا نام ہے، لیکن حضورؐ نے لفظ "یصلون" ارشاد فرما کر "احیاءٌ" کی کیفیتِ حیات پر بھی تنبیہ کر دیا، یعنی آپ جسدِ عنصری سے اس طرح فائز الحیات ہیں کہ زندوں جیسے کاموں سے ہرگز تعطل نہیں ہوا اور آپ بدستور اعمالِ طیبات میں مشغول ہیں۔ نہ دُنیا میں ان کے اشغالِ طیبہ میں تعطّل ہوا، نہ قبورِ شریفہ میں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ انبیاءے کرامؑ کی اس حیاتِ قبریّہ کے دو جزو ہیں :۔

١- وہاں کی حیات محض رُوحانی نہیں کہ صرف ارواح زندہ ہوں، بلکہ یہ زندگی جسم و رُوح کے مجموعہ کی ہے۔

٢- یہ حیات صرف حیاتِ طبعی کی حُدود تک نہیں، بلکہ اِن اشخاصِ کریمہ کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال بھی موجود ہے۔

رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے اِن دونوں جزوں کو خوب بیان فرمایا ہے۔ جزوِ اوّل کے متعلق لکھتے ہیں :۔

یرید بقولہ "الانبیاء احیاء" مجموع الاشخاص لا الارواح فقط (تحیۃ الاسلام ص۳۶)

آں حضرتؐ کی مراد اس حدیث سے، کہ "انبیاءے کرامؑ زندہ ہوتے ہیں" یہی تھی کہ مجموعہ اشخاص فائز الحیات ہیں، نہ کہ فقط

Marfat.com

ان کی ارواح زندہ ہیں۔

اور دُوسرے جزو کے متعلّق لکھتے ہیں:۔

اراد بالحیٰوۃ فعل الاعمال واکثر من فی القبور فی العطلۃ بخلاف المقربین ومعانی الحیات فی النھایۃ وان المیّت لا فعل لہ فی خلق افعال العباد والاحادیث ارادت افعال الحیٰوۃ واعمالھا لا بقاء الروح وھو قولہ فنبیّ اللہ حی یرزق واحیاء فی قبورھم یصلون تسرد فی ذکر الحیٰوۃ افعالھا لا اصلھا او اراد مع الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض۔ (تحیۃ الاسلام فی حیات عیسٰی علیہ السلام مصنفہ مولیٰنا السید انور شاہؒ ص۳۶)

(خلاصہ) آں حضرتؐ کی مراد انبیاءؑ کے زندہ ہونے سے اعمال کی زندگی ہے اور اکثر لوگوں کی قبریں ایسے اعمال سے تعطّل میں ہیں۔ ان احادیث کا منشا اعمالِ حیات کا بیان ہے نہ کہ فقط رُوح کی زندگی۔ حضورؐ کا یہ ارشاد فنبی اللہ حیّ یرزق (اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی ملتا ہے) اور یہ ارشاد کہ انبیائے کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ یہ سب اصلِ حیات کے بیان میں نہیں، بلکہ (اس سے بھی زائد) اعمالِ حیات کے ثابت ہونے کے لیے ارشاد فرمائے گئے تھے یا یُوں کہہ لیجیے کہ اس زندگی سے مُراد حیاتِ جسدی کا بیان ہے، کیونکہ انبیاءؑ کے اجسادِ کریمہ مٹّی پر حرام کر دیے گئے ہیں لہٰذا وہ اعمال انھی اجسادِ کریمہ کے ساتھ وجود میں آ رہے ہیں"۔

شاہ صاحبؒ نے اس دُوسرے جُزو کو "درسِ بخاری" میں بھی تفصیلاً ارشاد فرمایا تھا، چُونکہ وہاں پہلے جزو کی اس طرح تفصیل نہیں، اس لیے عبارت سے ابتدائی سطح میں مغالطہ لگ سکتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ پہلا جُزو محققین سلف کے

نزدیک اتنا بدیہی تھا کہ اس کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت محسوس نہ فرماتے تھے۔ ان لوگوں کے علم وفہم پر حیرت ہوتی ہے، جو اس جزءِ اوّل کے عدمِ ذکر کو ذکرِ عدم بنا کر دوسرے جزء کا مفہوم ومطلب بھی اپنی تمدلیس کی نذر کر دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا ومن تحریف المبطلین۔

۱۔ مولانا السیّد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون انھم ابقوا علیٰ ھذہ الحالۃ ولم تسلب عنھم۔

(تحیۃ الاسلام ص۳۶)

اس حدیثِ حیاتِ انبیاءؑ کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرامؑ (بدن میں روح لوٹائے آنے کی) اسی حالت میں باقی رکھے گئے ہیں اور پھر روح ان سے جدا نہیں کی گئی۔

۲۔ قاضی شوکانیؒ شرحِ حصنِ حصین میں فرماتے ہیں:۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و روحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاءٌ فی قبورھم۔

(تحفۃ الذاکرین للشوکانی ص۲۸ مصر)

حضورِ اکرمؐ اپنی قبرِ شریف میں زندہ ہیں اور آپؐ کی روحِ اقدس آپؐ کے جسمِ اطہر سے کبھی جدا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حدیثِ صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاءؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں

البیان المسدد من حضرت المجددؒ

۳۔ حضرت امامِ ربانی مجددِ الفِ ثانیؒ نے اس حدیث کو اس سیاق وسباق کے ساتھ نقل فرمایا ہے:۔

"برزخِ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطنِ دنیوی است گنجائشِ ترقی دا

Marfat.com

واحوالِ ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاءُ یصلّون فی القبورِ شنیدہ باشند وحضرتِ پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام شب معراج چوں بر قبر حضرتِ کلیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز می گزارد۔

(مکتوبات جلد ۲ صفحہ ۲۹/۳ ع ۱۶ مطبوعہ لکھنؤ)

اِس کلامِ ہدایت نظام میں جہاں اِس طرف اشارہ ہے کہ حیاتِ برزخی کسی ایک جہت سے حیاتِ دُنیوی بھی ہے، وہاں اِس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ برزخِ صُغریٰ میں بھی ترقّیِ مقامات کی گنجائش ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس ترقّی سے کیا مُراد ہے؟ جواباً عرض ہے کہ اس سے مُراد "قربِ الٰہی" میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

اِس ارتقاء کا تحقّق کیسے ہوتا ہے اور اس ترقّی کی کیا صُورت ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے حضرت مجدّدِ الف ثانیؒ کے اُصُول وضوابط پیشِ نظر رہیں:۔

حضرت کے نزدیک "عالمِ خلق" "عالمِ امر" سے افضل ہے اور وُہ "قربِ عالمِ خلق" کو "قُربِ اصلی" اور "قربِ عالمِ امر" کو "قربِ ظلّی" قرار دیتے ہیں۔

پس ان کے کلام میں ترقّی کی صُورت اور ارتقاء کا انداز یہی ہے کہ یا "قربِ ظلّی" سے "قُربِ اصلی" میں انتقال ہو اور یا "قربِ اصلی" ہی میں قوّت وزیادت ہوتی چلی آئے۔

اِسلام میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اس کے کمالات ایمان کی طرح ذاتی کمالات ہیں۔ اِس عبادت کو اِسلام میں جو مرتبہ حاصل ہے۔ اِس کے پیشِ نظر اِس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ وُہ قُرب جو نماز میں تحقّق پذیر ہوگا۔ اِس قرب سے بہرحال اعلیٰ و افضل ہے، جو کسی اور حالت میں حاصل ہوگا۔ پس نماز کے ساتھ "قربِ الٰہی" میں بڑھتے چلے جانا "قُربِ اصلی" پر فائز المرام ہونا

Marfat.com

ہے۔ اسی لیے فرمایا :۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون ۔ انبیاے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں ۔

پس جب یہ نمازیں جو انبیاے کرامؑ اپنے اپنے روضات میں تلذّذاً عمل میں لا رہے ہیں، قربِ الٰہی میں سامانِ ارتقاء ہیں ؛ جیسا کہ حضرت مجدّد صاحبؒ نے تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت مسلّمہ ہے کہ قرب کے باب میں عالم خلق عالم امر سے افضل ہے، تو اس بنیادِ یقین سے چارہ نہیں کہ

انبیاے کرامؑ کا اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا جب قربِ الٰہی میں ترقی پانے کی گنجائش رکھتا ہے، تو ان کا یہ عمل ضرور عالمِ خلق ہی سے متعلق ہے ۔ اس لیے کہ حضرتِ مجدّدؒ قربِ عالمِ خلق ہی کو قربِ اصلی قرار دیتے ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ ان کے عملِ صلوٰۃ کا عالمِ خلق سے متعلق ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجسادِ کریمہ کے ساتھ فائز الحیات ہوں اور یہ ادائے نماز انھی اجسامِ عنصریہ سے عمل میں آ رہا ہو ۔ اگر یہ عملِ صلوٰۃ صرف روح ہی کا عمل ہو تو پھر یہ عالمِ امر سے متعلق ہوگا اور واضح ہے کہ حضرت مجدّدؒ کے کلام میں اسے قربِ اصلی کہنے کی کوئی گنجائش نہیں ۔

پس خلاصۂ کلام یہی ہے کہ حضرت مجدّدِ الف ثانیؒ کے نزدیک اس حدیثِ حیاتِ انبیاءؑ کا مفہوم و مطلب یہی ہے کہ انبیاے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں اجسادِ عنصریہ سے فائز الحیات ہیں ۔

۴۔ علّامہ سندھیؒ فرماتے ہیں :۔

الصلوٰۃ تستدعی جسداً حیًّا ۔ (حاشیہ سنن نسائیؒ)

۵۔ حضرت علّامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں :۔

Marfat.com

قد صحت الاحادیث انه صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامۃ۔

(منح المنۃ ص۹۲ مصر)

صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضورِ انورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

۶۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ:۔

ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیًا والانبیاء احیاء فی قبورھم۔

(فتح الباری ص۳۴ ج۶ مصر)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ اس زندگی پر موت پھر کبھی نہ آئے گی۔ آپؐ ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گے اور انبیائے کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہی ہوتے ہیں۔

المبحث الخامس

الکلام علیٰ عالم المثال

حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ فتوحاتِ مکیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کئی آدم گزرے ہیں اور اس پر انھوں نے عالم مثال کے کچھ مشاہدات ذکر کیے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب آدم عالم مثال کے ہیں، عالمِ شہادت میں صرف وہی ایک آدمؑ گزرے ہیں جنھوں نے صفتِ جامعیت پر خلقت پائی۔ ان کے آنے سے پہلے ان کے لطائف یا صفات میں سے کوئی صفت یا لطیفہ اللہ رب العزت کی ایجاد سے عالم مثال میں وجود پاتا رہا اور

Marfat.com

صُورتِ آدم میں اس کا ظہُور ہوتا رہا۔

(دیکھیے مکتوباتِ شریف دفتر ۲ ع ۵۸ ص ۱۱۳)

حضرت امام ربّانی شیخ سرہندیؒ کے اِس ارشاد سے بعض حضرات یہ مطلب نکال رہے ہیں کہ جس طرح ادوارِ مختلفہ عالمِ مِثال میں موجُود رہے، اسی طرح انبیائے کرامؑ وفات کے بعد عالمِ مِثال میں چلے جاتے ہیں اور ان کی ارواحِ قدسیّہ عالمِ مثال ہی میں مختلف اطوار میں ظہُور فرماتی ہیں۔ یہ انبیائے کرامؑ کا اپنی قبُور میں نمازیں پڑھنا سب مثالی وجود ہی سے عمل میں آتا ہے نہ کہ جسدِ عنصری سے نعیمِ قبر اور عذابِ قبر اسی عالمِ مثال میں ہوتے ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ پہلے حضرتِ مجدّدؒ کے کلام میں عالمِ مثال کا معنی سمجھ لیجیے۔ آپؒ کے ہاں عالمِ مثال ایک آئینہ کے درجہ میں ہے۔ جس میں حقائق و معانی منعکس ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی کوئی صُورت و ہیئت نہیں، جتنی صُورتیں اور شکلیں اِس میں نظر آتی ہیں، وُہ دُوسرے عوالم سے اِس آئینۂ مثال میں عکس سے رہی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عالمِ مثال کوئی رہنے کا محلّ نہیں، اسے عالمِ ارواح اور عالمِ اجساد کے درمیان فقط ایک برزخ کا درجہ حاصل ہے، جو فی حدِ ذاتہٖ کسی صُورت و شکل کو متضمّن نہیں۔

عالمِ مثال کی اِس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ رُوحِ آدمؑ خلقتِ آدمؑ سے پیشتر بھی ہرگز عالمِ مِثال میں اقامت گزیں نہ تھی۔ قرونِ متطاولۂ سابقہ میں فقط اس کے لطائف منعکس ہوکر آدمؑ کا نام پاتے رہے۔ رُوح بہرحال عالمِ اَرواح میں تھی نہ کہ عالمِ مِثال میں۔ اِس لیے کہ عالمِ مِثال رہنے کی جگہ نہیں فقط دیکھا جانے کا ایک آئینہ ہے، جس میں حقائق و معانی اُترتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ جس طرح ادوارِ مختلفہ عالمِ مثال میں موجُود رہے ہیں، اسی

Marfat.com

طرح انبیائے کرامؑ بعدِ وفات اس عالمِ مثال میں چلے جاتے ہیں، کس طرح بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ اعاذنا اللہ منہا!

ارشادِ حضرت مجدد الف ثانیؒ

نوشتہ بودند کہ روح پیش از تعلق بہ بدن در عالمِ مثال بودہ است و بعد از مفارقت از بدن باز بعالمِ مثال خواہد رفت، پس عذابِ قبر در عالمِ مثال خواہد بود..... بداند کہ ایں قسم خیالات از صدق قلیل النصیب است..... بعالمِ مثال کار ندارد نہ پیش از تعلق و نہ بعد از تعلق بیش ازیں نیست کہ در بعضے اوقات بتوفیقِ اللہ سبحانہٗ بعضے از احوالِ خود را در مرأۃ عالمِ مثال مطالعہ می نماید۔..... عالمِ مثال از جملے دیدن است نہ برائے بودن جائے بودن عالمِ ارواح است یا عالمِ اجساد، عالمِ مثال بیش از مرأۃ ایں دو عالم نیست.....

آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے عالمِ مثال میں رہی ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالمِ مثال میں چلی جاتی ہے۔ پس عذابِ قبر اس عالمِ مثال میں ہوتا ہے۔ جواباً آپ کو جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات انہی لوگوں کے ہیں، جنہیں صداقت بہت کم نصیب ہوئی ہے اور وہ اس باب میں قلیل النصیب ہیں۔ روح کا عالمِ مثال سے کوئی سروکار نہیں، نہ بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت کی قدرت سے روح کے بعض احوال اس عالم کے آئینے میں منعکس ہوتے ہوں لیکن عالمِ مثال روح کے رہنے کی جگہ نہیں وہ تو محض دیکھنے کا ایک

Marfat.com

عذابِ قبر ازیں قبیل نیست کہ حقیقتِ عقوبت است نہ صورت وشبہِ عقوبت"۔

(مکتوبات دفتر ۳، مکتوب ۳۱، صفحہ ۵۸ لکھنؤ)

پردہ ہیں جس پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں)۔ رہنے کی جگہ یا عالمِ ارواح ہے یا عالمِ اجساد۔ عالمِ مثال ان دونوں جہانوں کے آئینہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ عذابِ قبر اس مثالی صورت پر وارد نہیں ہوتا، کیونکہ عذابِ قبر خود ایک حقیقت ہے۔ کسی عذاب اور سزا کی محض کوئی تصویر نہیں"۔

اس مکتوب میں حضرت امامِ ربانیؒ نے جو تصریحات فرمائیں ان کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ معاملاتِ قبر اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں، فقط صورت و انعکاس نہیں۔

۲۔ وجود عالمِ مثال فقط شبح و صورت ہے، کسی شے کی حقیقت نہیں۔

۳۔ روح کا تعلق عالمِ مثال میں کبھی رہنے کا نہیں، نہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے نہ بعد ازاں۔

۴۔ مفارقتِ بدن کے بعد روح اور اطوارِ روح کو عالمِ مثال میں ٹھہرانا روح کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

اب غور فرمائیے کہ انبیائے کرامؑ کی ارواحِ قدسیہ ان کے برزخی احوال اور ان کے معاملاتِ قبر کو عالمِ مثال کے امور بتلانا اور پھر اسے فیصلہ کن ٹھہرانا کس قدر شانِ علم و دیانت ہے۔

Marfat.com

المبحث السادس

فی معنی القبر

قبر اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے فقط اس زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عالمِ برزخ کی منزل ہے، جس کا ایک پہلو یہ زمینی نشان ہے اور اس کی باقی حدود و اطراف کو اللہ ربّ العزت ہی جانتے ہیں۔

آپ کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ اگر معاملہ کرنا چاہیں، تو اسے تنگی کی آخری انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر وہ اتنا ہی فراخ رہے۔ اسی طرح کسی بندۂ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنا دی جائے، وہ رحیمِ مطلق جب چاہے تو اسے حدِ نظر سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے، اگرچہ بظاہر اس زمینی نظام میں کوئی خاص تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو۔ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ظاہری قبر عالمِ برزخ کا صرف ایک پہلو ہے، جس کی اگلی وسعت و فسحت کو اللہ ربّ العزت ہی جانتے ہیں یا وہ بندگانِ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ صوفیائے کرام کے ان ارشادات سے کہ "قبر حقیقت میں اس ظاہری زمین نشان کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک عالمِ برزخ کی منزل ہے" — اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ عالمِ برزخ اس ظاہری قبر سے ایک

Marfat.com

بالکل جُدا حقیقت ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ امرِ واقع یہ ہے کہ عالمِ برزخ کو اس ظاہری قبر سے کچھ نہ کچھ تعلّق ضرور ہوتا ہے؛ ہاں قبر اپنی وُسعت و فسحت کے اعتبار سے اس زمینی نشان تک محدُود نہیں، بلکہ یہ ایک برزخی[1] منزل ہے، جس کا ایک پہلُو یہ ظاہری قبر اور اُس کی باقی حُدُود اس پردے میں ہیں، جسے کہ برزخ کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ ظاہری قبر حقیقتِ قبر سے کُلّیتہً جُدا نہیں، بلکہ صرف بعض اعتبارات سے مُختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برزخی مشاہدات میں بھی اس ظاہری نشان پر قبر کا اطلاق بکثرت وارد ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالمِ برزخ کا ایک پہلُو یقیناً یہ ظاہری قبر ہے، اسے حقیقتِ قبر سے کنایہ قرار دینا تو خیر سمجھ میں آتا تھا، لیکن مجازی[2] کہے چلے جانا بالکل خلافِ واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

آں حضرت، صلّی اللہ علیہ وسلّم، ایک قبرستان سے گزرے۔ آپؐ نے دو شخصوں کو عذاب ہوتے ہُوئے دیکھا؛ ایک ان میں سے پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچتا تھا اور دُوسرا چُغلی کھانے کا عادی تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کو عالمِ برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اب اس کا ان ظاہری قبروں سے انکشاف اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ حقیقتِ قبر اس ظاہری زمینی نشان سے کلیتہً علیٰحدہ نہیں، بلکہ یہ علیٰحدگی صرف وُسعت و فسحت وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔ (وراجع لہ البخاری جلد ۱ ص۱۸۴)

اسی طرح آں حضرتؐ کا اُس عورت کے متعلّق جو مسجد میں جھاڑُو دیا

---

[1] ان القبر اول منازل الآخرۃ (مستدرک جلد ۱ ص۳۷۱) واحوال البرزخ اشبہ باحوال الآخرۃ (فتح الباری پ۱۳ ص۲۷۹)۔ [2] عن ابن فورک انہ صلّی اللہ علیہ حی فی قبرہ رسولاً الی الابد حقیقۃً لا مجازاً قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی (الروضۃ البھیۃ فیما بین الاشاعرۃ والماتریدیہ ص۱۴ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

Marfat.com

کرتی تھی، یہ فرمانا:۔

دُلُّوْنِیْ عَلٰی قَبْرِهَا۔ مجھے اُس کی قبر کا پتہ بتاؤ

(بخاری جلد ۱ ص ۱۲۵)

یقیناً اسی ظاہری زمینی نشان ہی سے متعلق تھا اور پھر آپؐ کا یہ اعلان:۔

اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰی اَهْلِهَا وَاِنَّ اللّٰهَ یُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِیْ۔ (مسلم)

بے شک یہ قبور اپنے مدفونین کے لیے تاریکی سے اٹی پڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ میرے نماز جنازہ پڑھنے سے انھیں نورانی بنا دیتے ہیں۔

یہ ارشاد بھی بتا رہا ہے کہ ظلمت و نور کا محل یقیناً وہی ظاہری قبور ہیں، جو هٰذِهٖ کا مشار الیہ ہیں۔ ہاں اس کے باقی برزخی پہلو اور وسعت و فسحت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، وہ اس ظاہری نشانات کی ظاہری حدود میں منحصر نہیں۔

آں حضرتؐ نے موسیٰ علیہ السلام، کو ان کی جس برزخی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اُس کا انکشاف اس ظاہری قبر سے ہی ہوا تھا، جو سرخ ٹیلے کے پاس تھی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق نہیں، کس قدر مقام افسوس اور محل حیرت در حیرت ہے۔

آں حضرتؐ نے اس حدیث حیاتِ انبیاؑ میں صرف یہ نہ فرمایا "اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ" (انبیاؑ زندہ ہوتے ہیں)، بلکہ اس کے ساتھ "فِیْ قُبُوْرِهِمْ" (اپنی اپنی قبروں میں) کی وضاحت بھی فرمائی۔ تاکہ کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیاے کرامؑ کی برزخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے۔ "فِیْ قُبُوْرِهِمْ" کے الفاظ سے اس پر متنبہ فرما دیا کہ یہاں محل حیات وہی ہے، جسے قبروں میں رکھا جاتا ہے۔

Marfat.com

یہ تو ظاہر ہے کہ انبیاے کرامؑ کے اجسامِ عنصریہ ہی بعد الوفات قبور میں اُتارے جاتے ہیں، پس ان کی حیات کا بیان ان قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیاے کرامؑ کی برزخی حیات صرف رُوحانی نہیں، بلکہ عنصری اور جسمانی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آں حضرتؐ نے حیاتِ انبیاؑ کی وضاحت فی قبورھم کے الفاظ سے کی، بلکہ آپؐ نے یصلّون (کہ وہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں) کی تصریح فرما کر حیاتِ جسمانی کو اور روشن کر دیا۔ اس لیے کہ نماز کسی وجُودِ جسدی کو چاہتی ہے۔

الصلوٰۃ تستدعی جسدًا حیًّا (حاشیہ نسائی)

اَفصحُ العَرَبِ والعجم صاحبِ جوامع الکلم نے کس جامع اور بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا تھا:-

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ـــــ انبیاے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

۱۔ اَحْیَاءٌ میں حیات کا بیان جُملہ اسمیہ کے استمرار کے ساتھ تھا۔

۲۔ فِی قُبُوْرِھِمْ میں حیات کے عنصری جسمانی ہونے کی وضاحت ہوئی۔

۳۔ یُصَلُّوْن میں حیاتِ حقیقی کا، جس میں اعمالِ طیبہ سے تعطّل نہ ہو، بیان ہُوا۔

پس بفحواے حدیثِ شریف آں حضرتؐ اپنے روضۂ شریفہ میں (تاثیرِ رُوح یا دُخُولِ رُوح سے) اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ فائز الحیات ہیں اور بدستُور اشغالِ طیّبہ میں استغراق ہے۔ یہ عمل تلذذًا ہے نہ کہ وجُوبًا:-

تلذذًا لانّ التکلیف انقطع بالموت (عزیزی ص ۱۳۴) یہ عبادت تلذذًا ہے، کیونکہ مُکلّف ہونا وُرودِ موت کے بعد ختم ہو چکا ہے۔

Marfat.com

الفصل الرّابع

وفیہ ثلثۃ من المباحث

ارشادِ نبوّت

عن ابی ھریرۃؓ عن النّبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیًا ابلغتُہ۔

مشکوٰۃ شریف ص۸۷ ابوالشیخ اصبہانی (مرقات جلد۲ ص۱۰) ابن حبان (مرقات) - ابن ابی شیبۃ (شفا بشرح العلی القاری جلد۲ ص۱۴۲ مصر)۔ بیہقی (حیات الانبیاء ص۱۲ مصر) - القول البدیع للمحدث السخاوی ص۱۱۶ ۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا، جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود پڑھے، وہ مجھے فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں آں حضرتؐ کے اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہونے پر واضح دلالت موجود ہے اور یہ کہ آپؐ اس صلوٰۃ و سلام کو جو روضہ پر حاضر ہوکر عرض کیا جائے، خود بغیر کسی واسطہ کے سنتے ہیں، لیکن جو دور سے پڑھا جائے، وہ فرشتوں کے توسّط سے پیش کیا جاتا ہے۔

المبحث الاوّل

کن کن ائمہ کبار اور ائمہ فن نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کن کن اعیان

Marfat.com

اُمّت نے اس کے مضمون کو صحیح تسلیم فرمایا ہے۔

(۱) خاتمۃ الحفّاظ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ۔ (۲) حافظ سخاویؒ۔ (۳) شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہؒ۔ (۴) امام مُلّا علی قاریؒ۔ (۵) قاضی ثناء اللہ صاحب محدّث پانی پتیؒ (۶) علامہ طحطاویؒ (۷) نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ (۸) شیخ الاسلام علّامہ شبیّر احمد عثمانیؒ (۹) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (۱۰) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوریؒ (۱۱) حکیم الامّۃ حضرت تھانویؒ

حوالجات از بعض اشارات

۱۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ :۔

اخرج ابوالشیخ فی کتابِ الثواب بسند جیّد بلفظ من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیاً بلّغتہ۔

(فتح الباری پ۱۴ ص۲۷۹)

ابوالشّیخ اصبہانیؒ عمدہ سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جو میری قبر کے پاس درُود پڑھے، اسے میں خُود سُنتا ہُوں اور جو دُور سے پڑھا جائے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

۲۔ محدّث سخاویؒ :۔

من صلی علیّ من بعید اعلمتہ رواہ ابوالشّیخ وسندہ جیّد۔

——— اس حدیث کی سند جیّد ہے۔ (القول البدیع ص۱۱۶)

۳۔ حافظ ابنِ تیمیہؒ :۔

فاخبر صلی اللہ علیہ وسلم انہ یسمع الصلوٰۃ من القریب ویبلغ ذٰلک من

آں حضرتؐ نے فرمایا ہے کہ وہ قریب سے پڑھے جانے والے درُود کو خُود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا ہُوا پہنچایا جاتا

Marfat.com

البعید۔ (رسائل ابن تیمیہ صفحہ ۱۶، ۳۹۱) ہے۔

۴۔ امام ملّا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری :-

ورواہ ابو الشیخ وابن حبّان فی کتاب ثواب الاعمال[1] بسند جیّد۔ (مرقات جلد۲ صفحہ۱)

ابوالشیخ اصبہانیؒ اور ابن حبّانؒ دونوں نے اس حدیث کو سندِ جیّد سے نقل فرمایا ہے۔

۵۔ محدّث قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ :-

انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من صلی علي عند قبری سمعتہ ومن صلی علي غائبًا بلغتہ (مظہری جلد۱ صفحہ۲۲۴)۔

حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر درود میری قبر کے پاس پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور دور کا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

۶۔ علامہ طحطاویؒ :-

(فانہ یسمعہا) ای اذا کانت بالقرب منہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (وتبلغ الیہ) ای یبلغھا الملك الیہ اذا کان المصلی بعیدًا۔ (طحطاوی صفحہ۴۰۵ مصر)

جب درود پڑھنے والا آپؐ کے قریب ہو، تو آپؐ خود سنتے ہیں اور جب وہ دور ہو تو پھر اس کا درود فرشتوں کی وساطت سے آپؐ تک پہنچایا جاتا ہے۔

۷۔ نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ :-

اسنادہ جیّد (الدلیل المطالب صفحہ۸۴۴) اس حدیث کا سلسلۂ اسناد جیّد اور عمدہ ہے۔

---

[1] کتاب کا اصل نام ثواب الاعمال ہے۔ کہیں کہیں اس کا نام اختصارًا کتاب الثواب بھی ملتا ہے۔ حدیث زیرِ بحث باب الصلوٰۃ میں ہے۔ اس لیے جہاں اس کا حوالہ کتاب الصلوٰۃ کے نام سے ہو وہاں اسے اسی کتاب کا متعلقہ باب سمجھنا چاہیے۔

Marfat.com

۸ - شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح :-

اخرجه ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا بلغته۔ (فتح الملهم جلد ۱ ص ۳۳)

عمدہ سند سے یہ حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا، جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھے، اُسے میں خود سُنتا ہوں اور جو دُور سے پڑھے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

۹ - قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح :-

قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں، تم میرے واسطے دُعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے - اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتیٰ اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔[1]

(فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۹۹ ص ۱۰۰)

۱۰ - حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رح :-

فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں، لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۳۶)

۱۱ - حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح :-

خود حضور کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے،

لہ وراجع له فتح القدير جلد ۲ من اواخر كتاب الحج ص ۳۳۶ مصر وكذالك في نور الايضاح و مراقي الفلاح وشرح للطحطاوی۔

Marfat.com

اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچائی جاتی ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے، جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کا ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملئکہ زمین میں سیاحت کرنے والے مقرر ہیں کہ میری اُمت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

(نشر الطیب ص۱۴۱)

احمد عشر کوکبؔا

المبحث الثانی

امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو "شعب الایمان" اور "حیات الانبیاء" دونوں میں روایت کیا ہے۔ "شعب الایمان" تو اس وقت ہمیں میسر نہیں آسکی، اس لیے اس کی سند کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا؛ البتہ "حیات الانبیاء ص۱۲ مصر" میں امام بیہقیؒ کا سلسلۂ اسناد یہ ہے:۔

اخبرنا علی بن محمد بن بشران انباء ابو جعفر الرازی حدثنا عیسی بن عبداللہ الطیالسی حدثنا العلاء بن عمرو الحنفی حدثنا ابو عبدالرحمن عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سند میں ابو عبدالرحمٰن راوی کون ہے؟ اس کا نام اور ولدیت یہاں مذکور نہیں۔ امام بیہقیؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ محمد بن مروان سدی صغیر ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے میزان میں سدی کے ترجمہ میں حدیث مذکورہ نقل کرنے میں بیہقیؒ کی متابعت کی ہے۔ ہمیں اختصارِ وقت نے موقع نہیں دیا کہ امام بیہقیؒ کی اس رائے کی تحقیق کر سکیں کہ آیا یہ وہی راوی ہے یا کوئی اور؟

Marfat.com

لطیفہ

ایک جگہ ایک مدعیِ علم کے پاس میں نے اسی خیال کا اظہار کیا وہ جھنجھلا کر کہنے لگے کہ کیا آپ کو امام بیہقیؒ کی مذکورہ رائے سے اتفاق نہیں، آپ اپنے کو ان سے زیادہ علل رجال کا ماہر سمجھتے ہیں؟

میں نے گزارش کی کہ جناب کی اپنے متعلق کیا رائے ہے۔ کیا آپ اپنے کو امام بیہقیؒ سے زیادہ بالغ نظر سمجھتے ہیں؟ فرمانے لگے نہیں! اس پر میں نے عرض کیا کہ امام بیہقیؒ تو اسے سدی صغیر معین کرنے اور متکلم فیہ قرار دینے کے باوجود بالکل ساقط الاعتبار نہیں کہتے، بلکہ پہلی روایات کو اس کی تاکید قرار دے کر اس حدیث کو قبول کر رہے ہیں۔ اس پر وہ صاحب پھر جھلا اٹھے کہ کہاں! میں نے کہا دیکھیے

ابو عبد الرحمٰن ھٰذا ھو	میری رائے یہی ہے کہ ابو عبد الرحمٰن سے مراد
محمد ابن مروان السدی فیما	محمد بن مروان ہی ہے اور اس میں کلام ہے
اری وفیہ نظر وقد مضیٰ	ہاں پہلی روایات اس روایت کی تاکید
ما یوکدہ (ص ۱۲ مصر)	ضرور کر رہی ہیں۔

پھر کیا تھا! لگے امام بیہقیؒ کی شان میں گل کھلانے! میں نے کہا وجہ بتائیے کہ جب مجھے امام بیہقیؒ سے اختلاف ہوتا تو وہ ایک ماہر فن اور علل رجال کے ماہر ہیں اور جب آپ کو ان سے اختلاف ہو، پھر وہ بالغ النظر اور ماہر فن نہیں رہتے، آخر اس کا سبب کیا ہے؟ اب لگے دائیں بائیں دیکھنے۔

ہاں پیش نظر رہے کہ اس حدیث کا دار و مدار صرف اسی سلسلۂ اسناد پر نہیں، جس میں کہ یہ ابو عبد الرحمٰن وارد ہے، بلکہ اس کے علاوہ اور سلسلۂ اسناد بھی موجود ہے، جس میں نہ ابو عبد الرحمٰن ہے اور نہ محمد بن مروان سدی صغیر اور حافظ ابن حجرؒ جیسے ارباب براعت اس اسناد کی صحت پر بھی حکم لگا چکے ہیں۔

Marfat.com

کیفیت

کیفیت کی وجہِ تسمیہ پہلے گزر چکی - ایک اور مثال ملاحظہ ہو - ایک دفعہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری، شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ نے ایک علم دوست بزرگ سے فرمایا کہ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کی تصحیح خود امام بیہقیؒ نے فرمائی ہے - وہ جھنجلا کر کہنے لگے کہ چونکہ امام اعظمؒ سماعِ موتیٰ کے قائل نہیں اور امام بیہقیؒ حضرت امام اعظمؒ کے مخالف ہیں - اس لیے انھوں نے اس حدیث کی تصحیح کر دی ہے - تاکہ امام صاحبؒ کی مخالفت ہو - (استغفراللہ! ثم استغفراللہ!)

مولانا رائے پوری دام برکاتہم نے یہ واقعہ خود میرے سامنے بیان فرمایا - میں نے کہا یہ ہو سکتا ہے کہ جہاں محدثین میں خود اختلاف ہو، وہاں کوئی محدث اپنے فقہی مسلک کی تائید میں کسی ایک موقف کو ترجیح دے دیں، لیکن یہ تو محدثین کی شانِ دیانت کے خلاف ہے، جو کچھ ان کے ذمہ لگایا جا رہا ہے -

اس کیفیے سے آپ اس طبقے کے ذہن کا پتہ چلائیں، جو محض مسلکی حمایت میں محدثین کی دیانت سے کھیل رہا ہے - اعاذنا اللہ منہا!

دوسری سند

اس حدیث کا دوسرا سلسلۂ اسناد جس کے راوی پر جرح نہیں -

ابوالشیخ اصبہانیؒ نے اس حدیث کو جس سند سے پیش کیا ہے، اسے حافظ ابن القیمؒ نقل فرماتے ہیں :-

Marfat.com

قال ابو الشیخ فی کتاب الصلوٰۃ حدثنا عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا الحسین بن الصباح حدثنا ابو معاویۃ حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید اُعلِمتُہ (جلاء الافہام صـ ۲۵)

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ، حافظ سخاویؒ اور ملّا علی قاریؒ جیسے اعیان و اکابر اِس سند کے جیّد ہونے پر نص فرما چکے ہیں۔ ان کی توثیق کے بعد سارے راویوں کے علیحدہ علیحدہ حالات اور تراجم پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

اعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبیؐ کا سلسلہ تو دونوں سندوں میں مشترک ہے۔ یہاں اعمش سے لے کے ابو معاویہ روایت کر رہے ہیں اور وہاں اسے ابو عبد الرحمٰن نے روایت کیا تھا۔ یہ ابو معاویہ ثقہ راوی حدیث ہیں۔ ان کی موافقت سے ابو عبد الرحمٰن کی روایت اور بھی مصدّقہ ہو جاتی ہے۔

نوٹ ۱

اِس حدیث کی اکثر روایات میں اُبلغتُہ یا بلّغتُہ کے الفاظ ہیں۔ متنِ مشکوٰۃ اور اس کے حاشیہ پر اختلاف نسخہ کا اظہار بھی یہی ہے۔ یہ اعلِمتُہ کے الفاظ متن روایت میں غرابت پیدا کر رہے ہیں۔ لیکن معنی اور مفہوم چونکہ دونوں کا ایک ہے اس لیے یہ غرابت کوئی مضر نہیں۔

نوٹ ۲

سلسلۂ روایت حافظ ابو الشیخ اصبہانیؒ

۱۔ ابو الشیخ ——— ابو محمد عبد اللّٰہ بن محمّد بن جعفر بن حبان۔

فھو الحافظ الکبیر ...... ثقۃ وغالب ما یرد

Marfat.com

باب الالف والالوم

(لسان المیزان جلد ۶ ص۲۹۵)

۲- عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج :-

کنیت : ابو صالح   والد. ابو یحیی الزھری   وفات ، سنہ ۳۰۰ھ

ابو صالح عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج نے حسین بن صباح، سلمہ بن شبیب (متوفی ۲۴۶ھ)[1] محمد بن [illegible] عفرانی الھمدانی سے روایات لی ہیں اور ان سے محمد بن احمد[2] بن ابراھیم (متوفی ۳۰۰ھ) اور حافظ عبد اللہ بن محمد بن جعفر وغیرہما نے احادیث روایت کی ہیں۔

امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں :-

من روی عنہ ثقتان فقد ارتفعت جھالتہ وثبت عدالتہ۔ (فتح المغیث ص۱۳۷)	جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کر رہے ہوں، تو اُس کی جہالت مُرتفع ہو جاتی ہے اور اُس کا عادل ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

اور یہاں (عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج سے متعلق) تو فقط اِسی پر بُنیاد نہیں کہ ان سے دو ثقہ راوی روایت کر رہے ہیں، بلکہ یہاں عبد الرحمٰن بن احمد کی یہ حیثیت بھی پیشِ نظر رہے کہ وہ سلمہ بن شبیب النیشاپوری کا شاگرد اور راوئ حدیث ہے۔ نیز یہ کہ حافظ عسقلانیؒ وغیرہ محدثین اس پر مشتمل اسناد کو سند جید کہتے ہیں۔

سلمہ بن شبیب سے روایت لینے والوں کی جلالتِ شان

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس باب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

---

[1] ثقہ (لسان المیزان جلد ۵ ص۴۰) ظفر عفی اللہ عنہ [2] ثقہ (لسان جلد ۶ ص۲۹۵) ظفر عفی عنہ

Marfat.com

قال ابونعیم الاصبہانیؒ امام ابونعیم اصبہانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ احد الثقات حدث عنہ راویوں میں سے تھے اور ان سے ائمہ فن الائمۃ والقدماء اور راسخ العلم لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔ ( )

واضح ہے کہ عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج سلمہ بن شبیب سے حدیث روایت کر کے اس جلالتِ شان پر فائز ہیں۔

حضرت انسؓ کی مرفوع روایت للصائم تحفۃ فی رمضان فی آخر النھار ان یعتجم اور حضرت علیؓ کی مرفوع روایت لا تکرھوا الفتنۃ فی آخر الزمان فانھا تبیر المنافقین (وغیرھا من الروایات) بھی انہی عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج سے مروی نہیں۔

(نوٹ) پیشِ نظر رہے کہ عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج ہرگز ضعیف راویِ حدیث نہیں، بلکہ اس انداز میں جس راوی پر محدثین نے کچھ کلام کیا ہے، وہ اس کا بھائی محمد بن احمد بن یزید الزھری ہے۔ اس کے متعلق حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:-

محمد بن احمد بن یزید الزھری محمد بن احمد بن یزید الزہریؒ نے اسمٰعیل بن یزیدؒ سمع اسمٰعیل بن یزید روی عنہ سے روایت لی ہے اور اس سے ابوالشیخؒ ابوالشیخؒ والطبرانیؒ وغیرھما اور طبرانیؒ وغیرہ نے آگے روایت لی ہیں۔ قال ابوالشیخؒ لم یکن بالقوی امام ابوالشیخؒ کی رائے میں وہ کوئی زیادہ فی الحدیث۔ قوی الضبط راوی نہ تھے۔

(لسان المیزان ج ۵ ص ۴۱)

چونکہ یہ بھی حافظ ابو الشیخ اصبہانیؒ کا شیخ روایت ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ کسی کو اس میں اور اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج کے مابین اشتباہ ہو گیا ہو۔

Marfat.com

لیکن اس غلط فہمی سے ابوالشیخ کے شیخ روایت عبدالرحمٰن بن احمد کو مجروح قرار دینا اور ائمہ فن کی توثیق سے طالب علمانہ سطح پر کھیلنا علم و بصیرت اور نظر و خبرت سے محرومی کی علامت ہے۔

نوٹ ۳

نیز از ابن عمرؓ آمدہ من صلی علی عند قبری ردت علیہ ومن صلی علی فی مکان آخر بلغونیہ۔ (جذب القلوب ص۱۹۳)

یہ روایت ان روایات سے علیحدہ اور ایک بالکل مستقل روایت ہے۔ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ایک سند میں اسے خلال نے بختری کے طریق سے بھی روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے، تو ہم عرض کریں گے

تعدد الطرق یفید القوۃ (اعلاء السنن جلد ۱۰ ص۳۳۵)

نوٹ ۴

واخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ انبأ ابو عبد اللہ الصفار حدثنا ابوبکر بن ابی الدنیا حدثنی سوید بن سعید حدثنی ابن ابی الرجال عن سلیمان بن سحیم قال رایت النبیؐ فی النوم فقلت یا رسول ھؤلاء الذین یأتونک فیسلمون علیک اتفقہ سلامھم قال نعم واراد علیھم رواہ البیھقی ج ص۱۳ مصر۔

(ترجمہ) سلیمان بن سحیم کہتے ہیں کہ میں نے آں حضرتؐ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ لوگ جو آپؐ کے پاس آتے ہیں اور سلام پڑھتے ہیں، کیا آپؐ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اور میں اس کا جواب بھی دیتا ہوں۔

Marfat.com

المبحث الثالث

بعض حضرات اس حدیث کے الفاظ "من صلی علی عند قبری سمعتہ" میں سمعتہ (میں خود سنتا ہوں) کا مطلب یہ بیان کر رہے ہیں کہ اللہ رب العزت نے آپؐ کے روضۂ شریفہ پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو آپؐ پر اُمت کا سلام و صلوٰۃ پیش کرتا ہے، یہاں اس سے سننا مُراد ہے۔ درود پڑھنے والے سے سننا مُراد نہیں۔ (استغفراللہ!) ۔ دیکھیے کس طرح قلب موضوع کیا جا رہا ہے اور مرادِ حدیث کو بگاڑا جا رہا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ وہ فرشتہ تو اُن لوگوں کے درود پہنچانے کے لیے مقرر ہے، جو دُور سے پڑھ رہے ہوں :۔

یبلغہا الملک اذا کان المصلی بعیداً (طحاوی ۳۳۳)۔ فرشتہ اس وقت درود پہنچاتا ہے جبکہ بھیجنے والا دُور ہو اور جو خود روضہ پر حاضر ہوں اور صلوٰۃ و سلام بالکل سامنے ہو کر عرض کر رہے ہوں وہ صلوٰۃ و سلام آپ خود سنتے ہیں۔ (دیکھیے السعی المشکور مولانا عبدالحی لکھنوی ص۱۵۴)۔

ثانیاً: براہِ راست سننا اصل ہے اور بالواسطہ سننا صرف عن الظاہر، اور بلاوجہ اصل کو چھوڑنا صحیح نہیں۔

ثالثاً: یہاں سمعتہ کے الفاظ ابلغتہ کے مقابلہ میں وارد ہیں، پس اگر سمعتہ کا وہی معنی مُراد لیں، جو یہاں گھڑا جا رہا ہے، تو اس کا تقابل اگلے مضمون ابلغتہ سے قائم نہیں رہتا، اس لیے کہ وہ معنی تو خود اگلے مضمون میں نظر آ رہے ہیں۔ پھر تقابل کیا اور ربطِ مضمون کیا۔

رابعاً: شارحینِ حدیث نے اس سمعتہ سے براہِ راست خود سننا ہی مُراد لیا ہے :۔

Marfat.com

من صلی علی عند قبری سمعته ای سماعاً حقیقیاً بلا واسطۃ

(مرقات جلد ۲ ص۱ مصر)

وکذالک فی الدرۃ المضیئۃ فی الزیارۃ المصطفویۃ للملا

علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری -

علامہ ابن حجر مکی شرح ہمزیہ میں لکھتے ہیں :-

اذا صلی وسلم عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقیاً و یرد علیہ من

غیر واسطۃ وان صلی وسلم علیہ من بعید لا یسمعہ الا بواسطۃ

یدل علیہ احادیث کثیرۃ -

تم الباب الاول والحمد للہ علی ذالک وھو

المستعان وعلیہ التکلان -

Marfat.com

الباب الثانی وفیہ ثلٰثۃ فصول

الفصل الاوّل

مسلکِ خلفائے راشدین

شانِ ورودِ خطبۂ حضرت صدیق اکبرؓ

حضور پیغمبرِ خاتمؐ کی احادیث شریفہ روضۂ منورّہ کی حیاتِ جسمانی کے بیان میں یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آ چکیں۔ اب اس باب میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کا فیصلہ بھی ملاحظہ ہو۔ وفات النبیؐ کا سب سے پہلا اعلان بھی حضرتِ صدیقِ اکبرؓ ہی کی زبانِ فیض ترجمان سے صادر ہوا تھا۔ اب اس کے بعد کی حیاتُ النبیؐ کا فیصلہ بھی اسی خطبۂ صدیقی میں ملاحظہ کیجئے۔ ان سے بڑھ کر اور کون فطرتِ نبوّت کا نبض شناس ہو سکتا ہے۔ پہلے شانِ ورود دیکھیے:۔

نزولِ وحی کے وقت آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر کچھ ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں کہ اس دُنیا کے احساسات کچھ وقت کے لیے منقطع ہو جاتے تھے اور قلبِ منوّر پوری طرح عالمِ بالا کی طرف متوجّہ ہو جاتا تھا۔ ان انکشافات میں بظاہر غشی وغیرہ کا گمان ہونے لگتا اور اتمامِ وحی کے بعد آپؐ پھر اس کیفیّت ملکی سے کیفیتِ بشری کی طرف منتقل ہو جاتے۔ جب رُوح الامین آپؐ کے قلبِ مبارک پر نزول فرماتے تو ایسی کیفیات اکثر وارد ہوتی تھیں۔

آں حضرتؐ پر جب "اِذَاقَتِ مَوت" کا وعدہ الٰہیہ پورا ہوا تو بعض صحابہؓ[1] نے اس ورودِ وفات کو مذکورہ سابقہ غشی خیال کیا اور گمان کیا کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ

---

[1] ماماتَ رسولُ اللہ ولا یموت حتی یقتل المنافقین (ابن ابی شیبة کما فی القسطلانی)۔
فلیقطعن ایدی رجال و ارجلهم (بخاری جلد ا ص۵۱۸)۔

Marfat.com

اہم اُمور باقی ہیں، آپ انھیں سرانجام دینے کے بعد ہی اس دُنیا سے انتقال فرمائیں گے۔ بنا بریں اُنھوں نے نہایت سختی سے کہا کہ کوئی آپ پر وفات شریفہ کے وارد ہو چکنے کی بات نہ کرے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

۱۔ کیا وُہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے؟ یا

۲۔ ان کا اعتقاد ہی یہ تھا کہ حضورؐ پر وُرُودِ موت کبھی نہ ہوگا؟ اور یا

۳۔ انھیں وُرُودِ موت کی پہچان نہ تھی، کیفیتِ وُرُودِ موت اور آثارِ موت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے؟ یا

۴۔ اس اِنکارِ موت کا منشاء دلیلی کچھ اور تھا؟

جب ہم حضرت فارُوقِ اعظمؓ جیسے ذکی الطبع، سلیم الحس اور بیدار مغز انسان کو بھی اسی صف میں کھڑا دیکھتے ہیں، تو پھر ہمیں اور زیادہ غور و فکر سے سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس اِنکارِ موت کا سبب کیا تھا؟

جہاں تک پہلے احتمال کا تعلّق ہے کہ شاید وُہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے، یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اگر غلبۂ محبت ہی اس کا باعث تھا، تو حضرت سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ سب سے پہلے ان جذبات کی رَو میں بہ جاتیں۔ پھر حضرت فارُوقِ اعظمؓ جیسے مدبّر اور نزاکت شناس سے بالکل مغلوب الحال ہو جانے کی توقّع بھی کیسے ہو سکتی ہے، نیز ان کا استدلالی پہلو کہ ابھی کاذِبُوں کے کچھ اہم اُمور باقی ہیں، خود اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ ان کے حواس میں اختلال ہرگز نہ تھا ورنہ یہاں وُہ کوئی اجتہاد کرتے نظر نہ آتے۔ خود فرماتے ہیں:۔

Marfat.com

واللہ ان کنتُ اَظنُ انہ صلی اللہ علیہ وسلم سیبقیٰ فی اُمّتِہ حتی یشھدَ علیہ بآخر اعمالھا و انہ ھوالذی حملنی علی ان قلت ما قلت" رواہ البیہقیؒ وراجع لہ تفسیر "وکذالک جعلنا کم امۃ وسطاً"

اگر دوسرے احتمال کو جگہ دیجیے کہ شاید ان کے اعتقاد میں حضورؐ پر وُرودِ موت کبھی ہونا ہی نہ تھا، یعنی وہ حیات بلا وفات کے قائل تھے، تو یہ بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ اس انکارِ وفات کی جو وجہ حضرتِ فاروقِ اعظمؓ سے منقول ہے وہ خود اس کی تردید کرتی ہے۔ ثانیاً حضرت فاروقِ اعظمؓ خود حافظِ قرآن تھے۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ یا اَفَاِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ وغیرھما من الآیات ان سے مخفی نہ تھیں۔ پورے قرآن کی تلاوت ان کے شب و روز کا وظیفہ تھا۔ اُن کا علم و فہم بھی کچھ مشتبہ نہ تھا۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ آپؐ پر یقیناً لذّتِ موت کا وعدۂ الٰہیہ پورا ہو گا۔ حضرت امام شاہ ولی محدّث دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

بایدِ دانست کہ قصہ دلالت می کند برآں کہ فاروقؓ می دانست کہ موت برآں حضرتؐ شدنی است پس مخالفِ آیت اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ اعتقاد نہ کردہ بود، لیکن گمان می کرد کہ آنچہ واقع شدہ است[۱] موت نیست بلکہ تعطیلِ حواس ظاہر است۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حضرتِ فاروقِ اعظمؓ یہ جانتے تھے کہ وُرودِ موت آں حضرتؐ پر ہونا ہی ہے۔ پس ان کا اعتقاد آیت اِنَّکَ مَیِّتٌ الخ کے خلاف ہرگز نہ تھا، لیکن وہ خیال کر رہے تھے کہ یہ صورتِ پیش اُفتادہ موت نہیں، بلکہ صرف آثارِ حیات روک دیے گئے ہیں، یعنی جو کچھ واقع ہُوا تھا اسے وہ موت قرار نہیں دیتے تھے۔

---

[۱] (قرۃ العینین ص۲۷ مطبوعہ دہلی)

اگر تیسرا احتمال سامنے رکھیے کہ انھیں ورودِ موت کی پہچان نہ تھی، تو یہ بھی قرینِ قیاس نہیں ۔۔۔ اہلِ عرب سے کچھ کم آشنا نہ تھے۔ ہزاروں انسانوں کو انھوں نے مرتے دیکھا تھا۔ موت کی کیفیات بھی کچھ اُن سے مخفی نہ تھیں اور ایسے مواقع کی نزاکت کا بھی انہیں کوئی کم تجربہ نہ تھا۔

پھر آخر ان کا وقوعِ موت سے انکار کیوں تھا؟ اس کا سبب اور منشا کیا ہے ——؟

حقیقت الامر

بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح نزولِ وحی کی بعض کیفیات میں اس دنیا کے احساسات سے تعطل ہو جاتا تھا مگر حیات کی نفی نہ ہوتی تھی، اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورودِ وفات کچھ ایسے طریق سے ہوا کہ حیات کلیۃً منتفی نہ ہوئی تھی، صرف آثارِ حیات سلب ہو گئے تھے (اور یہ بھی اس لیے تھا کہ عالمِ برزخ میں انتقال ہو سکے اور پردۂ قبر میں تشریف لے جا سکیں) حضرت فاروقِ اعظمؓ کی نگاہیں اس حیاتِ قلب تک پہنچ رہی تھیں جو زیرِ پردہ مستور تھی (آخر محدثیت کا مقام کچھ کم منبعِ عرفان نہ تھا) اور اس کے ہوتے ہوئے وہ وقوعِ موت کا ادراک نہ کر سکے تھے۔ اس وجودِ حیات کو اس وردِ وفات سے تطبیق دینا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ان کا اعتقاد یہی تھا کہ آپؐ پر بھی اسی طرح موت آئے گی۔ جس طرح کہ عام دوسرے انسانوں پر وارد ہوتی ہے اور چونکہ صورتِ پیشِ افتادہ اور حالتِ واقعہ ایسی نہ تھی اس لیے وہ آپؐ پر وردِ وفات کا یقین نہ کر سکے اور خیال رہا کہ یہ مرحلہ ابھی باقی ہے۔ پیشتر ازیں وہ آیتِ شریفہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کے پیشِ نظر آپؐ پر قوانینِ موت کا تتبع نہ کر سکے تھے۔

Marfat.com

پھر جب حضرتِ صدیقِ اکبرؓ نے اِس صورتِ پیش اُفتادہ اور کیفیتِ واقعہ ہی کو وفات النبیؐ کہا اور آیاتِ قرآنیہ، جن میں آپؐ پر وُرودِ وفات کی پیشگوئیاں یا امکان کا بیان تھا، ان کا منشا اِسی قسم کی حالت کو قرار دیا تو اب حضرتِ عمر فاروقؓ سمجھے کہ آیاتِ مذکورہ اپنے عامی مفہوم میں نہ تھیں اور انھیں شرحِ صدر ہو گیا کہ ان آیاتِ شریفہ کا منشا وفات النبیؐ کے متعلق کیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مفہوم مجھ پر یوں منکشف ہوا:۔

"گویا کہ میں نے پہلے وُہ آیات پڑھی ہی نہ تھیں"۔

مقامِ غور ہے کہ اگر یہ آیاتِ شریفہ اپنے اسی عام مفہوم میں ہوتیں، جیسا کہ ابتدائی سطح میں متبادر ہوتا ہے، تو صحابۂ کرامؓ بالخصوص حضرت فاروقِ اعظمؓ ان آیات کے متعلق اتنا اہم اعلان نہ فرماتے۔ حضورؐ کے متعلق وعدہ موت اگر انھی معنوں میں ہوتا، جن معنوں میں کہ موت عام ماحول عرب میں متعارف تھی، تو حضرتِ فاروقِ اعظمؓ حافظِ قرآن اور نہایت ذکی الطبع ہوتے ہوئے یہ ہرگز ارشاد نہ فرماتے:۔

کانّی لم اقرأھا الا یومئذٍ — گویا کہ وُہ آیات میں نے اُس دن کے سوا کبھی پڑھی ہی نہ تھیں۔

بات صاف ہے کہ آں حضرتؐ پر وفاتِ شریفہ کا وُرود کچھ ایسے طریق سے ہوا، جو عام دُوسرے انسانوں سے مختلف تھا۔ آپؐ کے جسدِ میّت سے قرائنِ موت کچھ ایسے جلی نہ تھے کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ مل سکے۔ آپؐ پر کچھ ایسی کیفیات وارد تھیں کہ موت کا یقین نہ ہوتا تھا۔ اِسی کیفیت نے جو زیرِ پردہ مستور تھی، اشتباہ پیدا کر رکھا تھا۔ جن کے خیال میں اِس کیفیت کی قرائنِ موت سے تطبیق محال تھی، وُہ ان قرائن کو غشی سمجھتے رہے کیونکہ ان کے حاشیۂ فکر میں موت کے صرف وُہی معنی تھے، جو عام طور پر معروف ہیں اور جس ہستیِ مقدس کو رازدارِ نبوت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس نے اس کیفیتِ باطنہ کو جو زیرِ پردہ مستور تھی، وُرودِ وفات سے متصادم نہ جانا تھا، اس وُجودِ حیات اور

Marfat.com

وقوعِ وفات میں کوئی تعارض خیال نہ کیا۔ اعلان فرمایا :—

اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ — حضورؐ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

(بخاریؒ)

جب حضرتِ صدیقِ اکبرؓ نے اس صورتِ پیش اُفتادہ ہی کو وفاتِ پیغمبرؐ قرار دے دیا، تو پھر حضرتِ فاروقِ اعظمؓ نے آپؐ پر قوانینِ موت کا تتبع شروع کیا اور بالآخر وہ بھی وفات کے قائل ہو گئے، باقی سب صحابہؓ نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :—

معنیِ قولِ اُو کَاَنِّیْ لَمْ اَسْمَعْهَا — آپؓ کے اس ارشاد "گویا کہ یہ آیات میں نے
اینست کہ استماعِ ایں آیت مائل گردانید — پہلے سُنی ہی نہ تھیں" کا مطلب یہی ہے کہ اس
اورؓ را بہ تتبعِ قرائن دیش ازیں مسلمان — آیت کے استماع نے انھیں تتبعِ قرائن کی طرف
بآں نداشت۔ — متوجہ کر دیا (کہ یہ صورت پیش اُفتادہ ہی اس
(قرۃ العینین ص۲۷۰) — آیتِ شریفہ کا مورد ہے) اور پیشتر ازیں آپؓ
کا (اس آیت کے) اس معنی کی طرف دھیان نہ تھا۔

جس طرح ورودِ وفات پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ اسی طرح یہ بھی ایک اجماعی حقیقت قرار پائی کہ آپؐ کی وفات عام دوسرے انسانوں کی موت سے یقیناً مختلف ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی وفات سے وہ معاملہ ہرگز نہ کیا گیا جو عام ایسے دوسرے موقعوں پر کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس موت کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی۔

Marfat.com

تنوعِ موت پر پہلی شہادت

کہ صحابہ کرامؓ نے اجماعاً آپؐ کی وفات سے دوسری اموات والا معاملہ نہ کیا

اختصاصات لوفات سیّد الکائنات

۱۔ آپؐ کو آخری غسل پہلے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں دیا گیا۔ کرتا تک جسد اطہر سے نہ اتارا گیا۔

۲۔ نمازِ جنازہ بھی عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی، بلکہ اسے کسی دوسرے طریق سے ادا کیا گیا، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نمازِ جنازہ کی بجائے صرف صلوٰۃ و سلام عرض کیا گیا اور آپؐ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپؐ کے لیے دعا کی گئی۔

۳۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مُردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدی حکم شریعت میں ہے، اس کے برخلاف قریباً پونے دو دن گزر جانے کے بعد آپؐ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ محسوس نہیں کیا گیا اور کسی ایک صحابیؓ نے بھی اس معاملہ میں جلدی کرنے کا تقاضا نہ کیا۔

۴۔ پھر آپؐ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپؐ کی پہلی زندگی کے عزیز مسکن، یعنی حضرت صدیقہؓ کے حجرہ ہی کو آپؐ کا مدفن اور آپؐ کی دائمی آرام گاہ بنا دیا گیا اور آپؐ اسی میں دفن کیے گئے۔

۵۔ اسی طرح آپؐ کی ایک ہدایت کے مطابق آپؐ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا، بلکہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں ان کا جو مصرف اور نظام تھا

Marfat.com

وہی بدستور قائم رکھا گیا ۔ اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں ۔

۶۔ اسی طرح آپؐ کی ازواجِ مطہراتؓ کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مسکونہ حجروں کو تا زیست اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہؐ کے املاک سے اپنا نفقہ تاحیات حاصل کرتی رہیں ، جیسا کہ حضورؐ کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے ، حالاں کہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں ۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان واقعات کی روشنی میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام و معاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب علم کو اختلاف ہوگا۔"

تنوعِ موت پر دوسری شہادت

کیا موت کے علاوہ اور کوئی کیفیت بھی ہے جو اس کی طرح تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے ؟ اس کے متعلق پتہ کیجیے کہ کیا شریعتِ مطہرہ نے اس کے معنوں میں بھی تنوع پیدا کیا ہے اور انبیاؑ کو غیر انبیا سے اس باب میں بھی ممتاز فرمایا ہے ؟

ہاں نیند بھی موت کی طرح تمام زندہ انسانوں کی فطرت ہے اور تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے ، چنانچہ کہا گیا ہے :-

اَلنَّومُ اَخُو الْمَوْتِ[۱] ۔ نیند موت کی بہن ہے ۔

---

[۱] جاء فی الحدیث النوم اخو الموت (فیض الباری جلد ۱ ص۱۸۲ مصر) یراجع حدیث النوم اخو الموت ولا یموت اھل الجنۃ من الجامع الصغیر (تحفۃ الاسلام للشیخ الانور ص۳۳) وکذلک فی کتاب الروح ص۲۵ والتعلیقات القسطاس علی النبراس ص۳۲۲ ۔

Marfat.com

اگر انبیاءؑ اور غیر انبیاء میں "تنوعِ نیند" ثابت ہے تو ہر دو طبقوں میں "تنوعِ موت" کیسے ثابت نہ ہوگا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان عینی تنامان ولا ینام قلبی۔ (رواہ الشیخان)	میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا، وہ بیدار رہتا ہے۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

انا معاشر الانبیاء تنام اعیننا ولا تنام قلوبنا۔ (اخرجہ ابن سعد کما فی الخصائص)	ہم لوگ جو انبیا ہیں، ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سویا کرتے۔
وکذلک الانبیاء تنام عیناھم ولا تنام قلوبھم۔ (بخاری)	انبیاے کرامؑ کی صرف آنکھیں سویا کرتی ہیں دل نہیں سوتے۔

خاتم المحدثین مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

عدم نقض الوضوء بالنوم من خصائص الانبیاء۔ (العرف الشذی صفحہ)	سونے سے وضو نہ ٹوٹنا یہ انبیاے کرامؑ کی خصوصیت ہے۔

انبیاے کرامؑ کی یہ شان ہے کہ اس نیند کی حالت میں بھی ان کے ادراکات جاری رہتے ہیں۔ ان کے ادراک کی نوعیت بھی ہمارے ادراک کی نوعیت سے مختلف ہے۔ نیند کی طرح ادراک میں بھی تنوع ہے۔ انبیاے کرامؑ کی نیند کے ادراکات بھی ایک قسم کی وحی سمجھے جاتے ہیں۔ "رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ وَحْیٌ" (ترمذی) اس کی تصدیق ہے۔ انبیاءؑ کی نیند اور دوسروں کی نیند میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ان کے منامی ادراکات بھی وحی کا مقام

رکھتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصین رض کہتے ہیں

كنا لا نوقظ نبي الله صلى الله عليه وسلم من منامه اذا نام حتى يستيقظ۔ (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۴۰)	ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند سے کبھی نہ جگاتے تھے، جب تک کہ آپ علیہ السلام خود بیدار نہ ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نون ان کے ساتھ تھے۔ جب عین منزلِ مقصود پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی، حضرت یوشع نے فرمایا:۔

لا اوقظه (بخاری جلد ۲ ص ۶۸۹) میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا۔

انبیاء کو خوابِ استراحت سے اس لیے نہیں اُٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں ان پر کیا اسرار منکشف ہو رہے ہوں۔ ان کے لیے سبب حرج کیوں بنا جائے۔ شیخ الاسلام مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی لکھتے ہیں:۔

"پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے، تو اس سے ان کی موت کا بھی کچھ اندازہ کر لینا چاہیے، کیونکہ النوم اخو الموت مشہور ہے، وہ بھی نیند کی طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے، مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں، یہاں بھی ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر زندہ کا اطلاق آیا ہے"۔

(ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۲۵۸)

۵۔ سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا
کم فہم سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی!

ان حقائق کی روشنی میں غور فرمایئے کہ تنوّع موت کا انکار اور پھر اسے شرعی مدارک چھوڑ کر احداث فی اللغۃ کے الزام سے رد کرنا کون سی شانِ تحقیق ہے۔ تنوّع موت کا پتہ چلانے کے لیے تنوّع حیات کر لیجیے۔ موت اگر حیات کی ضد ہے تو تنوّع حیات،

Marfat.com

سے "تنوّع موت" کیسے لازم نہ آئے گا! علامہ راغبؒ فرماتے ہیں :۔

الحیاۃ تستعمل علیٰ اوجہ (المفردات ص۱۳۸) ۔ لفظ حیات کلامِ عرب میں کئی معنوں میں آتا ہے ۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہٗ اتم واحکم فی کل باب !

اعتقاد الصدیق لحیات الرفیق

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وفاتِ شریفہ وارد ہوئی، تو حضرت ابوبکرؓ مقامِ سنح میں تھے ۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا :۔

مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ۔	آں حضرتؐ پر جو کیفیت وارد ہے، وہ موت ہرگز نہیں ۔

بعد میں حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے :۔

واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذاک ۔	خدا کی قسم! میرے ضمیر کا یہی فیصلہ تھا !

حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے، تو آپؓ نے حضورِ انورؐ کے چہرۂ مبارک سے چادر اُٹھائی، آپؐ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بے اختیار رو پڑے اور حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا :۔

بابی انت وامی طبت حیًّا ومیّتًا والذی نفسی بیدہٖ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدًا ۔ (بخاری جلد ۱ ص۵۱۷) اما الموتۃ التی کتب اللہ	میرے ماں باپ آپ پر قربان ۔ آپ حیات و موت دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ ہیں ۔ اُس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا ۔ جو موت

Marfat.com

عليك فقد متها۔ — اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے لکھی تھی وہ آپؐ پر وارد ہو چکی۔
(بخاری کتاب الجنائز جلد ۱ صفحہ ۱۶۶)

ابن ابی شیبہؒ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرتِ ابوبکرؓ نے آتے ہوئے حضرتِ عمرؓ کی یہ بات سن لی تھی کہ آں حضرتؐ پر جو صورتِ حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے۔

فكشف عن وجهه ثم اكب عليه فقبله وبكى ثم قال بابى انت وامى والله لا يجمع الله عليك موتتين اما الموتة التى كتبت عليك فقد متها۔
(صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۲ صفحہ ۶۴۰)

پس آپؓ نے حضورؐ کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا، آپؐ پر جھک پڑے، بوسہ دیا اور رو پڑے پھر فرمایا۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کرے گا۔ جو موت کہ آپ کے لیے لکھی گئی تھی، آپ اس کا ذائقہ چکھ چکے۔

یہاں تین امور پیشِ نظر رہیں: اولاً کیا اللہ تعالیٰ نے واقعی آپؐ کے لیے کسی خاص قسم کی موت لکھی تھی کہ اس کا اس خصوصیت سے تذکرہ کیا جا رہا ہے؟ ثانیاً "میرے ماں باپ آپ پر قربان" عربوں کے محاورات میں یہ جملہ کیا اموات محضہ کے لیے بھی آتا ہے یا اس دعا و تصدیق کے لیے من وجہ حیات لازم ہے؟ ثالثاً یہاں جمع موتتین میں دو موتوں سے کیا مراد ہے؟ ہم یہاں صرف تیسرے مبحث کی تفصیل کرتے ہیں۔

مفہومِ موتتین کی تعیین

لا يجمع الله عليك موتتين (اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کریں گے)۔ اس کی شرح میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ پس فکر و نظر سے ان کا جائزہ لینا

Marfat.com

چاہیے ـــــ

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارشادِ صدیقیؓ حضرتِ عمرؓ کی تردید کے لیے تھا، کیونکہ اگر آں حضرتؐ کی اس صورتِ پیش اُفتادہ کو موت نہ کہا جائے، تو لازم آتا ہے کہ آپؐ پر موت پھر کبھی آئے گی اور اس طرح گویا کہ آپؐ پر دو موتیں وارد ہوئیں، اس کی نفی کرتے ہوئے حضرتِ صدیقِ اکبرؓ نے آں حضرتؐ پر وُرودِ وفات ثابت فرمایا۔

جواباً عرض ہے کہ حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کے اس ارشاد لا یجمع اللہ علیک موتتین کا یہ مفہوم ہرگز نہیں۔ حضرتِ عمرؓ کے پہلے خیال کے مطابق اگر اس صورتِ پیش اُفتادہ کو موت نہ کہا جائے اور اس لزُوم کو بھی مان لیا جائے کہ اس صورت میں آں حضرتؐ پر پھر کبھی ورُودِ وفات ہوگا تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرتِ عمرؓ کے خیال کے مُطابق حضورؐ پر دو موتیں جمع ہو رہی ہیں، جس کی تردید کی ضرورت حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کو پیش آئی تھی؟ اس لیے کہ جب پہلی صورت ان کے خیال میں موت ہی نہیں، تو پھر آئندہ کے وُرودِ موت سے دو موتوں کا اجتماع کیسے لازم آیا؟ اور اگر پہلے ورُودِ موت ہو چکا ہے، تو پھر اس پر یہ لزوم کیسے لایا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں آپؐ پر موت پھر کبھی آئے گی۔

"لا یجمع اللہ علیك موتتین۔ تو اسی ذہن پر کچھ اثر ڈال سکتا ہے، جو پہلے وُرودِ موت کا قائل ہو اور صورتِ پیش اُفتادہ کو موت یقین کر رہا ہو، اور ظاہر ہے کہ حضرتِ عمرِ فارُوقؓ اس پہلی ہی وفات کے قائل نہ تھے۔ پس ان کے خیال کے مطابق پھر کبھی موت واقع ہونے سے دو موتوں کا اجتماع ہرگز لازم نہیں آتا کہ حضرتِ صدیقِ اکبرؓ اس کی تردید فرما رہے ہوں۔ جب حضرتِ عمرؓ پہلی موت ہی کے قائل نہیں، تو ان کی تردید کے لیے یہ جملہ مذکورہ کیسے کارفرما[1] ہو سکتا ہے۔ اس جملۂ بلیغہ کا

---

[1] بخاری کے حاشیہ پر علامہ کرمانیؒ کا یہ قول بے شک لکھا ہے قاله ابو بكر ردًّا لما قاله عمر (جلد ۱ صفحہ ۱۶۶)
(باقی اگلے صفحے کے نیچے)

Marfat.com

مطلب یقیناً وہی ہے، جو شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ بیان فرما رہے ہیں :-

اراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی	دو موتوں سے مراد ایک اس دنیا کی موت
القبر وھما موتتان المعروفتان	اور دوسری قبر کی موت ہے اور یہ دونوں
المشھورتان فلذالك ذکرھما	موتیں تعلیماتِ اسلام میں معروف ہیں اور
بالتعریف وھما موتتان	اسی لیے انھیں معرفہ ذکر کیا گیا ہے، یہ دونوں
الواقعتان لکل احد غیر الانبیاء	موتیں انبیاءؑ کے سوا باقی ہر ایک انسان کو
علیھم السلام فانھم لا یموتون	پیش آتی ہیں، انبیاءؑ کو اپنی قبور میں پھر
فی قبورھم بل ھم احیاء واما	دوسری موت نہیں آتی، بلکہ وہ وہاں زندہ
سائر الخلق فانھم یموتون فی	رہتے ہیں، ان کے علاوہ باقی عام لوگوں
القبور ثم یحیون یوم	پر (سوال و جواب کے بعد) پھر قبر میں
القیمۃ ومذھب اھل السنۃ	دوسری موت ہوتی ہے۔ اس کے بعد انھیں
والجماعۃ ان فی القبر حیوۃ و	زندگی قیامت کو ملتی ہے، اہل السنۃ والجماعۃ
موتًا فلا بد من ذوق الموتتین	کا مذہب یہی ہے کہ ماسوائے انبیاءؑ کے
لکل احد غیر الانبیاء۔	باقی سب کے لیے قبر میں موت و حیات دونوں
(عینی شرح بخاری جلد ۷،	ہیں پس ہر کسی نے دو موتوں کا ذائقہ چکھنا
ص ۶ مصر)	ہے۔

خاتمۃ الحفاظ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ منکرینِ حیات کا جواب دیتے ہوئے، ایک جواب کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :-

---

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۰) لیکن جلد ۲ ص ۶۴۰ کے حاشیہ میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں اور اس قولِ اوّل کو واضح کہنے کے باوجود اسے قیل کے ساتھ ہی لکھا ہے۔ ہمیں بہت تعجب تھا کہ علامہ کرمانیؒ جیسے فاضل یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید میں چونکہ اگلا خطبہ تھا اور یہ جملہ تمہید میں آگیا تھا، اس لیے علامہ کرمانیؒ نے اگلے خطبے کے پیشِ نظر اس کو بھی تردید ہی میں ذکر کر دیا ہے؛ چنانچہ علامہ کرمانیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں فیہ تمہید لرد مقالۃ عمر (حاشیہ بخاری ص۵۱۷)۔ محدث سہارنپوریؒ کا اصل قصیدہ اسی جگہ ہے

Marfat.com

واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته صلى الله عليه وسلم في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا و الانبياء احياء في قبورهم ولعل هذا هو الحكمة في تعريف الموتتين حيث قال لا يذيقك الله الموتتين اي المعروفتين المشهورتين الواقعتين لكل احد غير الانبياء.

(فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۳ مصری پ ۱۴ صفحہ ۳۶۴ دہلی)

احسن ترین جواب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر شریف میں پھر ایسی حیاتِ دائمہ حاصل ہو چکی ہے کہ اب اس کے بعد پھر کبھی ورودِ موت نہ ہوگا اور انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں: غالباً یہی وجہ ہے کہ ارشادِ نبوت میں موتتین کو الف لام سے لایا گیا ہے، پس یہ دونوں موتیں (ایک اسی دنیا میں، دوسری قبر میں) انبیاءؑ کے سوا باقی ہر انسان پر وارد ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ نور الحق محدث دہلویؒ شارح بخاری لکھتے ہیں:-

"لا یذیقک اللہ الموتتین ابداً" یعنی بعد از موت بحیاتِ ابدی زندہ خواہی بود از آں کہ وی رضی اللہ عنہ دانستہ بود کہ انبیاء در عالمِ برزخ زندہ اند بخلافِ سائر مسلماناں کہ در وقتِ سوال منکر و نکیر زندہ می کنند آں ہا را باز می میرانند، چنانکہ در تفسیر احییتنا اثنتین و امتنا اثنتین گفتہ اند۔"

(تیسیر القاری شرح صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۴۲۵)

پھر ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں:-

"قولِ مختار و مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاءؑ بعد از ذائقت موت زندہ اند بحیاتِ دنیوی (تیسیر القاری جلد ۳، صفحہ ۲۶۲)۔

(ترجمہ) ارشادِ نبوت کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا، اس کا مطلب یہی ہے کہ وفات شریفہ وارد ہو چکنے کے بعد

Marfat.com

پھر آپ ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کا عقیدہ تھا کہ انبیاے کرامؑ عالمِ برزخ میں زندہ ہوتے ہیں، باقی عام مسلمان منکر نکیر کے سوالات کے لیے اپنی اپنی قبروں میں زندہ کیے جاتے ہیں اور پھر ان پر قبر میں دوبارہ وہ موت ہوتا ہے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

"موت دوم آنست کہ سائر الناس را در قبر بعد از سوال منکر و نکیر خواہد بود و ایں جواب موافقِ جمہور علماء است کہ قائل اند بحیاتِ سائر انبیاء در عالمِ برزخ و باین معنی ناطق است آثار و احادیث چنانکہ بر متتبعاں پوشیدہ نیست و ایں قول نزدِ ما احسن اقوال است"۔

(تیسیر القاری پ ۱۸ جلد ۴، کتاب المغازی ص ۲۱۶)

(ترجمہ) دوسری موت وہ ہے، جو عامۃ الناس کو قبر میں منکر و نکیر کے سوالات کے بعد پھر دوبارہ آئے گی۔ یہ جواب جمہور علماء کے فیصلے کے مطابق ہے، وہ عالمِ برزخ میں تمام انبیاءؑ کی حیات کے قائل ہیں۔ اس معنی کی تائید میں آثار و احادیث وارد ہیں، چنانچہ تتبع کرنے والے اہلِ تحقیق پر یہ مخفی نہیں اور ارشادِ صدیقی کا یہ معنی ان تمام اقوال سے بہتر ہے، جو اس کی تشریح میں کہے گئے ہیں"۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح کرتے ہیں:۔

"مراد آنست کہ نمی میرد بموت دیگر در قبر ہمچو دیگراں کہ زندہ گردانیدہ می شود برائے سوال باز میرانیدہ می شود و ظاہر آنست

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مراد اس کلمہ سے یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح آپؐ قبرِ منورہ میں دوسری موت کا ذائقہ بالکل نہ چکھیں گے، دوسرے عام لوگوں

Marfat.com

کہ موت دیگر نیست بود شے
وبعد از جریانِ سُنّتِ
الٰہی بر اذاقت موت و
زندہ گردانیدن بعد ازاں
حیات باقی و مستمر خواہد بود
و مماتے برآں طاری نخواہد
شد۔ پس ایں سخن اشارہ
است بحیاتِ آں حضرتؐ۔
(مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۸۹)

کہ قبر میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر ان پہ دوبارہ ورودِ موت ہوتا ہے۔ آں حضرتؐ پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ایک دفعہ لذتِ وفات چکھنے اور پھر زندہ ہونے کے بعد آپ حیاتِ دائمہ سے زندہ ہیں۔ آپؐ پر پھر کبھی طریانِ موت نہ ہوگا۔ اس ارشاد عالی میں حضرت ابوبکرؓ کا اشارہ مسئلۂ حیات النبیؐ کی طرف ہی تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ صحیح بخاریؒ کے شارحین علامہ عینیؒ، حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ، شیخ الاسلام نور الحقؒ اور دوسرے اکابر محدثینؒ نے موتِ ثانیہ سے قبر کی موت ہی مراد لی ہے، دوسرے احتمالات عقلاً اور نقلاً صورتِ حال پر قطعاً چسپاں نہیں ہوتے۔ لا یجمع اللّٰہ علیك موتتین کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ موتِ ثانیہ، جس سے مراد قبر کی موت ہے، انبیاءؑ پر ہرگز طاری نہ ہوگی۔ وہ موت کی لذت شناسی کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیے جاتے ہیں۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ کی بصیرت اور فراست پر قربان! وفات النبیؐ کا اعلان بعد میں فرمایا، پہلے حیات بعد الوفات پر اشارہ فرما دیا، تاکہ وقوعِ موت کی صراحت سے کہیں حیاتِ ثانیہ کی نفی لازم نہ کر لی جائے۔ مولٰینا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ بھی صحیح بخاریؒ کے حاشیہ پر اہلِ سنت کی طرف سے منکرینِ حیاتِ قبریہ کا اسی طرح جواب دیتے ہیں:۔

Marfat.com

والاحسن ان یقال ان حیاته صلی الله علیه و سلم لا یتعقبها موت بل یستمر حیًا والانبیاء احیاء فی قبورهم۔
(حاشیہ بخاری جلد ۱ ص ۵۱۷)

بہترین جواب یہی ہے کہ ایک دفعہ موت چکھنے کے بعد حضورِ انور کی حیات ایسی ہے کہ پھر اس پر کبھی موت نہ آئے گی اور آپ دائمی طور پر انبیاءؑ کی طرح اپنے روضہ میں فائز الحیات رہیں گے۔

غور فرمائیے، حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کی بصیرت اور فطرتِ نبوّت کی مزاج شناسی کہاں تک پرواز کر رہی ہے۔ کتنی دُور کی بات آپؓ نے ایک جملے میں ارشاد فرما دی اور کس شان سے آپؓ کے لیے حیات بعد الوفات کا اثبات فرمایا۔ جامعیتِ شان اور بلاغتِ بیان نے جس طرح یہاں سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے۔ اس کی نظیر کلامِ عرب میں شاید ہی کہیں ملے۔

ورودِ وفات کا پہلا اعلان بھی حضرت صدیقِ اکبرؓ ہی نے کیا تھا۔ احساس نزاکت پر قربان جائیے کہ وفات کا اس وقت تک اعلان نہیں فرمایا۔ جب تک کہ اس کے ساتھ ہی بعد الوفات کی حیات کا اثبات نہیں فرما دیا۔

تنبیہ

پیشِ نظر رہے کہ "لا یذیقك الله الموتتین ابدًا" کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ اور دُوسرے اجلہ محدثینؒ نے حیات فی القبر کے جس مسئلے کو بیان فرمایا ہے، اسے صرف اپنی رائے یا اپنا نظریہ یا صرف اپنی ہی توجیہہ قرار نہیں دیا، بلکہ اسے

Marfat.com

پورے اہلِ سنّت کا مذہب قرار دیا ہے جس کا انکار خروج عن اہل السنۃ ہے۔

و مذهب اهل السنة و الجماعة ان فی القبر حیٰوة و موتًا فلا بد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء۔
(عینیؒ جلد ۸، ص ۱۶ مصر)

پورے اہلِ سنّت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں۔ پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں، ہاں انبیائے کرامؑ پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی اندازِ بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ "حیٰوۃ فی القبر" کے منکرین اہلِ سنّت میں سے نہیں اور انھیں جواب دینا اہلِ سنّت کے ذمّہ ہی ہوتا ہے۔

قد تمسك به من انكر الحیٰوة فی القبر واجیب عن اهل السنة ۔۔۔۔ ان حیٰوته صلی اللّٰه علیه وسلم فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیًا۔
(فتح الباری جلد ۷، ص ۲۴)

حیوٰۃ فی القبر کے منکرین کبھی کبھی اس خطبۂ صدیقی رضؓ ہی کو اپنا استدلال بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے اہل السنّت کی طرف سے یہی جواب ہے کہ حضورؐ اپنے روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں۔ انھیں وہاں پھر موت کبھی نہیں آئے گی۔

اعتقاد الفاروق الاعظمؓ لحیاتِ النبی الخاتمؐ

حضرت صدّیقِ اکبرؓ کا عقیدہ تو آپ کے سامنے واضح ہو چکا، اب حضرت فاروقِ اعظمؓ کا اعتقاد بھی ملاحظہ کیجیے۔ پہلے اس اصُولی مسئلے کو پیشِ نظر رکھیے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبیؐ کی آواز سے اور آپؐ کے سامنے بھی

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

(پ ۲۶ : حجرات)

اِس قدر آواز بلند نہ کیا کرو۔ جیسے کہ ایک دُوسرے کے سامنے کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھارے اَعمال اکارت ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔

یعنی حضورؐ کی مجلس میں یا آپؐ کے سامنے اس طرح آواز نہ نکالو، جیسے کہ آپس میں ایک دُوسرے سے چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو، آپؐ کے سامنے دبی آواز سے بات کرنا چاہیے، مبادا بے ادبی ہو جائے اور تمام اعمال ضائع ہو جائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔ (حجرات)

جو لوگ آں حضرتؐ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، وُہی لوگ ہیں جن کے دِلوں کا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لیے امتحان کر لیا ہے۔

اکابرِ اہلِ سُنّت اور جمہور مفسّرین کا اجماع ہے کہ وُرُودِ وفات کے بعد بھی حکمِ قرآنی روضۂ اطہر کے پاس کامل ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا مُتقاضی ہے۔ مسجدِ نبویؐ کی حُدود میں شرعی ضرُوریات کے علاوہ آواز ہمیشہ پست رہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبّیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

"قبرِ شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔" (فوائد القرآن ص ۶۷۹)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں :-

"آں حضرتؐ حیات ہیں۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجدِ نبویؐ کی حُدود میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو حضرتؐ خود سُنتے ہیں۔" (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۶)

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

Marfat.com

"بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو، عرض کرے یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بك الی ربك"۔ (زبدۃ المناسك، ص۱۹، ادارہ اشرفیہ، لاہور)

حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کا اعتقاد

"عن السائب بن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فحصبنی رجل فنظرتُ الیه فاذا عمر بن الخطابؓ فقال اذهب فأتنی بهٰذین فجئتُهُ بهما فقال ممن انتما او من این انتما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد لأوجعتُکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص۶۷ دہلی)

ترجمہ:- "سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں، میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے میرے کنکری ماری کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرتِ عمرؓ ہیں۔ آپؓ نے فرمایا "جاؤ، ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ" میں انھیں آپؓ کے پاس لے آیا۔ آپؓ نے اُن سے پوچھا "تم کون لوگوں میں سے ہو یا تم کہاں کے ہو"؟ اُنھوں نے کہا "ہم اہلِ طائف میں سے ہیں"۔ اس پر حضرتِ عمرؓ نے فرمایا:-

"اگر تم اہلِ مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمھیں سزا دیتا۔ اس لیے کہ تم مسجدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (جس کے سامنے آپؐ کا روضۂ منورہ ہے) اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو"۔

آواز بلند کرنے پر مسجدِ رسول اللہ کی نسبت سے نکیر کرنا اسی لیے تھا کہ وہاں آپؐ کا روضۂ اطہر ہے۔ جس طرح آپؐ کی اس دُنیوی زندگی میں آپؐ کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا، اسی طرح آپؐ کے روضۂ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں؛ اس لیے کہ آپؐ وہاں تشریف فرما ہیں اور

Marfat.com

جسدِ عنصری سے زندہ ہیں، حدودِ مسجد کی آواز کو بلا کسی توسّط کے خود سُنتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نکیر کا منشا یہ "اصل" ہے کہ مسجد میں آوازیں بلند کرنا جائز نہیں، پھر جس شان اور مقام کی یہ مسجد ہوگی، اُسی درجے کا یہ حکم ہوگا کہ اس میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس کی خلاف ورزی اِسی درجہ کا جُرم قرار پائے گی۔ اس لیے کہ سلف و خلف میں سے کسی نے اس اصل کو منشائے نکیر نہیں فرمایا: ثانیاً علمائے ثقات اور ائمہ سلف ہمیشہ اس روایت کو ان آداب میں ذکر کرتے آئے ہیں، جو حضور کی مجلس میں حاضری سے متعلق ہیں۔ کما نقل عن مالك الامام وغیرہ من الائمة الاعلام؛ ثالثاً اس صورت میں مسجد کی رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کی طرف نسبت محض تشریفِ مسجد کے لیے ہوگی، حکم نکیر براہِ راست اس اضافت سے متعلق نہ ہوگا، حالاں کہ حضرت فاروقِ اعظم رضؓ نکیر ہی ان الفاظ سے فرما رہے ہیں۔ پس اس میں تاویلِ مذکور یقیناً "صرف عن الظاہر" ہوگی اور ظاہر ہے کہ جب کلام اپنے اصل پر محمول ہو سکے تو وہاں "صرف عن الظاہر" درست نہیں ہوتا؛ رابعاً حضرتِ فاروقِ اعظم رضؓ نے اس نکیر پر دلیل پیش نہیں فرمائی، بلکہ اس اضافت ہی کو دلیل کے انداز میں بیان فرمایا ہے اگر محض احترامِ مسجد ہی مقصود ہوتا، تو اس پر دلیل بھی بیان فرما دی ہوتی۔ اسلیے کہ یہ مسئلہ اُس سطح پر بھی نظری ہی تھا، ہاں احترامِ دربارِ رسالت نصِ قرآن اور واضح تعامل کے پیشِ نظر ضرور یہ درجہ اختیار کر چکا تھا کہ اسے معرضِ دلیل میں لائے بغیر ہی منشائے نکیر کے طور پر بیان کیا جا سکے؛ خامساً محض احترامِ مسجد کو نظر انداز کرنا قابلِ اخراج عن المسجد تو ہو سکتا ہے (فعله عبد الله من مسعود رضؓ كما رواه الدارمي في سننه)، لیکن اسے قابلِ سزا قرار دینے کا قول سلف میں سے کسی نے نہیں کیا؛ ہاں آدابِ رسالت کو نظر انداز کرنا اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ضرور قابلِ سزا رہا ہے اور یہاں ایجاج کا ذکر ہے، اخراج کا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب!

Marfat.com

اگر حضرتِ عمر فاروقؓ کے اعتقاد میں حضورؐ اپنی قبرِ مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آوازوں کو خود نہ سُن رہے ہوتے تو حضرتِ فاروقِ اعظمؓ حضورِ اکرمؐ کے پاس دبی آواز سے بات کرنے کے قرآنی حکم کو اس انداز میں کبھی نہ بیان فرماتے۔ علاوہ مسجد تک بلند آواز نکالنے کو قابلِ سزا قرار دینا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمرِ فاروقؓ آں حضرتؐ کو اپنے روضۂ اطہر میں فائز الحیات، زندہ اور مدرک الاصوات سمجھتے تھے۔ پیشِ نظر رہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس کی صحت اور تقریب ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے۔

تائیدِ مزید

قد روی عن ابی بکر الصدیقؓ قال لا ینبغی رفع الصوت علی نبی حیًا ولا میتًا وروی عن عائشۃؓ انہا کانت تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور المطنبۃ بمسجد رسول اللہ ﷺ فترسل الیہم لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا وما عمل علی بن ابی طالبؓ مصراعی دارہ الا بالمناصع[1]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں۔ نہ وفات سے پہلے، نہ وفات کے بعد۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جب کبھی اُن گھروں میں جو مسجدِ نبویؐ سے متصل تھے کسی میخ لگنے یا کیل لگنے کی آواز سنتی تھیں، تو یہ حکم بھیجی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو اور حضرت علیؓ نے اسی سے بچنے کے لیے اپنے گھر کے کواڑ باہر جاکر بنوائے تھے (تاکہ ان کے بننے کا شور حضورؐ کو اذیت نہ

۱؎ المناصع التی یتخلی فیہا للبول او قضاء الحاجۃ والواحد مصنع۔ قمر

Marfat.com

توقیاً لذالك هكذا رواه الحسینی فی اخبار المدینة وهذا مما یدل علی انھم کانوا یرون انه حیّ۔ | دے)۔ ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آں حضرت کو اپنے روضۂ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔

(شفاء السقام صہ۱۷۳ مصر)

حضرتِ عمر فاروق رض جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آتے، تو سب سے پہلا کام، جو آپ رض کرتے، وہ آں حضرت ؐ کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور اسی کی آپ رض دوسروں کو تلقین فرماتے تھے۔

"اوّل کارے کہ عمر رض ابتدا کرد سلام پیغمبر بود، صلی اللہ علیہ وسلّم"۔

(جذب القلوب صہ۲۰)

حضرتِ عثمان رض کا اعتقاد

امیر المومنین سیدنا حضرتِ عثمان رض کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو بعض صحابہ رض نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ آپ شام چلے جائیں، وہاں کی افواج مضبوط ہیں۔ اس پر حضرت عثمان رض نے ارشاد فرمایا :-

"روا ندارم کہ از دار الہجرت خود مفارقت کنم و مجاورتِ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم بگذارم"۔ | میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دار الہجرت کو چھوڑ جاؤں اور (یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ) حضورؐ کی ہمسائگی چھوڑ دوں۔

(جذب القلوب صہ۸۸)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رض حضورِ اکرمؐ کو اپنے روضۂ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔ اگر وہاں جسدِ اطہر محض بے حس و بے شعور پڑا ہوتا اور روح اس سے بالکل جدا ہوتی،

Marfat.com

تو پھر اس قرب کا آخر کیا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا قرب کسی لذت کا سامان نہیں ہو سکتا۔ جب جلائے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے۔ حضرتِ عثمانؓ شام نہ گئے اور مجاورتِ رسولؐ میں وہ لذت اٹھائی کہ اس پر جان قربان کر دی ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرتِ علی مرتضیٰؓ کا اعتقاد

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

من زار قبر رسول اللہ ﷺ کان فی جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (جذب القلوب ص۱۸۱)

جو حضورؐ کے روضۂ اطہر کے پاس حاضر ہو وہ اس وقت حضورؐ کی ہمسائگی میں ہوتا ہے۔

اگر حضورِ انورؐ کی روحِ اقدس آپ کے جسدِ اطہر سے مفارق اور بالکل بے تعلق ہوتی تو سیدنا حضرت علیؓ اس خصوصیت کے ساتھ قربِ روضۂ مطہرہ کو ہمسائگیٔ رسولؐ ہرگز قرار نہ دیتے۔ آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح حضورِ اکرمؐ کو اپنے روضۂ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرتِ تھانویؒ نے فرمایا:۔

"مدینۂ منورہ جانے والا یہ نہ کہے کہ میں نے حضورِ انورؐ کی قبر کی زیارت کی، بلکہ یوں کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی، کیوں کہ حضورؐ زندہ ہیں۔"

(وعظ التبلیغ ص۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ)

علمائے کرام نے حضرت علیؓ کے اس عمل کی علت اسی حقیقت کو قرار دیا ہے:

اذ ھو حی فی قبرہ یصلی فیہ (زرقانی جلد ۵ ص۳۰۲)

Marfat.com

حضرت علیؓ کے اس عمل کی بنا یہی تھی کہ حضورؐ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں۔

وما عمل علی بن ابی طالبؓ مصراعی دارہ الا بالمناصع[1] توقیاً لذالک۔ (شفاء السقام ص۱۷۳ مصر)	حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے گھر کے دروازے مدینہ میں ایک باہر کی جگہ میں بنوائے تاکہ کواڑ بننے کا کہیں شور پیدا نہ ہو اور حضورؐ کو اذیت نہ ہو۔

علاوہ ازیں حافظ ابو عبداللہ 'مصباح الظلام' میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی حضورِ انورؐ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کی :-

"یا رسول اللہؐ! آپؐ نے جو پروردگار سے سُنا، ہم نے آپؐ سے سُن لیا اور جو کچھ آپؐ نے خدا سے یاد کیا، ہم نے آپؐ سے یاد کر لیا۔ آپؐ پر جو آیات نازل ہوئیں اُن میں یہ آیت شریفہ بھی ہے :-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (پ۵ نساء)	اور ان لوگوں نے جب اپنے آپ پر ظلم کیا تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعائے معافی کرتے، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

روضۂ منورہ سے آواز آئی :-

"اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا ہے۔" (جذب القلوب فارسی ص۱۹۲)

حضرت علی مرتضیٰؓ کی یہی روایت علامہ ابو حیان اندلسیؒ البحر المحیط جلد ۵ ص۲۸۳ مصر میں، علامہ سمہودیؒ وفاء الوفا میں (خلاصۃ الوفاء ص۵۵ مصر) اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر جلد ۵ ص۲۶۵

---

[1] محل بالمدینۃ کان منبرز النساء لیلاً قبل اتخاذ الکنف وھی ناحیۃ بئر ابی ایوب۔ (زرقانی جلد ۸ ص۳۰۳ مصر)

میں نقل فرماتے ہیں ۔ حضرت علیؓ کا یہ مشاہدہ اور پھر اس پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور نہ اس کی کوئی توجیہ کرنا ان کے اس عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ :۔

"جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضورِ اکرمؐ کی ہمسائگی میں ہے"۔ (جذب القلوب ص۱۸۰)

یاد رہے کہ اعرابی کا مذکورہ بالا واقعہ ہم نے صرف تائیداً نقل کیا ہے۔ پس اسناد کا متصل نہ ہونا اور روایت میں کلام ہونا مضر نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ استدلال مقصود نہیں، صرف استشہاد پیشِ نظر ہے۔

تنبیہ

اعرابی کی یہ روایت اپنی جگہ تسلیم ہو یا نہ ہو لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ آیتِ مذکورہ میں "جاءوک" (اگر وہ گناہگار آپ کے پاس حاضر ہوتے) کا مطلب آں حضرتؐ کی یہاں کی دنیوی زندگی تک بالکل محدود نہیں سمجھا گیا، بلکہ آں حضرتؐ کو وفاتِ شریفہ کے بعد پھر حیاتِ حقیقی اور سماعِ حقیقی حاصل ہے اور ان کے حضورؐ میں پھر دعائے استغفار کے لیے عرض کیا جا سکتا ہے۔ محدثینؒ اور مفسرینؒ کا اس آیتِ شریفہ کے تحت ایسے واقعات نقل کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ "جاءوک" کا مطلب ہرگز اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں، بلکہ اب بھی آپؐ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر دعائے مغفرت کے لیے عرض کیا جا سکتا ہے :۔

وراجع له شرح المسلك المقسط للملا على القارى ص۲۸۱ مصر

وشرح الشفاء للعلامة الخفاجى المصرى جلد۳ ص۳۹۸

والزرقانى جلد۸ ص۲۹۹ ، ص۳۰۲ مصر۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں :۔

Marfat.com

"فقہاؒ[1] نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعتِ مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص۱۰۱)

حضرتِ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اس آیت شریفہ میں "جاؤک" (اگر گناہگار آپ کے پاس حاضر ہوں) کو عام رکھا ہے، فرماتے ہیں:۔

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص ہو تو کیونکر ہو۔ آپ کا وجود باجود تربیتِ تمام اُمت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے اُمتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا، جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔" (آب حیات ص۴۹)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

"مواہب میں بسندِ امام ابو المنصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزیؒ نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبرِ مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسلؐ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی، جس میں ارشاد فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ـــ میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔ اور پھر دو شعر پڑھے .... ان محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ اھ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اُس وقت

---

[1] فتح القدیر جلد ۲ ص۳۳۶ مصر میں ہے ثم یسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعة فیقول یا رسول اللہ اسألك الشفاعة یا رسول اللہ اسألك الشفاعة واتوسل بك الی اللہ فی ان اموت مسلماً علی ملتك وسنتك ویذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق ...... انتھی قلت وکذالك فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فراجع له تجده کافیاً فی کل باب شافیاً من کل ارتیاب واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

Marfat.com

نکیر منقول نہیں، پس حجت ہوگیا۔" (نشر الطیب ص ۲۱۹)

فثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

(اعلاء السنن جلد ۱۰ ص ۳۲۹/۳۳۰)

بہ تحقیق اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

اعرابی کی حکایت مذکورہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر (جلد ۳ ص ۱۳۲ مصر) میں، شیخ ابو المنصور صباغؒ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں اور یہی واقعہ تفسیر مدارک (جلد ۱ ص ۲۹۹ مطبوعہ مصر) میں بھی موجود ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

جمیع ارباب مذاہب اربعہ کہ تصنیف مناسک حج کردہ اند، ایں حکایت را آوردہ و استحسان نمودہ و بسیارے از ائمہ و اعلام باسانیدے کہ دارند روایت آں کردہ۔

چاروں مذہبوں کے علماء نے، جنھوں نے مناسک حج پر تصنیفات کی ہیں، اس حکایت کو بیان کیا ہے، اس کی تحسین کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ نے اپنی اپنی سند دل سے روایت کیا ہے۔

(جذب القلوب ص ۱۹۵)

ممکن ہے محمد بن حرب کی یہی روایت دراصل حضرت علی مرتضیٰؓ سے منقول ہو، اختصار کے باعث محمد بن حرب سے اوپر کی سند حذف ہو گئی ہو اور "اعتماد علی محمد بن حرب" کے سبب اس کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔ ہم نے اس روایت کو صرف تائید مفہوم اور آیت شریفہ کے بیان عموم کے لیے نقل کیا ہے، مستقل استدلال مقصود نظر نہیں۔

Marfat.com

تتمۃ الفصل

بیانِ عقیدہ از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

علامہ سبکیؒ نقل فرماتے ہیں:-

روی عن عائشۃ انہا کانت تسمع صوت الوتد یوتد و المسمار یضرب فی بعض الدور المطنبۃ بمسجد رسول اللہ ص فترسل الیہم لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (شفاء السقام ص۱۷۳)

حضرتِ عائشہ رضؓ جب کبھی ان گھروں سے جو مسجدِ نبویؐ سے متصل تھے، کسی میخ یا کیل لگانے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو۔

وکذالک فی شرح العلامۃ الزرقانی جلد ۸ ص۳۰۴ مصر۔

عن عائشۃ رضؓ قالت کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما ھو زوجی وابی فلما دفن عمر معہم فواللہ ما دخلت الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمر رضؓ رواہ احمد۔

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں جس میں کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم تھے، چادر کھلے داخل ہو جایا کرتی تھی، مجھے یہی خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند اور میرے والد ہی تو یہاں ہیں۔ جب حضرتِ عمر رضؓ وہاں دفن ہوئے، تو خدا کی قسم، میں وہاں پردے ہی سے جاتی تھی اور یہ حضرتِ عمر رضؓ سے حیا کے باعث تھا۔

(کذا فی المشکوٰۃ ص۵۴۱)

(رجال اسناد احمد رجال صحیح (تنقیح الرواۃ جلد ۴ ص۳۴۲ مطبع انصاری

Marfat.com

دیکھیے، حضرت عائشہؓ یوں نہیں کہہ رہی ہیں کہ میں اس حجرے میں داخل ہوتی تھی، جس میں کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کا بدنِ میت مدفون تھا، بلکہ یوں فرما رہی ہیں:
"جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے"۔

نبوت و رسالت کے لیے ادراک و شعور لازم ہے۔ اگر ذاتِ مدفون محض بے حس و بے شعور ہو تو پھر اُسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی نہیں کہا جا سکتا اور اگر کہنا ہی ہو، تو حکمی طور پر کہنے سے چارہ نہیں، حقیقی اعتبار سے بے حس و بے شعور ذاتِ مدفون کو ہرگز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی گنجائش نہیں؛ فقط روحِ اقدس کے لیے تو لفظ "رسول اللہ" کے اطلاق کے لیے تاویل ہو سکتی ہے۔ روح اقدس اور جسمِ اطہر کے مجموعہ پر بھی یہ اطلاق بلا ریب صحیح ہے، لیکن فقط بدن، جس میں ادراک و شعور دونوں منتفی ہوں اس پر حقیقی اعتبار سے اطلاقِ رسول قطعاً محال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المومنینؓ، حضورِ انورؐ کو آپؐ کے روضۂ اقدس میں زندہ یقین کرتی تھیں۔ حضرتِ عائشہؓ کا سماعِ موتیٰ سے انکار مشہور ہے۔ مگر یہاں نہ صرف اس کا استثنا ہے، بلکہ رویتِ بصری بھی ثابت کی جا رہی ہے۔ ہاں پردے کی چادر کا چونکہ مقصودِ وجود ہی ستر و حیا اور پردے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کثافت باقی رہنے دی جاتی تھی۔ تاکہ جس طرح قبورِ شریفہ کی پاک مٹی سے یہ انکشافات جاری ہیں۔ پردے کی چادر سے ایسا نہ ہو اور اس کا مقصودِ وجود باطل ہو کر نہ رہ جائے۔

بات در اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی چیز کو قائم رکھتے ہیں، اس کا مقصودِ وجود ضائع نہیں فرماتے۔ ہاں ضمنی حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ قبر کا مقصودِ وجود ذاتِ مدفون کو عامۃ الناس سے پردے میں کرنا ہوتا ہے، عامۃ الناس کو ذاتِ مدفون سے پردے میں لانا نہیں ہوتا۔ ایسا اگر ہو، تو ضمناً ہوتا ہے۔ پس اگر ذاتِ مدفون کو پردۂ قبر میں سے باہر کا انکشاف ہو رہا ہو اور باہر والے اسے عادۃً نہ دیکھ سکیں تو اس سے مقصودِ وجود باطل نہیں

Marfat.com

نہیں ہوتا اور پردہ چادر کا چونکہ مقصود خود ہی اوڑھنے والے کو پردے میں لانا ہے۔ اس لیے انکشاف کی حدود اگر اس کے پار نہ ہو سکیں، تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حاشیہ مشکوۃ میں اس حدیثِ عائشہ رض پر یوں لکھا ہے :۔

اوضح دلیل علی حیات المیت	یہ حدیث حیات میت پر بہت واضح دلیل
وعلیٰ انہ ینبغی احترام القبور	ہے اور اس پر کہ قبورِ شریفہ کا احترام جہاں تک
عند زیارتہ مہما امکن لاسیما	ممکن ہو سکے کیا جائے، خاص طور پر صالحین
الصالحون بان یکون فی غایۃ	کی قبور کے سامنے بہت ادب و حیا ملحوظ
الحیاء والتادب بظاھرہ باطنہ۔	رہے۔

(ص۱۵۴)

حضرتِ صدیقہ رض کے اس تعامل سے نہ صرف آں حضرت کی حیاتِ طیبہ اور آپ کے حواس کے روشن ہونے کا پتہ چلتا ہے، بلکہ حضرتِ صدیقِ اکبر رض اور حضرتِ فاروقِ اعظم رض کی حیاتِ اقدس اور ان کے حواس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ولید بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رض والیِ مدینہ تھے، تو ایک دفعہ آں حضرت کے روضۂ اقدس کی دیوار خستگی کی وجہ سے کچھ کھل گئی، تو ایک قدم نظر آیا۔ لوگ بہت گھبرائے۔ یہاں تک کہ :۔

جاء سالم بن عبداللہ بن	حضرتِ عمر رض کے پوتے سالم رض آئے اور انھوں
عمر بن الخطاب رض وعرف الناس	نے پہچان کی کہ یہ ان کے دادا سیدنا حضرتِ
انہا قدم جدہ عمر بن الخطاب رض	عمر رض کا قدمِ مبارک تھا۔

(مختصر تذکرہ قرطبی ص۱۰)

انبیاءؑ کے علاوہ بعض دوسرے متقربین کے اجساد کا بھی محفوظ ہونا

حیاتِ قبریہ اور اس کے ادراکات

۱- جب امیرِ معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں مدینہ منورہ میں ایک نئی نہر کھدوانے کا حکم دیا تو اس کی گزرگاہ میں اتفاق سے قبرستانِ اُحد آتا تھا۔ آپؓ نے حکم دیا کہ ان مدفونین کو یہاں سے اُٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب قبریں کھولی گئیں، تو شہدائے اُحد اپنی اصلی حالت پر بالکل تر و تازہ تھے۔ کھودتے ہوئے اتفاق سے ایک کدال حضرتِ حمزہؓ کے پاؤں کے قریب جا لگی، اسی وقت خون جاری ہو گیا۔ یہ واقعہ جنگِ اُحد سے قریباً ۵۰ سال بعد کا ہے۔

۲- بیہقیؒ نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت خزاعیہ نے حضرتِ حمزہؓ کی قبر پر سلام کیا :-

"السلام علیك یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

وہاں سے جواب آیا :-

"علینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ"

۳- حضرت عمرو بن جموحؓ انصاری بھی شہدائے اُحد میں سے تھے۔ جب سیلاب نے ان کی قبروں کو کھول ڈالا، تو یوں معلوم ہوتا تھا، گویا کہ کل دفن کیے گئے ہیں۔ جنگِ اُحد اور اس واقعۂ سیلاب کے مابین ۴۶ سال کا فرق تھا۔

فوجدا لم یتغیرا کانھما	پس ان دونوں کو اس طرح پایا گیا گویا کہ وہ
ماتا بالامس وکان احدھما	ابھی کل ہی فوت ہوئے ہیں۔ دونوں میں سے
قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ	ایک کو ایسا زخم لگا تھا کہ انھوں نے اپنا

Marfat.com

فدفن وهو كذالك فاميطت يده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت۔
(موطا امام مالکؒ ص۱۷۱)

ہاتھ اس پر رکھا تھا اور اسی طرح انھیں دفن کر دیا گیا تھا۔ پس جب ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا، تو وہ وہیں آ گیا، جہاں کہ تھا۔

۴۔ حضرتِ حذیفہؓ اور حضرتِ عبد اللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ پندرہ بیس برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ دریا زمین کاٹتا ہوا ان مزاماتِ مقدسہ تک پہنچنے لگا۔ حکومتِ عراق نے حکم دیا کہ ان مزاراتِ شریفہ کو یہاں سے حضرتِ سلمانِ فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو؛ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آٹھ دس ہزار آدمیوں کے قریب ان جنازوں میں شامل ہوئے۔ ان شاملین میں سے ایک صاحب سید الطاف حسین بیان کرتے ہیں:۔
"قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ برپا کر دیا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں، کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ"۔ (صدق لکھنؤ ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۴ء)

ورد النص فى كتاب الله فى حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان الحياة فيهم متعلقة بالجسد۔
(نیل الاوطار جلد ۳ ص۲۱۱)

شہدائے کرام کے حق میں نصِ قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انھیں رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہے۔ (خواہ ہمارے ادراک سے بالاہی کیوں نہ ہو)۔

شہدائے کرام کی قبور کھلنے پر اگر ہمیں ان کے حرکت و عمل پر اطلاع نہیں ہوتی اور ہم انھیں عبادت کرتا ہوا محسوس نہیں کر سکتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں میں وہ قوت نہیں کہ ہمیں ان کے مصروف بالعبادت ہونے کا ادراک ہو سکے، یہ نہیں کہ وہ ذواتِ مدفونہ ہی معطل عن الافعال ہیں۔ پردۂ برزخ اس ادراکِ لطیف میں حائل ہوتا ہے ہاں، اللہ

Marfat.com

تعالیٰ جب کسی کے نبیے اس عالم سے پردہ اُٹھا دیں تو وہ اس عالم میں ہوتے ہوئے بھی اُس عالم کے بہت سے حالات مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

سیدنا حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل

حدثنا ابو معاویۃ عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمرؓ انہ کان اراد ان یخرج دخل المسجد فصلی ثم اتی قبر النبیؐ فقال السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک یا ابتاہ ثم یاخذ وجھہ، وکان اذا قدم من سفر یفعل ذلک قبل ان یدخل منزلہ۔

(المصنف لابن ابی شیبۃ الجزء الرابع ص۱۳۸ ھند)

حضرت ابن عمرؓ جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو مسجدِ نبویؐ میں آتے، نماز پڑھتے اور پھر روضۂ انور پر حاضر ہوتے اور السلام علیک یا رسول اللہ! یا ابا بکر! اور السلام علیک اے ابا جان! پڑھتے اور پھر اپنے منہ کو تھام لیتے اور جب سفر سے واپس ہوتے، تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح صلوٰۃ وسلام عرض کرتے۔

اخرجہ عبدالرزاق ایضاً بسند صحیح ص۴۱۰ - (وفاء الوفاء للسمہودی جلد۲)

عبدالرحمٰن باسناد صحیح می آرد کہ ابنِ عمر چوں از سفر قدوم می آرد اوّل بقبر شریف می رسید و می گفت السلام علیک یا رسول اللہ! (جذب القلوب ص۲)

وراجع لہ الموطا للامام محمد ص۳۹۶

عن نافع کان ابن عمرؓ یسلم علی القبر رایتہ فی الیوم مأۃ مرۃ واکثر یجیٔ الی القبر

حضرتِ نافع کہتے ہیں کہ حضرتِ ابنِ عمرؓ کو میں نے دیکھا وہ روضۂ اطہر پر سلام عرض کرتے تھے۔ میں نے ایک ایک دن میں انھیں

Marfat.com

فیقول السلام علیک	سوسو دفعہ، بلکہ اس سے بھی زائد بار قبر شریف
(منتہی المقال ص۱۳۷ المفتی صدر الدین)	پر آنے اور "السلام علیک یا رسول اللہ" پڑھتے
	دیکھا۔

حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے بھی یہی صیغے سلام کے لکھے ہیں:۔

"السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک یا حبیب اللہ!" (زبدۃ المناسک ص۹۰ مطبوعہ لاہور)

سیّدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول فرمانے کے بعد روضۂ اطہر پر حاضری دیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

ولیاتین قبری حتی یسلّم	حضرت عیسیٰؑ ضرور میری قبر پر بھی آئیں گے،
علی ولا ردن علیہ رواہ الحاکم	اور سلام کہیں گے اور میں بھی اس کا جواب
وصححہ۔ (در منثور جلد۲ ص۲۴۵)	دوں گا۔

تنبیہ

روایاتِ سابقہ میں صرف سلام عرض کرنے ہی کا صیغہ ملتا ہے:

السلام علیک یا رسول اللہ ــــ وغیر ذالک

البتہ شرح شرعۃ الاسلام میں جو ترکی احناف کے ہاں بہت بڑا علمی اور تحقیقی فقہی سرمایہ ہے، یوں بھی مرقوم ہے:۔

یقول الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔

(شرح شرعۃ الاسلام ص۱۵۱ مطبوعہ استنبول)

روضۂ اطہر کے پاس ان صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا اسی لیے ہے کہ حضورؐ حدودِ مسجد کے قرب میں خود سماعت فرماتے ہیں۔ پس اس طرزِ ادا سے کسی غلط عقیدے

کا ایہام نہیں ہوتا۔ اگر حضورؐ روضۂ مطہرہ پر بھی خود نہیں سنتے، تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں ہمارے ائمہ کرامؒ الفاظ موہمہ سے احتراز کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام کی مختلف کیفیات صرف اسی صورت میں لائق قبول ہیں کہ کسی طرح کے غلط عقیدے کا ایہام پیدا نہ ہوتا ہو۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:۔

قد اختار جماعة من العلماء كيفيات فى الصلوٰة۔ ومقتضى كلام ائمتنا المنع من ذالك الا فيما ورد عنه صلى الله عليه وسلم على ما اختاره الفقيه۔

(رد المحتار جلد ۵ ص ۳۴۹)

علما کے ایک طبقے نے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے باب میں مختلف کیفیات جائز قرار دی ہیں۔ ہمارے ائمہ احناف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ماسوائے ماثورہ صیغوں کے باقی تمام الفاظ موہمہ سے پرہیز کیا جائے، جیسا کہ فقیہ نے فیصلہ فرمایا ہے۔

پس اگر حضورؐ اپنے روضۂ اقدس کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود نہ سنتے ہوتے تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوتا، اور اگر جائز ہوتا تو پھر قریب وبعید ہر جگہ سے جائز ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل ہر جگہ پر توارث تعامل کے طور پر موجود ہوتا۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ پھر عامۃ المسلمین کی قبروں کے پاس صیغہ خطاب سے سلام کہنے کی کیا توجیہہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہاں خطاب جمع اور جنس مومنین کو ہے کسی معین کو نہیں، اور یہاں ایک ذات معین کو اس صیغۂ خطاب سے مخاطب کیا جا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معین مخاطبین سے خطاب مجاز کے جتنے پہلو اپنی لپیٹ میں لیے ہوتا ہے، معین فرد واحد کہ خطاب کرنے میں اس کی اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔ فافہم وتفکر؛

Marfat.com

حضرت ابو ایوب انصاری رض

عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان یوماً فوجد رجلاً واضعاً وجهه علی القبر فاخذ برقبته وقال اتدری ما تصنع قال نعم فاقبل علیه فاذا هو ابو ایوب الانصاری رض فقال جئت رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم آت الحجر سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لا تبکوا علی الدین اذا ولیه اهله ولکن ابکوا علیه اذا ولیه غیر اهله۔

ایک دن مروان آیا اور اُس نے ایک شخص کو روضۂ انور پر منہ رکھے ہوئے دیکھا۔ اُس نے اُسے گردن سے پکڑ کر ہٹایا اور کہا "جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟" اُس نے کہا "ہاں"۔ وہ اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رض ہیں۔ آپؓ نے فرمایا "میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، پتھروں کے پاس نہیں آیا۔ میں نے حضورؐ کو فرماتے سُنا کہ اس وقت دین پر نہ رونا جب اُس کے والی اُس کے اہل ہوں۔ بلکہ اُس وقت رونا جب کہ دین کی ولایت غیر اہل ہاتھوں میں آجائے۔"

اخرجه الحاکم وقال صحیح الاسناد جلد ۴ ص۵۱۵ واقره علیه الذهبی فقال صحیح۔[له]

له رواه احمد ایضاً بسند حسن قال حدثنا عبد الملک بن عمرو حدثنا کثیر بن زید عن داؤد بن ابی صالح قال ...... الخ قال الهیثمی رواه احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط وفیه کثیر بن زید وثقه جماعة وضعفه النسائی (کما فی کتاب الضعفاء والمتروکین للامام النسائی) وغیره ورواه یحیی بن الحسین بن جعفر الحسینی فی اخبار المدینة حدثنی عمر بن خالد حدثنا ابو نباتة عن کثیر بن زید عن المطلب بن عبد الله قال السبکی وابو نباتة ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه قلت لا ضیر فان احمد رواه عن عبد الملک بن عمرو وهو ثقة عن کثیر بن زید وقد حکم السبکی بتوثیقه (کذا فی وفاء الوفاء جلد ۴ ص۱۳۵۹)۔

پیشِ نظر رہے کہ یہ مقام فقط انھی حضرات کا ہے، جنھیں پورا انکشاف ہو رہا ہو اور وہ قبر سے نہیں، صاحبِ قبر سے مصروفِ نیاز ہوں۔ پس ان لوگوں کے لیے جو اس مقامِ انکشاف کے بغیر روضاتِ عالیہ یا قبورِ شریفہ سے لپٹتے ہوں یا انھیں بوسہ دیتے ہوں، اس حدیث میں کوئی دلیل اور حجت نہیں۔ ان کے لیے ایسے اُمور کا ارتکاب جیسا کہ فقہائے کرامؒ نے فرمایا ہے، قطعاً ناجائز ہے۔

خلاصۃ البیان

یہ کہ آں حضرتؐ کے ارشادات عالیہ خلفائے راشدینؓ کے عقائدِ قدسیہ، اُمّ المؤمنینؓ کے عملی فیصلے اور صحابہ کرامؓ کے نظریات یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکے۔ ان سب میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ حضورِ انورؐ اپنے روضۂ اطہر میں فائز الحیات ہیں اور قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں۔ احادیثِ اربعہ اور خلفائے اربعہ کے فیصلوں کے بعد اب مسالکِ اربعہ کو بھی لیجیے:۔

الفصل الثانی

مذاہبِ اربعہ در حیاتِ نبویہؐ

مالکیہ

سیدنا حضرت امام مالکؒ مدنی ہونے کے اعتبار سے اس باب میں خاص طور پر ممتاز ہیں۔ آپ روضۂ اطہر کے پاس ہی مسجدِ نبوی میں درسِ حدیث دیتے تھے۔

امیر المؤمنین ابو جعفر نے امام مالکؒ سے کسی مسئلے میں مسجدِ نبوی میں گفتگو کی تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! تم کو کیا ہوا، اس مسجد میں آواز مت بلند

Marfat.com

کرو کہ حضورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد وہی ہے، جو حالتِ حیات میں تھا، سو ابوجعفر دب گیا۔

نشر الطیب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ص۲۱۱ مطبوعہ دیوبند۔

وکذالک فی وفاء الوفاء جلد ۲ ص۴۲۳ طبع مصر۔

نقل عن الامام مالکؒ انه کان یکره ان یقول رجل زرت قبر النبیؐ قال ابن رشد من اتباعه ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموتی وهو صلی اللہ علیه وسلم احیاه اللہ تعالی بعد موته حیاة تامة واستمرت تلک الحیوٰة وهی مستمرة فی المستقبل، ولیس هذا خاصة به صلی اللہ علیه وسلم بل یشارکه الانبیاءؑ فهو حی بالحیاة الکاملة مع الاستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی۔

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ "میں نے حضورؐ کی قبر کی زیارت کی"۔ امام مالکؒ کے مقلدین میں سے ابنِ رُشد اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر موتی کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور حضورؐ وفات شریفہ کے بعد اب حیاتِ تامہ سے زندہ ہیں اور یہ حیات آئندہ بھی اسی طرح رہے گی۔ یہ صرف آپ ہی کا خاصہ نہیں، بلکہ تمام انبیاءؑ اس وصف میں آپؐ کے ساتھ شریک ہیں۔ پس آپؐ غذائے حسِ دنیوی سے استغنا کے باوجود حیاتِ کاملہ سے زندہ ہیں۔

نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن ص۱۳ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی۔

(وکذالک فی وفاء الوفاء جلد ۲ ص۴۱۳، ص۴۱۴ مصر)

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبیؒ (جلد ۵ ص۲۶۵)، امام ابوحیان اندلسی (البحر المحیط جلد ۱ ص۲۸۳)، علامہ ابن الحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی جمرۃ وغیرہم

Marfat.com

من الکبار نے ان مسائل کا خوب تذکرہ کیا ہے۔

شوافع

شوافع میں سے امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے حیاتِ انبیاءؑ کے عنوان پر مستقل تصانیف سپردِ قلم کی ہیں۔ علامہ طیبیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ امام غزالیؒ اور علامہ سبکیؒ نے بھی انھی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہ اکابر، خواہ مالکی ہوں، خواہ شافعی، کسی مقام پر بھی اس تحقیق کو اپنے فقہی مسلک کے تحت ذکر نہیں کرتے، بلکہ جہاں کہیں اس عقیدے کا ذکر آتا ہے، وہاں اسے مسلکِ اہلِ سنت ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

جمیع اکابر شافعیہؒ یہی مسلک رکھتے ہیں کہ آں حضرتؐ کو اپنے روضۂ اطہر میں جو حیات حاصل ہے وہ حیاتِ جسمانی ہے اور وہی جسدِ اطہر فائز الحیات ہے، جو اس دنیا میں تھا۔

علامہ قونویؒ (شافعی المسلک) کا تفرد اس میں تو ہے کہ وہ انبیائے کرامؑ کے استقرارِ قبر میں استمرار کے قائل نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیائے کرامؑ دفن کے کچھ دن بعد اپنی قبورِ شریفہ سے اٹھا لیے جاتے ہیں اور ملاءِ اعلیٰ میں استقرار پذیر ہوتے ہیں، لیکن اس حقیقت سے انھیں بھی انکار نہیں کہ انبیائے کرامؑ کی روحیں ان کے اجسادِ کریمہ سے ہرگز جدا نہیں ہوتیں اور جہاں بھی انبیائے کرامؑ کے یہ دنیا والے جسم ہوں، وہیں انھیں حیاتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ حیاتِ جسمانی پر بہر صورت اجماع قائم ہے اور علمائے شافعیہؒ کا "حیات فی القبر" پر جو اجماع ہے، وہ بھی ایک تفرد سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔

Marfat.com

عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یحس و یعلم و تعرض علیہ اعمال الامۃ و یبلغ الصلوٰۃ والسلام۔
(طبقات شافعیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۳)

ہم شافعیہ کے نزدیک حضورؐ زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے۔ آپ پر اعمالِ اُمت بھی پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

حنابلہ

حنابلہ میں سے حافظ ابنِ تیمیہؒ کی یہ تحقیق کہ حضورؐ اپنے روضۂ اطہر کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود بلا واسطہ سُنتے ہیں، ان کی اپنی تحریر سے باحوالہ بتقید صفحہ و مطبع آپ کے سامنے آچکی ہے۔ حافظ ابنِ قیمؒ کی تصریحات بھی یکے بعد دیگرے آپ ملاحظہ فرما چکے۔

قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی۔

حنابلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضورِ انورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

(الروضۃ البھیہ ص ۱۴ ولیوید ہ ما فی مبدا الجد الفصل ۲ لابن القیمؒ)

حنفیۂ کرام[1]

علامہ شرنبلالیؒ نور الایضاح میں فرماتے ہیں (یہ کتاب دار العلوم دیوبند کے

---

[1] مسالکِ اربعہ میں سے اس مسلک کو باوجودیکہ یہ رُتبۃً، تحقیقاً اور قبولاً باقی سب مسالک پر فائق و مقدم ہے، آخر میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی کچھ تفصیل مطلوب تھی اور پہلے تین مسالک چونکہ ہمارے بلاد میں کم پائے جاتے ہیں، اس لیے ان کے متعلق اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

Marfat.com

نصابِ تعلیم میں داخل ہے) :-

ولما هو مقرر عند المحققین انه صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انه احجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات۔

(نور الایضاح ص۱۷۱)

محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضورِ انورؐ زندہ ہیں آپ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

۲۔ مراقی الفلاح میں ہے :-

ینبغی لمن قصد زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر الصلوٰۃ علیہ فانه یسمعها و تبلغ الیه۔ (ص۴۰۵ مصر)

جو شخص حضورِ اکرمؐ کی زیارت کرنے کے لیے آئے، اسے چاہیے کہ کثرت سے درود عرض کرے، کیونکہ آپؐ اسے خود سن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

۳۔ طحطاوی :-

(فانه یسمعها) ای اذا کانت بالقرب منه صلی اللہ علیہ وسلم (وتبلغ الیه) ای یبلغها الملك اذا کان المصلی بعیداً۔

(طحطاوی ص۴۰۵ مصر)

آپؐ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

تنبیہ: علامہ شرنبلالیؒ کا مذکورہ سابقہ فیصلہ اور پھر اسے مختارِ محققین قرار دینا اگر کچھ بھی محلِ نظر ہوتا، تو اس کے شارح اور پھر شارح کے شارح ہر مرحلے پر اس کی تصدیق و توثیق نہ کرتے چلے جاتے؛ آخر کسی مقام پر تو اسے نشانۂ ضعف

Marfat.com

کیا جاتا - جب ہر مرحلے پر اس کی تصدیق ہی تصدیق ہے، تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ فقہِ حنفی کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ حضورِ انورؐ اپنے روضۂ اطہر میں جسمانی طور پر فائز الحیات ہیں اور قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

۴- محقق علی الاطلاق امام ابن الہمامؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں :-

تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول السلام عليك ايها النبي و رحمة الله وبركاته ..... وذالك انه عليه السلام في القبر الشريف المكرم على شقه الايمن مستقبل القبلة فليكثر دعاءه بذالك في الروضة الشريفة عقيب الصلوة وعند القبر و يجتهد في خروج الدمع فانه من امارات القبول وينبغي ان يتصدق بشيءٍ على جيران النبيؐ ثم ينصرف متباكيا متحسرا على الفراق الحضرة النبوية والقرب منها ..... ثم يسئل النبيؐ الشفاعة فيقول يا رسول الله اسألك الشفاعة يا رسول الله! ..... الخ

ثم حضورِ انورؐ کی قبرِ شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ عرض کرو ..... اور یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبرِ شریف میں دائیں کروٹ قبلہ کی طرف رُخ کیے ہوئے ہیں، روضۂ شریفہ میں درود شریف کے بعد اور قبر کے پاس پھر کثرت سے دُعا کرے اور آنسو آجانے کی حد تک زاری کرے، کیونکہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے اور چاہیے کہ روضۂ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے۔ پھر روتا ہوا اور آپ کے قربِ اقدس سے جُدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس ہو ..... پھر حضورِ انورؐ سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یا رسول اللہ! میں شفاعت کے لیے سوال عرض کرتا ہوں۔

(فتح القدیر جلد ۲ ص ۳۳۷ اواخر الحج مصر)

Marfat.com

۵ ۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ :۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مالِ غنیمت میں سے رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، کا حصّہ آپؐ کی وفاتِ شریفہ کے بعد خلیفہ کو پہنچتا ہے، کیونکہ آں حضرتؐ کو یہ حق قیادت اور قیام بامور العامہ کی بنا پر پہنچتا تھا اور اب آپؐ کے بعد یہ انتظامیہ قیادت بصورتِ خلافت موجود ہے۔ احناف کے نزدیک آپؐ کا یہ حق امامت پر مبنی نہیں بلکہ رسالت پر مبنی تھا۔ آپؐ کی وفاتِ شریفہ کے بعد کسی نئے رسول کی آمد شرعاً نہیں؛ پس حنفیہ کے نزدیک سہم رسول وفاتِ پیغمبرؐ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے یہ بحث چلتی ہے کہ کیا رسول کی رسالت اس کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صرف حکماً باقی ہوتی ہے حقیقتاً نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حقیقتاً باقی ہے، یعنی حضورؐ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں۔ رسالت کو صرف حکماً باقی کہنا صحیح نہیں۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں :۔

افاد فی الدر المنتقیٰ انه خلاف الاجماع قلت وما نسب الی الامام الاشعریؒ امام اهل السنة والجماعة من انکار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح فی کتبه وکتب اصحابه خلاف ما نسبهٗ الیه بعض اعدائه لان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیا فی قبورهم وقد اقام النکیر علی افتراء ذالک ابو القاسم القشیری رح۔

(رد المحتار جلد ۳ باب المغنم ص ۳۶۶)

ترجمہ :۔ دُرِ منتقیٰ میں ہے کہ حضورؐ کی رسالت آپؐ کی وفاتِ شریفہ کے بعد اب بھی حقیقتاً باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا خلافِ اجماع ہے اور امام اہلِ سنت امام اشعریؒ کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے، وہ افترا اور بہتان ہے۔ اشاعرہ کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے آپؐ کی وفاتِ شریفہ کے بعد رسالت کا حقیقتاً باقی نہ رہنا اہلِ سنت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

Marfat.com

"کیونکہ انبیاء علیہم السّلام تو اپنی قبورِ شریفہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں"۔

(شامیؒ باب المغنم وقسمتہ ابعد قسمۃ الخمس ص ۳۶۶)

ان المنع هنا لانتفاء الشرط وهو اما عدم وجود الوارث بصفة الوارثيّة كما اقتضاه الحديث واما عدم موت الوارث بناءً على ان الانبياء احياء فى قبورهم كما ورد فى الحديث۔

(رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۲۰۳ مصر۔ الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم)

۶۔ علامہ عینیؒ :۔

انهم لا يموتون فى قبورهم بل هم احياء۔

یقیناً انبیائے کرامؑ اپنی قبورِ شریفہ میں مُردہ نہیں ہوتے، بلکہ وُہ وہاں زندہ ہوتے ہیں۔

(عینیؒ شرح بخاری جلد ۷ ص ۶۰)

۷۔ امام مُلّا علی قاریؒ :۔

ان الانبياء احياء فى قبورهم فيمكن لهم سماع صلوٰة من صلى عليهم۔

بے شک انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وُہ سُن سکتے ہیں اُس شخص کو جو ان پر درُود پڑھے۔

(مرقات جلد ۲ ص ۲۰۹)

المعتقد المعتمد انه صلى الله عليه وسلم حى فى قبره كسائر الانبياء فى قبورهم وهم احياء عند ربهم وان لارواحهم تعلقا بالعالم العلوى

عقیدہ جس پر پُورا اعتماد ہے، وُہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاءؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ارواحِ قُدسیہ کو عالمِ علوی اور عالمِ سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے،

Marfat.com

والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی۔

(شرح الشفاء للعلی القاری جلد ۲ ص ۱۴۲ مصر)

اور ایسا ہی تعلق انھیں اس دُنیا میں بھی حاصل تھا۔

اکابرِ فرقہ اہلحدیث

اہلِ سُنّت کی کشتی کے پانچویں سوار حضرات فرقہ اہلِ حدیث ہیں۔ ان کے اکابر کی تصریحات بھی دیکھیے:۔

۱۔ قاضی شوکانی یمنیؒ:۔

(۱) روحه صلی اللہ علیه وسلم لا تفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم۔

(تحفة الذاکرین شرح حصن حصین للشوکانیؒ ص ۲۸ مصر)۔

حضور انورؐ کی رُوح مبارک اپنے جسدِ اطہر سے جُدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاے کرامؑ اپنی قبورِ شریفہ میں زندہ ہوتے ہیں۔

(۲) انه حی فی قبرہ .... وقد ذهب جماعة من المحققین الی ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حی بعد وفاته۔

(نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱۰/۲۱۱)

حضورِ اکرمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اور محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضورؐ اپنی وفات شریف کے بعد زندہ ہیں۔

۲۔ شیخ کبیر عبداللہ بن[1] محمد بن عبدالوہاب نجدی:۔

---

[1] آپ نے اپنے عقائد پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا بیشتر حصہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء مقصد دوم میں حرف المیم کے ماتحت نقل فرمایا ہے۔ شیخ عبداللہ نے اس میں ان تمام الزامات کی تردید کی ہے، جو اس طبقے سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

والذی نعتقد ان رتبة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ ابلغ من حیات الشہداء المنصوص علیہا فی التنزیل اذ ھو افضل منھم بلاریب وانہ یسمع من یسلم علیہ۔ (اتحاف النبلاء ص۴۱۵ مطبوعہ کانپور)	ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور اکرمؐ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپؐ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپؐ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے، جو قرآنِ پاک میں منصوص ہے بہت بالا ہے؛ کیونکہ آپؐ ان سے بلا ریب افضل ہیں اور آپؐ اپنے روضۂ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

۳۔ نواب صدیق حسن خانؒ :۔

(۱) حدیث "من صلی علی عند قبری سمعتہ" (جو میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے، اسے میں خود سنتا ہوں) کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں :۔

اسنادہ جید (الدلیل الطالب ص۸۴۴)

(۲) حج الکرامۃ ص۲۸۵ میں واقعہ حرہ[۱] نقل فرمایا ہے کہ امام التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ میں ان دنوں حجرۂ شریفہ سے اذان اور اقامت سنتا تھا"۔ روضۂ اطہر سے آواز آنے کی اس روایت کے متعلق نواب صاحبؒ لکھتے ہیں :۔

"ابن جوزیؒ بسندِ متصل تا سعید بن المسیبؒ لایا ہے کہ سعید نے ایسا فرمایا"۔

حج الکرامۃ ص۲۸۶

۴۔ حضرت مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ :۔

"اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ خصوصاً

---

[۱] وسیاتی تفصیلہ وراجع لہ ص۲۰۹ من ھذا الکتاب۔

Marfat.com

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دُور سے پہنچایا جاتا ہوں"۔ (فتاوےٰ نذیریہ ۲ ص۵۵ ضمیمہ)

۵۔ مولینا عظیم آبادیؒ شارح ابی داؤدؒ:۔

ان الانبیاء فی قبورھم احیاء (عون المعبود جلد ۱ ص۴۰۵)۔ انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔

۶۔ التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی میں منقول ہے:۔

(۱) انھم احیاء فی قبورھم یصلون وقد قال النبی ص من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیا بلغتہ۔ (ص۲۳۷)

انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے اُسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

(۲) التعلیقات السلفیہ جلد ۱ ص۱۹۵ بر سنن نسائی، مطبوعہ دہلی جلد ۱ ص۱۸۵ کا پورا حاشیہ (جو حیاتِ قبریہ کے حیاتِ جسمانی عنصری اور غیر معطل عن الاشتغال الطیبہ ہونے پر نہایت واضح بیان اور مکمل برہان ہے) منقول ہے اور مؤلف نے اپنی عادت کے مطابق یہاں کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔

۷۔ "ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رتبہ حضور انورؐ کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے وہ اپنی قبر میں حیاتِ برزخیہ سے زندہ ہیں، جو کہ حیاتِ شہداء سے افضل و اکمل ہے اور سلام کہنے والے کا آپ سلام سنتے ہیں"۔

(الھدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوھابیۃ النجدیۃ ص۴۷ مطبوعہ مصر)

۸۔ پاکستان میں سعودی عرب کے سابق سفیر علامہ عبد الحمید الخطیب فرماتے ہیں:۔

Marfat.com

"کیا واقعی علمائے نجد اور علمائے وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ہاں" الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ" کہنا حرام ہے؟ تو میں نے اس کو جواب دیا کہ تمام اسلاف وہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں۔ بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے غلط عقائد وہابیہ کے ساتھ خلط ملط کر کے وہابیہ کو بدنام کر رہے ہیں۔ جیسا کہ انڈونیشیا کی ایک جماعت اور نوع وہابی کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ان کے عقائد سراسر وہابیہ کے خلاف ہیں۔ اس سے متاثر ہو کر میں نے یہ قصیدہ لکھا اور اس کو اجلۂ علمائے نجد کے سامنے پیش کیا۔ سب نے تصویب فرمائی"۔ (دیباچہ رسالہ اسمیٰ الرسالات ص ۶)

اس قصیدہ میمیہ کا پہلا شعر یہ ہے ؎

علیک سلام اللہ یا سید الورٰی

ومن قدرہ عند الالٰہ عظیم

یہ پورا قصیدہ "تحیۃ الحبیب" علامہ مذکور نے روضۂ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھا تھا۔

عقائدِ متکلمین در حیات النبیین

علمِ کلام کے مشہور امام علامہ تورپشتی فرماتے ہیں:۔

"صلوات و برکات چنداں کہ فہم از وے بر شود و اندیشہ درد گم گردد از سراپردہ کبریائی او نثار رواں پاک و کالبد زندہ ساکن مدینہ ... ."

پھر اہلِ سنت کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"داناں جملہ آنست کہ بداند کہ کالبد وے را زمین نخورد و بوسیدہ نشود و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد و حشر وے و جملہ انبیاء چنیں باشد و حدیثے درست است کہ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیا

Marfat.com

— هم احیاء فی قبورهم یصلون - واوّلِ همه پیغمبرِ ما برخیزد از گور — دانستنِ این همه که یاد کردیم مهم است۔"

(کتاب المعتمد فی المعتقد باب فصل ۳؎
للعلامة تورپشتیؒ)

تتمّة الفصل

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ

۱- انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر حیّ یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامة و اللہ تعالیٰ خلق ملٰئکة سیّاحین یبلغون الیہ الصلوٰة من امته - (الروضة البهیّة فیما بین الاشاعرة الماتریدیة ص۱۵)

حضورِ اکرمؐ اپنی قبرِ شریف میں زندہ ہیں، علم و احساس آپ میں برابر موجود ہیں اُمّت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے پیدا کر رکھے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور اُمّت کا صلوٰة و سلام پہنچاتے رہتے ہیں

۲- عندهم محمّد صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبره -
(طبقات الشافعیة جلد۳ ص۳۷۹)

اشاعرہ کے نزدیک حضورؐ اپنی قبرِ مبارک میں زندہ ہیں۔

۳- قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلّمون المحقّقون من اصحابنا ان

امام ابو المنصور بغدادیؒ نے فرمایا ہمارے اصحابِ محقّقینِ متکلّمین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضورِ اکرمؐ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد

Marfat.com

نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حیّ   پھر زندہ ہیں۔
بعد وفاتہ (اعلاء السنن جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۰)

الفصل الثالث

شواھد الحیات من بیان الواقعات

واقعۂ حرّہ

اسلامی تاریخ کا یہ سانحہ یزید کے عہدِ حکومت میں پیش آیا۔ مظالم کربلا کے بعد سنہ ۶۳ھ میں مسلمانوں کی تاریخ اس خونی المیہ سے رنگی گئی۔ یزید نے اہلِ مدینہ پر جن میں بہت سے صحابہ کرام رض اور اکثر تابعین کرام رح تھے، فوج کشی کا حکم دیا۔ مسلم بن عقبہ اس شامی فوج کا سردار تھا۔ اس لشکر نے اپنے ڈیرے حرّہ کے مقام پر ڈالے۔

وحرہ ھٰذہ ارض بظاھر المدینۃ لھا حجارۃ سود کثیرۃ۔ (مجمع البحار صفحہ ۲۵۲)

حرّہ مدینۂ منورہ کے باہر وہ زمین ہے جہاں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔

جب قتلِ عام اور لوٹ کا بازار گرم ہوا تو سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزین ہوگئے۔ اس وقت مسجدِ نبوی میں حضرت سعید بن المسیب رح کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت سعید بن المسیب رح بڑے جلیل القدر تابعی تھے، ان کی عظمتِ شان کے باعث انھیں افضل التابعین کہتے ہیں۔ آپ نے سینکڑوں ان ہستیوں کو دیکھا تھا جن کی آنکھیں آں حضرت کی دولتِ دیدار سے بارہا شرف یاب ہو چکی تھیں۔

امام دارمی رح، ابنِ سعد رح، ابو نعیم رح، زبیر بن بکار رح اور علامہ ابن الجوزی رح روایت کرتے

ہیں کہ حضرت سعید بن المسیبؒ نے ارشاد فرمایا :-

اذا حانت الصلوٰۃ اسمع اذانا یخرج من قبل القبر الشریف ....لا یاتی وقت الصلوٰۃ الا وسمعت الاذان من القبر ثم اقیمت الصلوٰۃ فتقدمت فصلیت وما فی المسجد احد غیری۔ (خلاصۃ الوفا للسمہودی ص۳۱)

جب نماز کا وقت ہوتا تھا، میں قبرِ شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا۔ .... جب بھی نماز کا وقت آتا میں روضۂ اطہر سے اذان کی آواز سنتا، پھر اقامت بھی ہوتی اور میں اسی اقامت سے نماز پڑھتا، ان دنوں مسجدِ نبوی میں میرے سوا اور کوئی نہ ہوتا تھا۔

اسی واقعہ کو محدث شہیر علامہ سخاویؒ نے بھی القول البدیع میں نقل کیا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ فرماتے ہیں :-

"ابن جوزیؒ بسندِ متصل تا سعید بن المسیبؒ لایا ہے۔" (حج الکرامۃ ص۲۸۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وقضیۂ سماع سعید بن المسیبؒ در ایام واقعہ حرہ اذان از حجرہ شریفہ تا سہ روز کہ مردم مفارقت مسجدِ نبوی کردہ بودند، مشہور است۔ (جذب القلوب ص۱۸۱، مدارج جلد۲ ص۹۵)

ایامِ حرہ میں سعید بن المسیبؒ کے حجرہ شریفہ سے تین دن تک اذان سننے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان دنوں لوگ مسجدِ نبوی میں نہ آتے تھے۔

قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آں حضرتؐ کے بعض صحابہؓ نے بے خبری میں ایک قبر پر خیمہ گاڑ دیا، اس سے سورۂ تبارک الذی بیدہ الملک کی آواز آرہی تھی، حتیٰ کہ اس نے تمام سورت ختم کی۔ صحابہؓ نے آ کر یہ واقعہ حضورِ انورؐ

کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا :۔

هی المانعة المنجية وتنجيه من عذاب القبر۔

یہ سورت عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے۔

اسے امام بیہقیؒ اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ نے بھی التکشف صـ٣٣٩ پر نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب علمہ اتم واحکم فی کل باب۔

اسے اور مذکورہ سابقہ واقعہ حرہ کو "واقعہ حال" کہہ کر نظر انداز نہ کیا جائے اس لیے کہ اکابر علمائے ثقات اسے ایک اصول اور ضابطے کے ماتحت ذکر کرتے آئے ہیں خاتم المحدثین حضرت مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

ان کثیرًا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان و الاقامة عند الدارمیؒ و قرأة القرآن عند الترمذی۔ (فیض الباری جلد ا صـ١٨٥)

بے شک بہت سے اعمال قبروں میں بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں، جیسے کہ دارمیؒ کی روایت میں اذان اور اقامت کا وجود (واقعہ حرہ) اور ترمذیؒ کی روایت سے قبر میں قرأتِ قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

واقعہ سلطان نور الدین شہید محمود بن زنگیؒ
سنہ ۵۵۷ھ

سلطان نور الدین شہیدؒ (شاہِ مصر) نے ایک رات سرورِ انبیاء حضور نبی کریمؐ کو تین بار خواب میں دیکھا کہ وہ سامنے کھڑے دو شخصوں کی طرف اشارہ کرکے فرما رہے ہیں "جلدی پہنچو اور مجھے ان دو شخصوں کے شر سے محفوظ کرو"۔ سلطان نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آرہا ہے۔ سلطانِ مذکور

Marfat.com

اسی وقت رات کے آخری حصے میں اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ بہت سا مال ساتھ لے کر مدینۂ منورہ کی طرف چل پڑا اور سولہ دنوں میں شام سے مدینۂ منورہ پہنچا۔
(جذب القلوب ص۱۱۱، مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۴۰۵)

آخر کار پتہ چلا کہ دو انگریز جو بظاہر بہت پرہیزگار اور عبادت گزار بنے ہوئے تھے، روضۂ اطہر کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سرنگ کے ذریعے قبرِ منور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انھیں عیسائی بادشاہ نے اس ناپاک پروگرام کے ساتھ بھیجا ہوا تھا کہ جسدِ اطہر کو وہاں سے منتقل کر لیا جائے۔ یہ لوگ حاجی بن کر حرم شریف میں داخل ہوئے تھے۔

جس رات وہ روضۂ اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے، ابر و باراں اور رعد و برق کا ظہور ہوا، زمین کانپنے لگی اور صبح سلطان نور الدین مدینۂ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ سلطان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ بالآخر وہ ملعون فریب کار قتل کر دیے گئے اور سلطانِ عادل نے حجرۂ شریفہ کے گرد خندق کھدوا کر ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دی تاکہ جسدِ اطہر تک پھر کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

"ایں قصہ را جمیع مورخانِ مدینۂ منورہ مثلِ شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین فیروز آبادی وغیر ایشاں از علمائے اعلام ذکر کردہ اند و تصحیح نمودہ۔" (جذب القلوب ص۱۱۹)

"قلت وکذالک فی خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ص۱۶۱ والشیخ السمھودی بالاسناد والاعتماد

تتمۃ الفصل

محب طبری ریاض النضرہ میں اس جیسا ایک اور عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں:۔

"روافضِ حلب کی ایک جماعت والیِ مدینہ کے پاس آئی اور اسے (مغالطہ یا)

Marfat.com

بہت سی رشوت اور لالچ دے کر اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ انھیں رات کے وقت حجرۂ شریفہ تک باریابی دے (تاکہ وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجسادِ مطہرہ کو کسی اور جگہ منتقل کر سکیں)۔ امیر نے دربان کو کہہ دیا کہ جب وہ آئیں، تو حرم کا دروازہ کھول دے اور انھیں کسی بات سے نہ روکے۔

دربان کہتا ہے کہ "جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے۔ چالیس رافضی کھودنے گرانے کے آلات اور شمعیں لے کر "باب السلام" پر آ گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا اور خود ایک گوشے میں بیٹھ کر رونے لگا۔

خدا کی قدرت کہ ابھی وہ منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے اور اس ستون کے قریب ہی تھے، جو حضرت عثمانؓ کے ایزاد کردہ حصۂ مسجد کے ساتھ ہے کہ تمام کے تمام اپنے سب آلات و سامان کے ساتھ نیچے دھنس گئے۔۔ والیِ مدینہ، جو بدمذہب اور منافق تھا انجام کا منتظر تھا اس نے مجھے بلایا اور ان لوگوں کا حال پوچھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا، پورے کا پورا سنا دیا۔"

امیر نے کہا "کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟"

میں نے کہا "امیر خود جا کر دیکھ لیں۔ ان کے دھنسنے کے کچھ آثار ۱؎ اور ان کے کپڑوں کے بعض نشان ابھی باقی ہیں"۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

۱؎ دھنسنے کے کچھ آثار اس لیے باقی رہ گئے تھے کہ وہ ملعونین کیفرِ کردار کو پہنچنے کے بعد وہاں سے اُٹھا کر پھر کسی دوسری جگہ پھینکے جا سکیں۔ اس پاک سرزمین میں انھیں ہمیشہ کا استقرار کیسے مل سکتا تھا۔ اگرچہ "روضۃ من ریاض الجنۃ" کی حدود آگے منبر شریف سے شروع ہوتی تھیں اور حجرہ مقدسہ تک پہنچتی تھیں اور یہ جگہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس قطعۂ قدسیہ سے ذرا پہلے تھی؛ تاہم اس کا بھی احترام قائم رکھا گیا۔ ان ملعونین کے جو حصے دھنسنے سے باقی رہ گئے تھے، پھر ان پر حکمِ قتل جاری کیا گیا تھا، زیادہ تفصیل کے لیے تحفۂ اثنا عشریہ فارسی ص۱۰۶، مطبوعہ لکھنؤ دیکھیے ——— وراجع له کتاب الاستنصار للفاضل السمنانی القاضی۔

Marfat.com

طبری نسبتِ ایں حکایت بہ ثقاتت می کند کہ بہ صدق و دیانت مشہور اند و بعضی مؤرخان مدینہ نیز ذکر کردہ اند۔" (جذب القلوب ص۱۱۳)

اور شاداتِ نبوت، خلفائے راشدینؓ کے نظریاتِ قدسیہ، اُم المؤمنینؓ اور صحابہ کرامؓ کے بیانات، عالیہ مذاہبِ اربعہ کی تصریحات، متکلمین کرامؒ کے فیصلے اور شواہد واقعات یکے بعد دیگرے آپ نے ملاحظہ فرمالیے۔ تاریخِ اسلامی کے ان مختلف ادوار میں حیاتِ انبیاءؑ کا مسئلہ اس کثرت سے بیان ہوتا رہا کہ ان تمام نقول کا استقصاء اور دلائل کا احصاء قریب قریب ناممکن ہے، ہاں یہ حقیقت لطف سے خالی نہیں کہ جہاں تاریخ کے ہر دور میں یہ مسئلہ اتنے تشدد سے سامنے آتا رہا، وہاں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ سوادِ اعظم اہلِ سنت کے کسی فقہی یا کلامی مسلک نے اس مرکزی نقطۂ حیات سے سرِ مُو بھی تجاوز کیا ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں بعض ائمہ و اکابر کا اسے بیان کر دینا اور دوسرے اعیانِ اُمت میں سے کسی کا اس پر نکیر نہ کرنا، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ انبیائے کرامؑ کی حیاتِ برزخیہ کے جسمانی اور اسی دُنیا والے جسم سے قائم ہونے پر جمیع اہلِ حق، اہلِ سنت کا تاریخِ ملت کے ہر دور میں اجماع رہا ہے۔

شہادات اجماع

۱۔ محدث کبیر علامہ سخاویؒ تلمیذ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ:۔

نحن نؤمن و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض والاجماع علی ھذا۔ (القول البدیع ص۱۲۵)	ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنی قبرِ شریف میں زندہ ہیں، آپ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو مٹی نہیں کھاتی اور اس عقیدے پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔

Marfat.com

۲- شیخ الاسلام محدث شہیر حضرت علامہ عینیؒ :-

ومذھب اھل السنة والجماعة ان فی القبر حیاۃ وموتًا فلابد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء۔ (عینی علی البخاری جلد ۷ ص ۶۰۱)	پورے اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں، پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں، ماسوائے انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)۔

۳- علامہ محقق محمد عابد السندیؒ استاذ حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ :-

اما ھم (ای الانبیاء) فحیاتھم لاشك فیھا ولا اختلاف لاحد من العلماء فی ذالك ... فھو صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام (رسالہ مدنیہ ص ۱۱)	انبیائے کرامؑ کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے اختلاف ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

۴- حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ :-

حیات متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۶۱۳)	حضور اقدس کی حیات ایک متفق علیہ مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں سے) اس میں اختلاف نہیں۔

۵- نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ :-

"زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں" یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کی وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے"۔ (مظاہر حق جلد ۱ ص ۴۲۱)

ـــــ جن حضرات نے آں حضرت کی اس حیات فی البرزخ کو دنیوی کہا ہے ان کی مراد صرف یہی ہے کہ آپ کا وہی بدن زندہ الحیات ہے جو اس دنیا میں تھا نہ یہ کہ اس عالم دنیا کی حیات کے جمیع لوازم وہاں ثابت ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اس "دنیوی حیات" کا مفہوم ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں۔ "انبیائے کرام کو انہیں حیات دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں" (لطائف قاسمیہ ص ۳)

۶۔ قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ :۔

"قبر کے پاس .... انبیاءؑ کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں"۔

(فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ صـ۱۰۰)

جب جمیع اہلِ سُنّت کا یہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے، تو پھر روضۂ اطہر کی حیاتِ جسمانی کا انکار آخر کن کا مذہب ہے؟

۱۔ شیخ الاسلام حضرتِ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں :۔

من انکر الحیٰوۃ فی القبر و هم المعتزلة ومن نحا نحوهم و اجاب اهل السنة عن ذالك۔

(عینی علی البخاری جلد ۷ صـ۱۰۶)

جن لوگوں نے آں حضرتؐ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور اُن کے ہم عقیدہ ہیں، اہلِ سُنّت نے اُن کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

۲۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی اندازِ بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ منکرین حیات اہلِ سُنّت میں سے نہیں۔

قد تمسك به من انکر الحیٰوۃ فی القبر واجیب عن اهل السنة .... ان حیٰوته صلی الله علیه وسلم فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیًا۔

(فتح الباری جلد ۷ صـ۲۲ مصر)

منکرینِ حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلِ سُنّت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپؐ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدّث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری جلد ۱ صـ۵۱۷ پر نقل اور تسلیم فرمایا ہے۔

Marfat.com

الفصل الرّابع

وفیہ اربعۃ من المباحث

مبحث اوّل

حیات فی القبر

جمیع اہل السنۃ والجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں (یا جہاں بدنِ میّت پڑا ہو یا جہاں جہاں اجزائے بدن پھیلے ہوئے ہوں سب میں) پھر رُوح سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ تعلق یا تو "دخولِ رُوح در جسد" سے قائم ہوتا یا اس کا تحقق "اتصالِ رُوح بجسد" سے ہوتا ہے۔

سوال وجواب کی منزل گزرنے کے بعد پھر یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور اتنا کمزور کہ اسے "موت فی القبر" سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس منزل میں حیات صرف اس درجہ میں باقی ہوتی ہے کہ ثواب وعذاب کا ادراک ہوتا رہے، اور ہو سکتا ہے کہ حیات کا یہ درجہ رُوح کے بغیر ہو، اس لیے کہ رُوح اور حیات میں تلازم محض ایک امرِ عادی ہے کہ عام عادتِ الٰہی اسی طرح جاری ہے عقلی یا شرعی نہیں؛ غالباً یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ رُوح وحیات کے اس تلازم کے قائل نہیں۔

خیر یہ تو سوال وجواب کی منزل کے بعد کی بات ہے کہ اس درجے کی حیات رُوح کے ساتھ قائم ہوتی ہے یا رُوح کے بغیر، لیکن اس پر سب اہلِ تحقیق متفق ہیں کہ اس منزل سے پہلے کی "حیات فی القبر" رُوح کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے، خواہ اعادۂ رُوح بجسد" کے ساتھ خواہ "اتصالِ رُوح بجسد" کے ساتھ۔ بہرحال اس حیات کے

Marfat.com

تعلق بالروح سے چارہ نہیں۔ یہ امر مجمع علیہ اور یقینی ہے کہ دفن کے بعد قبر کی پہلی منزل میں ایک دفعہ پھر تعلقِ بالرُّوح سے زندہ کیا جاتا ہے۔ اور اس منزل کے گزرنے کے بعد عامۃ الناس میں روح کا استقرار نہیں رہتا۔ اس زندگی پر پھر ایک دفعہ موت آتی ہے، ہاں یہ اماتت حقیقی نہیں ہوتی اور اس درجہ میں احساس باقی رہتا ہے کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا رہے۔

طریق حیات فی القبر

دفن ہونے کے بعد قبر کی پہلی منزل میں یہ حیات کیسے حاصل ہوتی ہے، اس باب میں سوادِ اعظم کے دو طبقے ہیں: ایک اعادۂ رُوح کا قائل ہے اور دوسرا اتصالِ رُوح کا مسلک رکھتا ہے۔ اس میں ترجیح کسے حاصل ہے، یہ براہِ راست ہمارا موضوع نہیں، ہاں یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ بدنِ مدفون ایک دفعہ پھر تعلقِ بالرُّوح سے فائز الحیات ہوتا ہے اور اس کے بعد قبر کی دوسری منزل میں ایک دفعہ پھر حکمی موت وارد ہوتی ہے اور یہ امر بھی اجماعی اور یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ دوسری موت قطعاً نہیں آتی، ان کے لیے ایک ہی دفعہ موت کی لذت شناسی ہے اور صحابۂ کرام رضؓ کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر قائم ہوا تھا۔

آں حضرتؐ کی "حیات فی القبر" کے متعلق بھی یہی دو نظریے بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض حضرات اعادۂ رُوح کے قائل ہیں اور بعض اتصالِ رُوح یا تاثیرِ رُوح کا مسلک رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مسلک اسی ایک پہلے اختلاف کا نتیجہ ہیں کہ قبر کی حیاتِ ثانیہ اعادۂ رُوح سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اوّل الذکر مسلک زیادہ صحیح ہے اور اگر اس حیات کا تحقق اتصالِ رُوح سے ہے، تو پھر ثانی الذکر نظریہ زیادہ صحیح ہوگا۔ آیئے چلتے

Marfat.com

ہوئے یہ بھی دیکھنے جائیں کہ حیات فی القبر اعادۂ روح سے قائم ہوتی ہے یا اتصالِ روح سے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا :۔

فتعاد روحه فی جسدہ فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربك .... الحدیث رواہ احمد۔ (مشکوٰۃ ص۲۲۲ سطر ۱۹)	پس اس مرنے والے مومن کی روح پھر اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے سامنے آتے ہیں۔ پس سے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا ہے۔

والحدیث صحیح (تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص۳۱)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں :۔

"رواہ الامام احمد وابو داؤد وروی النسائی وابن ماجة اوّله ورواہ ابو عوانة الاسفرائنی فی صحیحه وذهب الی القول بموجب هذا الحدیث جمیع اهل السنة والحدیث من سائر الطوائف"۔

(کتاب الروح ص۵)

"النص الصحیح الصریح وهو قوله صلی الله علیه وسلم "فتعاد روحه فی جسده" (کتاب الروح ص۵۲)

"فالحدیث صحیح لا شك فیه" (ص۵۶)

"رواہ احمد محتج بهم فی الصحیح والحدیث حسنة المنذری ورواہ ایضًا ابو داؤد والحاکم وابن ابی شیبه وابن منده وابو نعیم وابو عوانة الاسفرائنی فی صحیحه من طرق صحیحة والبیهقی وقال هذا حدیث صحیح الاسناد"۔ (تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ جلد ۱ ص۳۱)۔

Marfat.com

ابن مندہ کی پوری روایت حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۵۸ نقل کی ہے۔ اس میں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں کہ رب العزت ملائکہ سے فرماتے ہیں:-

ردوا روح عبدی الی الارض فانی وعدتھم انی اردھم فیھا (صفحہ ۵۸)	میرے بندے کی روح پھر زمین کی طرف لوٹا دو کہ میرا وعدہ ہے کہ میں انھیں پھر زمین میں لوٹاؤں گا۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ مرنے والوں کی روحیں علیین یا سجین سے تعلق قائم کرکے وہاں سے ہوکر پھر زمین کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اعادہ روح کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:-

ھذا حدیث ثابت مشھور مستفیض صححہ جماعۃ من الحفاظ ولا نعلم احدًا من ائمۃ الحدیث طعن فیہ بل رووہ فی کتبھم وتلقوہ بالقبول وجعلوہ اصلًا من اصول الدین۔ (صفحہ ۵۹)	یہ حدیث ثابت ہے، مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ حدیث کی ایک پوری جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے اسے قبول کیا ہے اور اس کو اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

المبحث الثانی

رد الاشتباھات فی تحقیق الرواۃ

حافظ ابن تیمیہؒ کا ارشاد:-

قال الحافظ ابو نعیم الاصفھانی واما حدیث البراءؓ

Marfat.com

رواه المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء فحديث مشهور رواه عن المنهال الجم الغفير ورواه عن البراء عدی بن ثابت ومحمّد بن عقبه وغیرهما ورواه عن زاذان عطاء بن السائب قال وهو حدیث اجمع رواة الاثر علی شهرته واستفاضته وقال الحافظ ابو عبدالله بن مندة هذا الحدیث اسناده متصل مشهور رواه جماعة عن البراءؓ ـــــ شرح حدیث النزول ص۴۷ للحافظ ابن تیمیّہؒ ۔

حافظ ابن قیمؒ کا ایک اور حوالہ :۔

وهو حدیث صححه جماعة من الحفاظ رح

اجتماع جیوش الاسلامیه علی غزو المعطلة والجهمیة لابن القیمؒ ص۳۷

امام احمدؒ کی پہلی روایت کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ :۔

"اس میں ایک راوی منہال بن عمرو ہے اور وہ "فتعاد روحه فی جسدہ" کے زائدہ روایت میں متفرد ہے ۔ ابنِ حزمؒ نے اس کے متعلق کہا ہے "لیس بالقوی"

جواباً عرض ہے کہ منہال بن عمرو کو امامِ جرح و تعدیل امام یحیی بن معینؒ نے ثقہ کہا ہے ۔ امام عجلیؒ بھی اس کے ثقہ ہونے پر نص فرماتے ہیں ۔ ابنِ حزمؒ چونکہ عذابِ قبر کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث اُن کے اعتقاد کی تردید کرتی تھی اس لیئے انھوں نے اس حدیث کی تضعیف کر دی اور منہال بن عمرو کو ضعیف کہہ دیا ۔ تنقیح الرواۃ میں ہے :۔

وفی اسناد الحدیث منهال بن عمرو وثقه ابن معینؒ	اس حدیث کی سند میں منہال بن عمرو ہے ۔ اُسے امام یحیی بن معینؒ اور عجلیؒ ثقہ قرار

Marfat.com

والعجلي وقد تكلم ابن حزم في المنهال ولا يلتفت لكلام ابن حزم بعد احتجاج الشيخين به ولما رأى ابن حزم حديث المنهال رادًا على معتقده في انكار عذاب الاجساد في قبورها طعن فيه وطعنه مردود والحديث صحيح -
(تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص۳۱)

دیتے ہیں ۔ ابنِ حزمؒ نے اُس پر کلام کیا ہے، لیکن اس کی کوئی پروا نہ کی جائے کیونکہ حدیث کے دو بڑے امام اسے حجت مان رہے ہیں ۔ ابنِ حزمؒ چونکہ عذابِ قبر کے جسمانی ہونے کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث اُن کے عقیدہ کی تردید کر رہی تھی ۔ اس لئے اُنھوں نے اس پر جرح کر دی، حالانکہ حدیث صحیح ہے اور اُس پر طعن مردود ہے ۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں :-

فالمنهال احد الثقات العدول قال ابن معين المنهال ثقة وقال العجلي كوفي ثقة واعظم ما قيل فيه انه سمع من بيته صوت غناء وهذا لا يوجب القدح في روايته واطراح حديثه وتضعيف ابن حزم له لا شيء فانه لم يذكر موجبًا لتضعيفه غير تفرده بقوله فتعاد روحه في جسده وقد

منہال عادل اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں ۔ ابنِ معینؒ اور عجلیؒ انھیں ثقہ کہتے ہیں ۔ زیادہ سے زیادہ جو اُن پر اعتراض ہے، وُہ یہی ہے کہ ایک دفعہ اُن کے گھر سے گانے کی آواز سُنی گئی تھی ۔ (یہ بھی قیل سے ہی مذکور ہے معلوم نہیں، صحیح ہے یا غلط ۔ نیز اُس کا مُرتکب کون تھا اور کون نہیں) اور یہ اُس کی روایت میں مُوجبِ قدح نہیں ۔ اور ابنِ حزمؒ کا اسے ضعیف کہنا بالکل لاشئ ہے ۔ اس نے صرف

Marfat.com

بیّنا انه لم یتفرد بها بل رواها غیرہ قد روی ما ھو ابلغ منہا۔ (ص۵۹)	اس کا تفرّد ہی بیان کیا ہے اور ہم ثابت کر آئے ہیں کہ وُہ متفرد نہیں۔

دُوسرا اعتراض

حضرت براء بن عازبؓ سے اس حدیث کو زاذان نقل کر رہا ہے اور اُس کا سماع حضرت براءؓ سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں وُہ بھی اس روایت میں متفرد ہے۔ نیز اس میں بھی ابنِ حزمؒ کو کلام ہے۔

جواباً گزارش ہے کہ حافظ ابوعوانہ اسفرائنیؒ نے زاذان کندی کا حضرت براءؓ سے صیغہ سماع نقل کیا ہے۔ پس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ حافظ ابنِ قیمؒ لکھتے ہیں:۔

ھٰذہ العلۃ باطلۃ فان اباعوانۃ الاسفرائنی رواہ فی صحیحہ باسنادہ قال عن ابی عمرو زاذان الکندی قال سمعت البراء۔ ص۵۹	یہ علت باطل ہے کیونکہ امام ابوعوانہ اسفرائنیؒ نے اسے اپنی صحیح میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں سماع کی تصریح ہے۔

تفردِ زاذان کے متعلق فرماتے ہیں:۔

فالحدیث صحیح لا شک فیہ وقد رواہ عن البراء بن عازب جماعۃ غیر زاذان منھم عدی بن ثابت و محمد	پس حدیث صحیح ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ براءؓ سے اسے زاذان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔ انہیں میں عدی بن

Marfat.com

بن عقبہ و مجاہد ۔

ثابت محمد بن عقبہ اور مجاہد بھی ہیں ۔

صـ ۵۶

اور توثیق زاذان کے متعلق ملاحظہ ہو :۔

امام یحیٰ بن معینؒ انھیں ثقہ قرار دیتے ہیں ۔ ابن سعدؒ ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں ۔ خطیبؒ اور عجلیؒ نے بھی ثقہ کہا ہے ۔ ابنِ عدیؒ اور حاکمؒ نے بھی توثیق کی ہے ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ صـ ۳۰۳) ۔ علامہ عزیزیؒ اس کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں: "حدیث صحیح" (السراج المنیر جلد ۱ صـ ۱۵۱ مطبوعہ مصر)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں :۔

و زاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابۃ کعمر وغیرہ وروی لہ مسلم فی صحیحہ قال یحیٰ بن معین ثقۃ قال حمید بن ھلال وقد سئل عنہ ھو ثقۃ لا تسأل عن مثل ھٰؤلاء ۔

(کتاب الروح صـ ۵۹)

زاذان ثقہ راویوں میں سے ہے ، اس نے حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہؓ سے روایات لی ہیں ۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں اس کی روایت لی ہے یحیٰ بن معینؒ اسے ثقہ کہتے ہیں ۔ حمید بن ہلالؒ سے زاذان کے متعلق پوچھا گیا ، تو انھوں نے فرمایا ایسے ذمہ دار لوگوں کے متعلق پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

Marfat.com

المبحث الثالث

اعادۂ رُوح کے متعلّق متکلّمین کا موقف

تفصیلاتِ مذکورہ کے پیشِ نظر محدّثین کا موقف تو بالکل بے غبار ہے کہ وُہ طریقِ حیات فی القبر کے باب میں "اعادۂ رُوح" کے قائل ہیں، لیکن متکلّمین کے متعلّق عام طور پر یہی رائے ہے کہ وُہ اعادۂ رُوح کے قائل نہیں بلکہ اتّصالِ رُوح سے بدنِ مدفون میں حیات تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت مولٰنا عبدالحکیم سیالکوٹی رح لکھتے ہیں :-

لیس المراد بالحی ھھنا	اس جگہ "حی" سے مراد یہ نہیں کہ
ما یعاد فیہ الروح ویصدر	اس میں رُوح لوٹائی گئی ہو اور
عنہ الافعال الاختیاریۃ	اس سے افعالِ اختیاریہ صادر ہوتے
بل ما لم یدرک الالم واللذۃ	ہیں، بلکہ حیات سے مُراد یہ ہے کہ
فاذا خلق اللہ فیہ ادراکا	وُہ الم ولذّت کا ادراک کر سکے۔ اس
...... یکون حیا لا جمادا۔	انداز حیات سے بھی وُہ جماد ہونے سے
(عبدالحکیم علی الخیالی ص۱۱۱)	نکل جاتے ہیں، اور زندہ ہوتے ہیں

تحقیق المقام

اس مقام پر تین مسلک بیان کیے جاتے ہیں :-

(۱) میّت کو قبر میں زندگی ملتی ہے۔ پس عذابِ قبر برحق ہے۔ یہ مسلک اہلِ سُنّت والجماعت کا ہے۔

Marfat.com

(۲) میّت قبر میں جمادِ محض ہے۔ پس عذابِ قبر کچھ نہیں۔ یہ جمہور معتزلہ و روافض کا مسلک ہے۔

(۳) میّت ہے تو قبر میں جماد اور بے جان، مگر اس پر عذاب پھر بھی ہوتا ہے۔ یہ مسلک معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور فرقہ کرامیہ کا ہے۔

خیالی کی عبارت "جوّز بعضهم تعذيب غير الحي" میں اسی تیسرے مسلک کا بیان ہے۔ اس پر حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ انھیں الزام دیتے ہیں جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں:-

کہ جب تم میت کے لیے قبر میں عذاب مانتے ہو، تو پھر تمہارا اسے جماد کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جماد تو اسے ہی کہتے ہیں، جس میں کوئی احساس نہ ہو۔ پس اسے عذاب ہونے کا تصوّر بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں اتنا احساس ہے کہ الم و لذت کا ادراک کر سکے، تو پھر اس کے لئے زندگی ثابت ہو گئی، جمادِ محض نہ رہا۔

اس مقام پر مولانا سیالکوٹیؒ حیاتِ میّت کی تشریح میں وہ عبارت لکھتے ہیں، جو کہ پہلے لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مولانا مرحوم صالحیہ اور کرامیہ کو الزام دے رہے ہیں کہ جس "صورتِ عذابِ قبر" کو تم تجویز کر رہے ہو، اسے بھی حیاتِ قبر لازم آرہی ہے۔ ہاں اسی صورتِ حیات میں اعادۂ روح لازم نہیں؛ چنانچہ "نبراس علیٰ شرح العقائد" میں ایسے جواب پر لکھا ہے:-

هذا جواب اشكال	یہ تو ایک اشکال کا جواب تھا، جو
اورده المعتزلة مستدلين	معتزلہ نے اس آیت سے استدلال
بقوله تعالى لا يذوقون	کرتے ہوئے پیش کیا تھا" وہ

Marfat.com

فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُوْلَى ۔	نہیں چکھیں گے وہاں کوئی اور موت اُن کے لئے تو وہی موت ہے جو پہلے آچکی"۔

(نبراس ص۳۲۲)

یہ صورتِ جواب کیوں اختیار کی گئی؟

اس لئے کہ اعادۂ روح کا مضمون متکلّمین کے نزدیک حدیثِ براء بن عازبؓ کی رُو سے خبرِ واحد سے ثابت ہو رہا تھا اور معتزلہ خبرِ واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے ۔ پس انھیں اعادۂ روح کی روایت سے قائل نہ کیا جاسکتا تھا؛ ہاں عذابِ قبر کی روایات چونکہ حدِّ تواتر تک پہنچ رہی تھیں اور اُن کی رُو سے میّتِ مدفون کے لئے لذّت و الم کا ادراک ثابت ہو رہا تھا۔ اس لئے یہاں سے ہی حیاتِ میت ثابت کرنے کے لئے ایک زینہ بنایا گیا۔ معتزلہ اور کرامیہ یقیناً اس کے جواب باصواب سے عاجز تھے ۔

اب سوال یہ ہے کہ متکلّمین نے میّت میں پھر روح نہ لوٹنے کو" کیا تحقیقِ واقعی کے طور پر بیان کیا ہے یا یہ صرف ایک الزامی شکل جواب تھی اور متکلّمین کا اصل مسلک وہی ہے جو محدّثین کا تھا؛ شارحِ نبراس میں اس حقیقت سے اس طرح نقاب کشائی کی گئی ہے :-

وعندی فی هٰذا الجواب بحث وهو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال فالجواب بانکار الاعادة	میرے نزدیک یہ جواب محلِّ نظر ہے اس لئے کہ احادیثِ صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح پھر جسم سے لوٹائی جاتی ہے ۔ پس اعادۂ روح کا انکار کر کے معتزلہ کو جواب دینا

Marfat.com

غیر موجه و قد اجاب المشائخ عن هذه الآية بوجوه ۔ (نبراس ص۳۲۲)

ٹھیک نہیں ۔ مشائخ نے ان کی پیش کردہ آیت کے اور کئی جواب دیئے ہیں ۔

سائر الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح الى البدن اذا المسئلة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس وانكره الجمهور وكذالك السوال للروح بلا بدن قاله ابن ميسرة وابن حزم ولو كان كذالك لم يكن للقبر بالروح اختصاص ۔ شرح حديث النزول للحافظ ابن تيميه ص۸۱[1]

وهذا قول منكر عند عامة اهل السنة والجماعة ۔

(شرح حديث النزول ص۸۸)

واذا قبضت (الروح) عرج بها الى الله فى ادنى زمان ثم تعاد الى البدن فتسأل وهى فى البدن ۔ (شرح حديث النزول ص۸۵)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں "حیات فی القبر" کا حکمی ہونا روافض کے آیت مذکورہ سے استدلال کرنے کے جواب ہی میں تحریر فرمایا ہے ۔ حق یہی ہے کہ محدثین کا مسلک اس باب میں بالکل بے غبار ہے اور متکلمین بھی تحقیقاً انہی کے ساتھ ہیں ۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی صورت جواب ہے وہ معتزلہ کے پیدا کردہ اشکالات کے پیش نظر ہے

[1] اس عقیدہ کی تائید میں کہ قبر کے سوال وجواب روح اور بدن کے مجموعہ سے متعلق ہیں ۔ علامہ صدرالدین الحنفی رح کی یہ تصریح بھی ملاحظہ کیجیے :-

وكذالك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب مفردة عن البدن ومتصلة به ۔ (شرح عقيدة الطحاوى ص۳۳) ۔

Marfat.com

جب جملہ اموات کے لیے اعادۂ روح ثابت ہے تو انبیا علیہم الصلوٰۃ و السلام کو کس دلیل کی بنا پر مستثنیٰ کیا جاتا ہے؟

علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں:۔

وعود الروح الی البدن ... فی سائر الموتی فضلاً عن الشہداء فضلاً عن الانبیاء وانما النظر فی استمرارھا فی البدن۔

(شفاء السقام ص۱۵۹)

روح کا بدن میں پھر دوبارہ لوٹنا۔ یہ تو تمام اموات کے لئے ثابت ہے۔ شہدا اور انبیا پر تو بدرجۂ اولیٰ اس کا تحقق ہوگا، بحث صرف اس میں ہے کہ روح پھر بدن میں دائما رہے گی یا پھر یہ تعلق ٹوٹے گا۔

احادیث شریفہ میں "حیات فی القبر" کے لئے اعادۂ روح تو نہایت صحیح اور متواتر المعنی روایات سے ثابت ہے، لیکن قبر کی پہلی منزل گزرنے کے بعد بدن یا اجزاے بدن میں ادراک الم و لذت کا کچھ اثر چھوڑنے کے بعد یہ روح پھر نکل جاتی ہے یا وہیں استقرار پذیر رہتی ہے؟ یہ معاملہ غور طلب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل کرتے ہیں:۔

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال۔ (ص۶۲)

احادیث صحیحہ متواترہ بتا رہی ہیں کہ سوال قبر کے وقت روح پھر بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

قطع می کنم بعود حیات مر ہر میت را چنانکہ در احادیث ورود یافتہ۔

(جذب القلوب ص۱۸۵)

Marfat.com

اِس منزل کے بعد پھر رُوح مُختص ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں اور جُملہ فرق اہلِ اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ عامۃ الاموات کے لئے اعادۂ رُوح کے ساتھ قبر کی زندگی ہمیشہ نہیں۔ عودِ رُوح تو احادیثِ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے، لیکن پھر اس کی مفارقت؟ یہ امر اجماع اور تواتر طبقاتی سے منقول ہے، ہاں انبیائے کرامؑ کے لیے یہ مفارقت قطعاً ثابت نہیں اور جس طرح عامۃ الاموات کے لیے اس مفارقت کا پتہ اجماع سے چلتا ہے۔ اسی طرح انبیاؑ کے لیے اس عدمِ مفارقت پر بھی اجماع اور تواتر طبقاتی قائم ہے۔ فافہم و تدبر۔

المبحث الرّابع

اعادۂ رُوح اور اتّصالِ رُوح میں موازنہ

حیات فی القبر کے لئے اعادۂ رُوح تو احادیثِ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے، اسی اصل کے مطابق انبیاء علیہم السّلام کے اجسادِ مطہّرہ میں ارواحِ قُدسیّہ دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں۔ صُورتِ زیرِ بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ جس طرح جُملہ اموات کے لئے پھر رُوح کی مفارقت ہوتی ہے، کیا انبیاء علیہم السّلام کی ارواحِ قُدسیّہ بھی پھر معرضِ مفارقت میں آجاتی ہیں؟ اہلِ سُنّت کے ہاں یہ مفارقت کہیں ثابت نہیں ہوتی۔

اِتّصالِ رُوح کا مَوقف اثباتِ حیات کے باب میں اگرچہ نہایت کافی و وافی ہے اور اس صُورتِ کیفیّت میں بھی انبیاء علیہم السّلام کی اپنی اپنی قبروں میں حیاتِ عنصریِ جسمانی کی قطعاً نفی نہیں ہوتی؛ تاہم دیکھنا یہ ہے، کہ اس صُورتِ کیفیّت کی اصل کیا ہے۔

Marfat.com

بات دراصل یہ ہے کہ اتصالِ رُوح کا موقف کسی نصِ صریح پر مبنی نہیں، بلکہ عُلمائے کبار نے مُختلف نصُوص میں تطبیق دینے کے لئے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا تھا۔ بعض مقامات پر ارواحِ قدسیہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کی خبر دی گئی تھی اور دُوسری طرف انبیائے کرامؑ کے اپنی اپنی قبورِ شریفہ میں زندہ ہونے اور عند القبر خود سُننے کا صحیح روایات سے ثبوت ملتا تھا۔ اب بعض عُلماء کا ذہن بجائے اس کے کہ ابدانِ مطہرہ کو ارواحِ قُدسیہ کا مُستقر قرار دے کر اعلیٰ علیین سے ایک قوی تعلّق ثابت کریں۔ اس لئے کہ ارواحِ قُدسیہ وہاں سے ہو کر پھر ابدانِ مدفُونہ کی طرف لوٹتی تھیں، یہ تعبیر اختیار کر لی کہ مُستقر ارواحِ مقام علیّین کو قرار دے کر ابدانِ مدفُونہ سے ایک قوی علاقۂ حیات تسلیم کر لیا۔

خلاصہ یہ کہ اعادۂ رُوح کا موقف من حیث الاصل احادیثِ صحیحہ صریحہ پر مبنی تھا اور اتصالِ رُوح کا موقف علمائے کبار نے محض تطبیقِ بین الروایات کی خاطر اجتہادی طور پر اختیار کیا تھا۔ بیہقیِ وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں:۔

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى علىّ عند قبرى سمعته ومن صلى علىّ نائيا بلغته فكيف التطبيق؟ قلنا وجه التطبيق ان مقر ارواح المؤمنين فى عليّين او فى السماء السابعة ونحو ذالك كما مرّ ومقر ارواح الكفار فى سجين ومع ذالك لكل روح منها اتصال بجسده فى قبره لا يدرك كنهه الا الله تعالىٰ وبذالك الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ويحس اللذة و الالم ويسمع سلام الزائر۔ (مظہری جلد ۱۰ ص ۲۲۴/۲۲۵ ھند)

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے، اُسے میں خود سنتا ہوں اور دور کا پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے (اور یہ بھی سابقاً گزرا کہ ارواح طیبہ علیین میں ہوتی ہیں)۔ پس دونوں مضمونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں ارواح مؤمنین کا مقر تو علیین یا ساتویں آسمان ہی میں ہے اسی طرح ارواح کفار مقام سجین میں ہی رہتی ہیں، لیکن ان حقائق کے باوجود ہر روح کا تعلق قبر میں پڑے جسد (یا اجزائے جسد) سے بھی ضرور ہوتا ہے اس تعلق کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ ہاں روح کے جسد کے ساتھ اس طرح متصل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ معاملات قبر روح و جسد کے مجموعہ سے ہوتے ہیں اور الم و لذت کا ادراک اسی طرح واقع ہوتا ہے۔

پس جبکہ اعادۂ روح کا موقف من حیث الاصل منصوص اور اتصال روح کا موقف من حیث الاستدلال اجتہادی ہے، تو اگرچہ بہر صورت کیفیت قبر شریف کی حیات عنصری جسمانی نہایت واضح طور پر ثابت ہے، تاہم اتصال روح کا موقف اختیار کرنے سے نصوص پر اجتہاد کی ترجیح لازم آتی ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ جمہور محدثین اور اکابر علمائے دیوبند اسی صورت کیفیت حیات کے قائل ہیں۔ جس کی اصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب!

Marfat.com

مسلکِ ارجمند از اکابرِ دیوبند

المعروف

اجماع العلماء الاعلام

علیٰ

حیاۃ الانبیاء الکرام

پیشتر اس کے کہ حیاتُ النبیؐ کے باب میں ہم اکابرِ دیوبند کی تصریحات پیش کریں۔ ضروری ہے کہ پہلے اطلاق "مسلکِ دیوبند" کی کچھ وضاحت کر دی جائے۔

معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی "مستقل مکتبِ فکر" کا بانی نہیں اور نہ مسلکِ اکابرِ دیوبند کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے، بلکہ تمام اکابر دیوبند انہی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرونِ ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر سے "ما انا علیہ و اصحابی" کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آرہے تھے۔ دیوبندیت کسی مستقل مکتبِ فکر یا مسلکِ عمل کا نام نہ تھا، بلکہ سلفِ صالحین اہلِ تحقیق کی کامل اتباع اور انہی کی تعلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہلِ سنّت والجماعت اور فروعات میں امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلکِ عمل پر تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں حنفی مسلکِ فکر کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

اچانک اُوپر سے تار ہلا اور جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب اوائل سنہ ۱۳۲۴ھ

Marfat.com

ہیں ان بزرگوں کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے حجاز پہنچ گئے ۔ تاکہ علمائے حرمین سے اس پہ دستخط لینے میں کامیاب ہو سکیں ۔

کئی منزلیں گزرنے کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ علمائے حرمین نے "موضوعاتِ زیرِ بحث" اکابرِ دیوبند سے خود براہ راست ۲۶ استفسارات کئے اور اُن کے عقائد و افکار کو اصولِ اہلِ سنّت پہ جانچنے کی کوشش کی ۔

اس کے جواب میں اُس وقت کے اکابر دارالعلوم نے اپنا مسلک پیش کیا اور چھبیس ۲۶ مفصّل جوابات کے ضمن میں اپنے عقائد و افکار یکجا قلمبند کر دیئے اور اُس پر اپنی مُہریں ثبت کر دیں ۔ فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے انھیں لکھا اور حضرت شیخ الہندؒ، مفتیِ اعظم دارالعلوم دیوبند، مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، حکیم الاُمّت حضرت تھانویؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ جیسے سب بزرگوں نے اِس تصدیقات تحریر فرما دیں اور فقط اعتماداً نہیں، بلکہ تحقیقاً سب جواب دیکھ کر ۔

چنانچہ مفتیِ اقلیمِ ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

رایت الاجوبۃ کلھا فوجدتھا حقۃ صریحۃ ۔

میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انھیں حقِ صریح پایا ہے ۔

اِن عقائد پہ پھر مکہ معظمہ، مدینہ منوّرہ، جامع ازہر، مصر و شام کے علماء کبار (جن میں احناف و شوافع، موالک و حنابلہ مسالکِ اربعہ کے اکابر علما سب شامل تھے) سب نے اِس پر تصدیقات فرمائیں اور یہ المہند نامی دستاویز عقائدِ علمائے دیوبند کے نام سے موسوم ہوئی ۔

اِس منزل سے گزرنے کے بعد اکابرِ دیوبند کا مسلک ایک واضح اور مشخص صورت میں سامنے آگیا ۔ دیوبندیت کے ضابطۂ تحریر میں آنے

Marfat.com

اب یہ امکان بھی باقی نہ رہا کہ کوئی شخص علمائے دیوبند کی طرف کسی ایسے عقیدے کو منسوب کرے جو اکابر کی اس اجتماعی مسلکی دستاویز کے خلاف ہو اور نہ ہی یہ امکان باقی رہا کہ کوئی منسوب بہ دارالعلوم افکار و آرا کے باہمی اختلاف میں اس مرکزی دستاویز سے کچھ تجاوز کر سکے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اکابرِ دیوبند کے مسلک پر بھی کہے اور عقائد بھی اس کے اس "مرکزی مسلکی دستاویز" کے خلاف ہوں اور نہ صرف خلاف بلکہ رد و ابطال اس کے نزدیک جزوِ تبلیغِ توحید ہو، تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کذب و دجل اور دھوکہ و فریبِ آخر کس بلا کا نام ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مرکزی مسلکی دستاویز کے علاوہ دیگر مسائل میں اختلاف خواہ وہ تعبیرات و توجیہات میں ہو یا فقہی جزئیات میں ترجیحات کے باب میں ہو یا تنظیماتِ عمل میں، اصل دیوبندیت کو ہرگز مشتبہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ دیوبندیت اکابرِ دیوبند میں سے کسی ایک شخصیت کا نام نہیں اور نہ دیوبندیت کا معیار اکابر میں سے کسی ایک بزرگ کی تقلیدِ شخصی ہے؛ بلکہ مسلکِ دیوبند کا مرکزی نقطہ "المھند علی المفند" ہے، جسے وقت کے تمام اکابرِ دیوبند اجتماعاً آئینۂ دیوبندیت قرار دے چکے ہوئے ہیں۔

مسائلِ حدیث میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرتِ علامہ کشمیریؒ کے اختلافات توجیہاتِ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانویؒ کے مختلف مواقفِ عمل سے کون واقف نہیں اور مختلف علمائے دیوبند کے مختلف نظریات بلکہ تفرداتِ کس دور میں نہیں رہے۔ اکابر کی علمی تحقیقات کے ناپیدا کنار سمندر اور تصنیفات کے ضخیم دفاتر اس حقیقتِ حال کے پرزور ترجمان ہیں کہ اکابرِ دیوبند افکارِ شریعت اور اسرارِ کتاب و سنت کی تعلیم و تفہیم میں ہمیشہ دقیق النظر اور عمیق الفکر

Marfat.com

رہے ہیں اور اُنھوں نے اپنی روایتی وسیع النّظری کو کبھی گروہی تعصّب یا دھڑے بندی کی نذر نہیں کیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

افکار و آرا کے اِن اختلافات میں کبھی ایک طبقے نے دُوسرے کی دیوبندیت کو شبے کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور نہ کبھی سُنا گیا کہ عُلَما کا فُلاں طبقہ مسلکِ دیوبند سے ہٹ گیا ہے۔ اِس لئے کہ ایسے تمام اختلافات اور ایسے تمام مُختلف نظریات اِن ابواب میں تھے، جو مسلکِ دیوبند کی مرکزی مسلکی دستاویز "المہند علی المفند" سے کسی طرح مُتصادم نہ ہوتے تھے۔ مسلکِ دیوبند کے خدوخال جس آئینے میں مشخص یا معیّن ہوتے تھے، وُہ بلاریب اکابرِ دیوبند کی اجماعی تحریر "المہند علی المفند" ہی تھی۔ مسلکِ دیوبند کی حُدود باعتبارِ کمیّت کبھی بھی "المہند" سے متجاوز نہیں ہُوئی۔ ہاں باعتبارِ کیفیّت یعنی قُوّت و ضعف کے درجہ میں اِس معیار کو بھی ملحُوظ رکھا جا سکتا ہے، جو مجاہدِ کبیر حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے منسُوب ہے، لیکن پیشِ نظر رہے کہ یہ کوئی اجماعی فیصلہ نہیں، بلکہ ایک شخصی رائے ہے۔

مسئلۂ حیات النّبیؐ کا مدار اگر صرف "آبِ حیات" پر ہوتا تو اس سے اختلاف مسلکِ دیوبند سے خروج نہ تھا، اِس لئے کہ دیوبندیّت کوئی مُستقل مکتبِ فکر نہیں اور نہ حضرت نانوتویؒ کسی علیٰحدہ مکتبِ فکر اور مسلکِ عمل کے بانی تھے، بلکہ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جس اصول پر رکھی، وُہ سلف صالحین اہلِ سُنّت کی اعتقاداً اور عملاً کامل اتّباع ہی تھی۔ اِن اکابر سے کسی ایک مسئلہ میں اختلاف یہ صُورتِ فکر تو پیش کر سکتا تھا کہ جانبِ مخالف اہلِ سُنّت سے خروج ہے یا یہ اختلاف حُدودِ اہلِ سُنّت میں بھی سمو سکتا ہے، لیکن یہ بحث ہرگز نہ چل سکتی تھی کہ یہ مسلک دیوبند سے خرُوج ہے یا نہیں، اِس لئے کہ دیوبندیّت حضرت

Marfat.com

نانوتویؒ یا حضرت گنگوہیؒ کی تقلیدِ شخصی کا نام ہرگز نہیں۔

دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مسئلہ حیات النبیؐ میں مسلکِ دیوبند کا مدار صرف آبِ حیات پر نہیں، بلکہ "المھند" کی اجماعی مسلکی دستاویز پر ہے پس اس سے اختلاف یقیناً مسلکِ دیوبند سے خروج اور دیوبندیت سے ہٹ جانا ہے ورنہ ان تمام اکابر کی تکذیب لازم آتی ہے، جنھوں نے المھند کو آئینۂ دیوبندیت قرار دیا تھا! اور ان تمام بزرگوں کی بھی تجہیل ہوتی ہے، جو اسے دوسروں کے سامنے دیوبندی مسلکِ فکر کے ترجمان کی صورت میں پیش کرتے رہے۔

مسئلۂ زیرِ بحث میں مسلکِ دیوبند تو المھند سے ہی پوری طرح عیاں ہے تاہم اکابرِ مسلکِ دیوبند کی علیحدہ علیحدہ تصریحات بھی تائیداً پیشِ خدمت ہیں۔ انھیں مرحومین اور موجودین کی ترتیب سے ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:۔

مرحومین:۔

(۱) حجۃ اللہ علی العالمین، مرکزِ دائرۃ التحقیق قطبِ افلاک اسرار التشریع، حضرت مولانا الشیخ محمد قاسم النانوتوی الصدیقی، انار اللہ برہانہ:۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حسبِ ارشاد حضرت امامِ ربانی، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک کتاب "ہدیۃ الشیعہ"[1] تحریر فرمائی تھی۔ آپؒ اس میں رقمطراز ہیں:

---

[1] ہدیۃ الشیعہ اور ہدایۃ الشیعہ دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں۔ اول الذکر حضرت نانوتویؒ کی تصنیف ہے اور ثانی الذکر حضرت گنگوہی کی ہے۔ مولانا نانوتویؒ کی کتاب بھی دراصل حضرت گنگوہی کی ہی تحریک پر لکھی گئی تھی یہ آبِ حیات سے بہت پہلے کی تصنیف ہے۔ حضرت مولانا نانوتویؒ آبِ حیات میں لکھتے ہیں۔

"اور ارشاد حضرت مجموعہ علم و عمل جامع کمالات عیانی و نہانی عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب خلیفہ ارشد حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ باعث تحریر اصل رسالہ اعنی ہدیۃ الشیعہ ہوا تھا۔" (آبِ حیات ص۵ مطبع مجتبائی) ہدیۃ الشیعہ میں حیات النبیؐ کے مضمون کا ہونا ان لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو اسے محض حضرت نانوتویؒ کی افتادِ طبع قرار دیتے ہیں اور اسے ان کے تفرد پر محمول کرتے ہوئے حضرت گنگوہیؒ کو اس سے بالکل لاتعلق قرار دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہدیۃ الشیعہ (حیات النبیؐ کے بیان پر حضرت نانوتویؒ کی پہلی تصنیف) کے محرک ہی حضرت گنگوہی تھے۔ فافہم و تدبر۔

Marfat.com

"رسول اللہ ﷺ بلکہ تمام انبیاءؑ بالیقین قبر میں زندہ ہیں، تو اس صورت میں آپؐ کی ملک زائل ہونے ہی نہیں پائی، جو وارثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو، بلکہ جیسے ہم تم کہیں چلے جائیں یا چندے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں اور ہمارے لواحق وغیرہ ہماری اشیاء کو برتیں اور اس سے ہماری ملک زائل نہیں ہوتی اور برتنے والے یا وارث مالک نہیں بن جاتے۔ کیسے ہی رسول اللہ ﷺ بھی گوشۂ قبر میں پنہاں ہو گئے اور آپؐ بدستور اپنے اشیاء اموال کے مالک۔ کوئی اور مالک نہیں ہو گیا۔ اور حدیث لا نورث ما ترکناہ صدقۃ جو ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے اس حدیث کی لم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ اب تک بقید حیات ہیں۔ پر شیعہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے"۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۲۶۸/۲۶۹ از حضرت نانوتویؒ)

پھر حضرت نانوتویؒ لطائف قاسمیہ میں لکھتے ہیں :۔

"انبیاے کرامؑ کو انھیں اجسام دنیاوی[1] کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں"۔ (لطائف قاسمیہ ص ۳)

"اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق[2] ہو گئی۔ یوں کوئی منکر نہ مانے

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ اور علماء دیوبند جو آنحضرتؐ کی اس عالم برزخ کی حیات کو دنیاوی حیات کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حیات برزخی اسی دنیا والے جسد العنصر سے متعلق ہے نہ یہ کہ وہ حیات بجمیع الوجوہ دنیاوی حیات ہے۔ جب حضرت نانوتویؒ حیات دنیاوی کے مفہوم اور اس کی حدود کو خود واضح فرما رہے ہیں کہ وہ تعینھا اس دنیا والی حیات نہیں بلکہ حیات دنیوی کا اطلاق محض ابدان دنیوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ تو کس قدر مغالطہ دہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے ابطال کیلئے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جائے جن میں اس عالم دنیا کی حیات اور اس کے مطلوب و محبوب نہ ہونے کا بیان ہے جو لوگ اس مغالطہ دہی کے سہارے علماء دیوبند کے خلاف یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ آنحضرتؐ کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور انتقال دار من الدار کے قائل نہیں انہیں حضور کا یہ ارشاد پیش نظر رکھ کر کہ آپ نے مغالطے ڈالنے سے منع فرمایا ہے اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ واللہ ہو الموفق

[2] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ حیات النبی کے مضمون کو محض الزامی طور پر بیان نہیں کر رہے بلکہ اس کا حق ہونا حضرتؒ کے نزدیک محقق ہے۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے افسوس کہ اس باب میں بھی مغالطہ دہی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حیات النبی حضرت کا اپنا عقیدہ نہ تھا بلکہ آپ نے اسے محض الزامی طور پر تردید شیعہ کے لئے بیان کیا تھا۔ رب العزت تقیہ کی تہمت سے محفوظ رکھے۔

Marfat.com

تو وہ جانے ۔ منکروں کا کام یہی ہے ۔ (آبِ حیات ص۳۶)

پھر لکھتے ہیں :۔

" انبیاءؑ کو ابدانِ دُنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے پر حسبِ ہدایت کل نفس ذائقة الموت اور انك ميّت و انّهم ميّتون تمام انبیاے کرام علیہم السّلام خاص کر حضرت سرورِ انام صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت موت کا اعتقاد[1] بھی ضروری ہے ۔" (لطائفِ قاسمیہ ص۴)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے مقام پر انبیاے کرام علیہم السّلام کے لئے وُرُودِ موت کا اقرار ان لفظوں میں کرتے ہیں :۔

"بالجملہ موتِ انبیاءؑ اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ وہاں استتارِ حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاعِ حیات بوجہِ عروضِ موت ہے ۔ اگر موت ضدِ حیات اور صفت وجودی ہو یا بوجہِ دیگر اگر موت عدم اور ملکۂ حیات ہو اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جنابِ باری نے حضرت سرورِ عالمؐ کو جدا خطاب کر کے ارشاد فرمایا : "انّك ميّت" اور سوا آپ کے اوروں کو بھی جدا ارشاد فرمایا : "انّهم ميّتون" اور مثلِ جملۂ لاحقہ "ثم انكم يوم القيٰمة عند ربكم تختصمون" سب کو شامل کر کے یوں ارشاد نہ فرمایا کہ انكم ميّتون ۔ بالجملہ جیسے حیاتِ نبوی اور حیاتِ مؤمنینِ اُمّت میں فرق ہے ۔ چنانچہ اس کے اثبات کے لیے تقریرِ دلائی

---

[1] حضرت کی یہ تصریح ان لوگوں کے منہ پر ایک عبرتناک طمانچہ ہے جو یہ پراپگنڈہ کر رہے ہیں کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور پر وردِ موت ہوا ہی نہیں اور وہ حضور کے لیے کسی قسم کی وفات بھی نہیں مانتے یہ حضرت پر ایک بہتان عظیم ہے ثانیاً اس عبارت سے منکرین حیات کا یہ پراپیگنڈہ بھی بے غبار ہو گیا کہ وفات النبی کی یہ مذکورہ آیات حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو یاد نہ تھیں یا بیانِ حیات النبی کے وقت مستحضر اور سامنے نہ تھیں ۔

اور تحریر شافی کافی اوراقِ گزشتہ میں گزر چکی ہے۔ ایسے ہی موتِ نبوی اور موتِ مؤمنین میں بھی فرق ہے اور وجہِ فرق بین الموتتین وہی فرق بین الحیاتین ہے اور اسی بناء پر لازم ہے کہ نومِ نبوی اور نومِ مؤمنین میں فرق ہو۔ اس لئے کہ النوم اخو الموت چنانچہ خداوندِ کریم نے بھی اپنے کلامِ پاک میں موت اور نوم کو ایک سلک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا[1]۔

جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہوئی۔ چنانچہ ارسال کا تقدم امساک پر دال ہے۔ جیسے موت تقدمِ حیات پر دلالت کرتی ہے، تو پھر جو حال وقت امساک موت ہوگا وہی حالِ وقتِ امساکِ نوم ہوگا۔ جس کی موت کے وقت استتارِ حیات ہوگا، اس کی نوم کے وقت بھی استتار ہی ہوگا۔ فرق ہو تو شدتِ استتار و ضعفِ استتار ہو ...... چنانچہ آں حضرتؐ کا کلام اس ہیچمدان کی تصدیق کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

تنام عینای ولا ینام قلبی او کما قال ﷺ (میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا۔ رواہ البخاری و مسلم بالفاظ مختلفہ)"۔

(آبِ حیات ص $\frac{219}{220}$ مجتبائی)

---

[1] فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمی۔ پ۲۴ زمر یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے[1] وقت بھی اور نیند کے[2] وقت بھی پھر انھیں انکے متعلق روکے رکھتا ہے جنکی موت کا فیصلہ ہو چکا اور دوسری جانوں کو پھر لوٹا دیتا ہے کچھ مدت تک کیلئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل نہیں ہونے پاتی (جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے (فوائد القرآن للشیخ العثمانی ص۶۰۲) ہاں انبیاء کرام سے نیند کے وقت بھی روح نہیں نکلتی اسی سے حقیقت موت پر بھی غور کرلو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

حضرت نانوتویؒ نے "آبِ حیات" کو "تقریر ابوتِ نبویؐ"[1] تک پہنچ کر پھر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ خود لکھتے ہیں :-

"بغرضِ اطمینان وتصدیق[2] مولانا و مخدومنا رونقِ طریقت زیبِ شریعت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ وادام فیوضہ کی خدمت میں عرض کی"۔ (آبِ حیات ص۲۰)

اسی کتاب "آبِ حیات" کے پہلے ورق پر ہی مرقوم ہے :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزیں ہیں، جیسے اُن کا مال قابلِ اجرائے حکمِ میراث نہیں ہوتا ایسے ہی آپ کا مال بھی محلِ توریث نہیں"۔ (آبِ حیات ص۲)

پھر فرماتے ہیں :-

"ارواحِ انبیاءؑ کو بدن سے علاقہ بدستور رہتا ہے۔ ہر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے"۔ (جمالِ قاسمی ص۱۳)

پھر لکھتے ہیں :-

"سماعِ انبیاء علیہم السلام بعدِ وفات زیادہ تر قرینِ قیاس ہے اور اسی لیے اُن کی زیارت بعدِ وفات بھی ویسی ہی ہے، جیسے ایامِ حیات میں "احیاء" کی زیارت ہُوا کرتی ہے"۔ (جمالِ قاسمی ص۱۶ اعزازیہ دیوبند)

---

۱ تسوید تقریر ابوت نبوی آبِ حیات ص۹۳، ص۷، ص۱۰۸، ص۱۴۷، ص۱۹۵ بلکہ اس کے آگے تک پھیلتی گئی ہے۔

۲ حضرت گنگوہیؒ کی تصدیق ان کی اپنی کتاب ہدایۃ الشیعہ میں بھی مرقوم ہے، فرماتے ہیں "اس مضمونِ حیات کو بھی مولانا محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "آبِ حیات" میں بما لا مزید علیہ ثابت کیا ہے"۔ ص۱۸، مطبع مجتبائی۔ حضرت گنگوہیؒ کے اس ارشاد میں ما لا مزید علیہ (کہ اس پر اور کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا) کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی "آبِ حیات" کے متعلق فرماتے ہیں :- "مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ "ہدایۃ الشیعہ" اور رسالہ "حج" وغیرہ میں بھی اس کی تصریح و تائید فرما رہے ہیں۔ (الشہاب الثاقب ص۴۸ بمنی پریس دہلی)۔

Marfat.com

(۲) فخر المحدثین قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ :۔

"ولان النبیین صلوات اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احیاء فلا معنی لتوریث الاحیاء منہم"[1] (الکوکب الدری جلد ۱ ص ۴۲۳)

ترجمہ: "چونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوات سب کے سب زندہ ہیں۔ اس لیے ان کے آگے وراثت چلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

پھر فرماتے ہیں :۔

"آپ اپنی قبرِ شریف میں زندہ ہیں "ونبی اللہ حیٌ یرزق"[2] اس مضمونِ حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "آبِ حیات" میں بما لا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔" (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸ مجتبائی)

پھر ارشاد فرماتے ہیں :۔

"(کسی) قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے، اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوّز سماعِ موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں، سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔[3] اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیلِ جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعتِ مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔[4] پس یہ جواز کے واسطے

---

[1] شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کی اس حیات النبیؐ کی تقریر کے متعلق لکھتے ہیں:۔ تقریر ۱۲ انیقاً ینبغی ان یکتب بماء الذہب۔ (اوجز المسالک جلد ۶ ص ۴۸۲)

[2] سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹۔

[3] معلوم ہوا کہ حضور اکرمؐ کے اپنے روضۂ اطہر میں خود سماعت فرمانے پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا منکر پورے اجماع امت کا منکر ہے۔

[4] ثم یسئل النبی الشفاعۃ یقول یا رسول اللہ ۱۲ اسألک الشفاعۃ۔ (فتح القدیر آخر کتاب الحج جلد ۲، ص ۳۳۷ مصر)۔

Marfat.com

کافی ہے"۔ (فتاوٰے رشیدیہ جلد ۱ صـ۹۹/۱۰۰)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم[1] حضرت گنگوہیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت مفتی عزیز الرحمٰن[2] صاحب مفتیٔ اعظم دارالعلوم نوراللہ مرقدہٗ نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے "اِنَّكَ مَيِّتٌ" الآیۃ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی بہت اونچا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے مگر انبیاء کرامؑ کی ارواح مشاہدۂ جمال و جلالِ حق تعالیٰ شانہٗ و تقابلِ آفتابِ وجودِ باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عینِ ادراک اور عینِ حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء اور بھی ظاہر ہو جاتا ہے"۔ انتہی کلامہ الشریف۔

(۳) رئیس المحققین زبدۃ المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ :

"المہند علی المفند" میں پانچویں سوال کے جواب میں لکھا ہے :-

"عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالة صلى الله عليه وسلم حيّ في قبره الشريف وحياته صلى الله عليه وسلم دنيوية من غير تكليف .... ان حيوته دنيويه برزخية لكونها في عالم البرزخ"۔ (صـ۱۲ اعزازیہ دیوبند)

---

[1] حضرت شیخ الحدیث کا پورا بیان آگے آ رہا ہے۔ یہاں صرف حضرت گنگوہیؒ کا مسلک پیش کرنا مقصود تھا۔ اس لیے اس پر کفایت ہے۔

[2] حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا مسلک بھی اس نقل سے واضح ہو گیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

Marfat.com

اس پر حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں :۔

ھو معتقدنا و معتقد مشائخنا جمیعاً لاریب فیہ۔ (المہند ص۴۶)

ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تصحیح کردہ ابوداؤد کے حاشیہ مکتوبہ میں ہے :۔

ان العرض ھل ھو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبیؐ بجسد کل احد فکفی فی الجواب ما قالہ علی وجہ الصواب۔ (ص۱۵۷)

وفاتِ شریفہ کے بعد حضورؐ پہ درود شریف کیا صرف روحِ مجرد پہ پیش ہوا کرے گا یا روحِ متصل بہ جسد پہ اس کا عرض ہوگا؟ حضورؐ کا جواب کہ انبیائے کرامؑ کے اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوالِ کیفیت کا کافی جواب تھا۔

۴۔ فخر المحدثین زبدۃ العارفین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ :۔

انّ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت بجوابھا کما لا فرق فی حضورہٖ وغیبتہ فی زمان حیاتہ و لھذا العلۃ لم یذھب الیہ

یقیناً نبیِ کریمؐ اپنی قبرِ شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر دکھائی دیں یا پردۂ زمین میں استراحت فرما ہوں (وہ زندہ یقیناً ہیں) جیسے کہ آپؐ کی اس دنیا کی زندگی میں آپؐ کے حاضر ہونے یا غائب ہونے میں (زندہ ہونے کے اعتبار سے)

Marfat.com

احد من الائمة۔ کوئی فرق نہ تھا۔

بذل المجہود جلد ۲ ص ۱۱۷

پھر لکھتے ہیں:۔

ان الانبیاء فی قبورھم احیاء۔ (بذل جلد ۲ ص ۱۶) یقیناً انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

رأس الاتقیاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحب پر اس یقین کی کیفیت اس طرح غالب تھی کہ سامنے اس کا انکشاف ہو رہا تھا۔ تذکرۃ الخلیل میں ہے:۔

"آستانۂ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی آواز نکالنا تو کیا مواجہۂ شریفہ کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے خوفزدہ مؤدبانہ دبے پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دُور کھڑے ہوئے بکمالِ خشوع صلوٰۃ وسلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت حیات ہیں۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجدِ نبویؐ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو حضرتؐ خود سُنتے ہیں"۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۳۰۶)

پھر لکھتے ہیں:۔

عندنا و عند مشائخنا	ہمارا اور ہمارے سب مشائخ کا عقیدہ
حضرۃ الرسالۃ صلی اللہ علیہ	یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبرِ شریف میں زندہ
وسلم حیّ فی قبرہ الشریف	ہیں اور آپؐ کی حیات (اس دُنیا والے
وحیٰوتہ صلی اللہ علیہ وسلم	جسدِ اطہر میں ہونے کے اعتبار سے)
دنیویۃ من غیر تکلیف	دُنیاوی ہے، ہاں (بجمیع الوجوہ دُنیاوی
فثبت بھذا ان حیٰوتہ	نہیں) اس میں آپؐ مکلف بالاحکام

Marfat.com

دنیویّة برزخیّة لکونها فی عالم البرزخ۔ | نہیں۔ پس آپ کی حیات اس طرح دُنیاوی اور عالمِ برزخ میں ہونے کے لحاظ سے برزخی ہے۔

(المہند ص۱۳ اعزازیہ)

۵۔ شیخ الاتقیاء زبدۃ الصّلحاء حضرت مولانا الحاج الحافظ الشّاہ عبدالرّحیم صاحب رائپوری رح۔

حضرت رائپوری قدّس سرّہ العزیز مذکورۃ الصّدر "المہند علی المفند" (جس کی عبارت دربارۂ حیاتُ النّبیؐ اُوپر ہدیۂ قارئین ہوچکی ہے) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

الّذی کتب فی ھٰذہ الرسالة حق صحیح وثابت فی الکتب بنص صریح وھو معتقدی ومعتقد مشائخی رضوان اللہ علیھم اجمعین احیانا اللہ بھا وامانتنا علیھا وانا العبد الضعیف عبد الرحیم عفی عنه الرائیفوری۔

جو کچھ اس رسالہ "المہند" میں لکھا ہے حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نصِ صریح کے ساتھ موجود ہے۔ یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر ہمیں موت دے۔ میں ہوں بندۂ ضعیف عبدالرّحیم عفی عنہ رائپوری۔

(المہند ص۴۸)

۶۔ امامِ کبیر محدّثِ شہیر حضرت مولانا العلّامۃ الشّیخ امام انور شاہ کشمیری رح:۔

یرید بقوله الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط۔ (نخبۃ الاسلام ص۳۶)

آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد کہ "انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں" کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح

زندہ ہیں، بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص انبیاءؑ (روح و بدن کے) مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں"۔

پھر لکھتے ہیں :۔

المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون" انھم ابقوا علیٰ ھذہ الحالۃ ولم تسلب عنھم فلا یرد ان الروح بنفسہ یستطیع الصلوٰۃ ورد السلام فکیف وجّہ فی الحدیث بقاء الحیوۃ بفعل الصلوٰۃ و کذا رد السلام یرد الروح۔

(تحیۃ الاسلام ص۳۶)

"انبیاے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیاے کرامؑ اسی حالت (اشتغال باعمالِ طیبہ) پہ باقی رکھے گئے ہیں اور (فائز الحیات ہوکر اشتغال باعمالِ طیبہ کی) یہ کیفیت ان سے سلب نہیں کی گئی۔ یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی ادائے نماز اور جوابِ سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا، تو حضورؐ نے حیات النبیؐ کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح لوٹنے (متوجّہ ہونے) کے ساتھ جواب سلام کو وابستہ نہ فرمایا ہوتا"۔

پھر ارشاد ہوتا ہے :۔

قولہ فنبی اللہ حی یرزق واحیاء فی قبورھم یصلّون تسرد فی ذکر الحیوۃ افعالھا لا اصلھا او اراد مع الاجساد فان اجسادھم حرّمت علی

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نبیؐ زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیاے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں

Marfat.com

الارض -

(تحیۃ الاسلام ص ۳۶ مصنفہ علامہ انور شاہؒ)

کرتیں، بلکہ افعالِ حیات (زندوں والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا یوں کہیے کہ انبیاے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام کر دیے گئے ہیں -

۷ - حکیم الامت، مجدد الملت محی السنۃ الغراء قامع البدعۃ الظلماء حضرتِ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ :-

"حضرتِ ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاءؑ کے جسد کو کھا سکے - پس خدا کے پیغمبرؑ زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے - روایت کیا اس کو ابنِ ماجہؒ نے - ف پس آپؐ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے، مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل و اقوی ہے - بیہقیؒ وغیرہ نے حدیثِ انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں - کذا فی الہواہب اور یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپؐ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے"۔

(نشر الطیب ص ۳۵۷ تا ۳۵۸ شائع کردہ ادارۂ اشرفیہ، لاہور)

"ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے - دو وجہ سے - ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجدِ نبویؐ میں جانے کو فرمایا، سو وہاں حضورؐ قریب ہی تشریف رکھتے ہیں، ندا غائب لازم نہیں آتی"۔ (نشر الطیب ص ۴۳۱)

"شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے، جس میں حضرات انبیاءؑ شہداء سے

Marfat.com

بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام ہیں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کا نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔" (بیان القرآن جلد ا ص ۴۹ تاج کمپنی)

پھر فرماتے ہیں :۔

"آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں"۔ (التکشف ص ۴۴۶)

"مدینہ منورہ جانے والا .... یوں کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی کیونکہ حضورؐ زندہ ہیں"۔ (وعظ التبلیغ ج ۳ جمادی الاولیٰ ۳۷ سنہ ھ)

۸۔ رئیس المتکلمین، خاتم المحققین، محدث کبیر، شیخ الاسلام، حضرت مولانا العلامہ شبیر احمد عثمانیؒ :۔

الانبیاء احیاء عند ربهم یرزقون۔ (فتح الملہم جلد ا ص ۳۳۰)

انبیائے کرام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔

ان النبی ﷺ حی کما تقرر و انه یصلی فی قبره باذان و اقامة۔ (فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۱۹)

بے شک حضور اکرمؐ زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپؐ اپنی قبر شریف میں اذان و اقامت سے نمازیں پڑھتے ہیں۔

اما بعد وفاته فروحه المقدسة صلی اللہ علیه وسلم قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام ولا یتوهم من هذا انکار حیاته فی قبره

وفات شریف کے بعد آپؐ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء کی ارواح طیبہ کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے۔ لیکن اس سے آپؐ کے اپنی قبر شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپؐ کی روح اقدس قبر میں رکھے بدن پاک

Marfat.com

الشریف فان لروحه صلی الله علیه وسلم اشراقا علی البدن المبارك المطیب واشراقا وتعلقا به وبدنه فی ضریحه غیر مفقود واذا سلم علیه المسلم رد الله علیه روحه[1] حتی یرد علیه السلام کما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملأ الاعلیٰ ومن کثف ادراکه وغلظت طباعه عن هٰذا الادراك فلینظر الی الشمس فی علو محلها۔ (فتح الملہم جلد ۳ ص۲۱۴)

پر اپنا اثر ڈال رہی ہے۔ اس کی اس پر روشنی پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ آپ کا بدن مبارک قبر مبارک سے ہرگز غائب نہیں[2] ہوا اور جب بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو آپ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود آپ ملأ اعلیٰ علیین سے جدا نہیں ہوتے۔ جس کا ادراک کثیف ہو اور اس کی فطرت ایسے حقائق کے ادراک کرنے میں غلیظ ہو، اسے سورج کو اس کے علو محل میں دیکھنا چاہیے۔

۹۔ محدث شہیر، مجاہد کبیر، عمدۃ الفقہاء، رأس الاتقیاء، مفتی اقلیم ہند، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رح:۔

حضرت مفتی اعظم "المہند" (جس میں مسئلہ حیات النبی ایک مستقل سوال اور جواب کی صورت میں مرقوم ہے) اس پر لکھتے ہیں:۔

۱؎ قال شیخ الاسلام المراد بقول رد الله علی روحه کانت سابقة عقب دفنه لا انها تعاد ثم تنزع ثم تعاد کما فی الفتح ص۳۳۔

۲؎ جیسا کہ علامہ قونوی کی رائے ہے۔ والتفصیل فی جذب القلوب۔

رأیت الاجوبۃ کلھا فوجدتھا حقۃ صریحۃ لا یحوم حول سراد قاتہا شک و لا ریب وھو معتقدی و معتقد مشائخی۔[1] (المہند ص۵۳ اعزازیہ)

"میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انھیں حق صریح پایا ہے۔ کوئی شک یا ریب اس کے ارد گرد بھی نہیں گھوم سکتا۔ یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے سب مشائخ بھی انہی عقائد پر تھے۔"

۱۰۔ رئیس المحدثین، امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ الہند والحجاز، حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ اسرارہم۔

"نجدی[2] اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانے تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مؤمنین موت میں برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات برزخی ہے جو احادِ امت کو ثابت ہے، بعض ان کے حفظِ جسدِ نبی کے قائل ہیں مگر بلاعلاقہ روح اور متعدد لوگوں کی زبان سے بالفاظ کریہہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں۔ درباره حیاتِ نبوی علیہ السلام سنا جاتا ہے اور انھوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں لکھا ہے۔ اب غور فرمائیے کہ ان اکابر کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔ حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب تحریر فرمائی ہے، جو کہ مشہور بین العالم ہے۔ اس میں کس

---

[1] یہ تصریح ان لوگوں کے لیے مقامِ عبرت ہے، جو محض اپنے موقف کی حمایت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب پر الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے خود ہی دوسرے اکابر دیوبند کے نام "المہند" کی تصدیقات میں لکھ دیے تھے یا یہ کہ دوسرے اکابر نے "المہند" پر صرف اعتماداً دستخط کر دیے تھے۔ عبارات خود نہ دیکھی تھیں۔ دیکھیے حضرت مفتی صاحب کس طرح واضح طور پر تصریح فرما رہے ہیں کہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں۔ اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مسلکی حمایت میں جھوٹ بولا ہے، انھوں نے جوابات خود ہرگز نہ دیکھے تھے تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں ؎ بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن۔

[2] اس سے مراد نجدیہ متاخرین ہیں، ورنہ متقدمین نجدیہ تو اجماعِ امت کے مخالف نہ تھے۔

زور شور سے حیاتِ نبویؐ کا اثبات کیا ہے اور مذہبِ[1] اہلِ سُنّت الجماعت اور فضائلِ نبوّت میں کس درجہ اور قوّت کے دلائل درج فرمائے ہیں۔ مولانا گنگوہی قدّس اللہ سرّہٗ "ہدایۃ الشیعہ" اور رسالہ "حج" وغیرہ میں بھی اس کی تصریح[2] و تائید فرما رہے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں خصوصًا ان حضرات کی عبارتیں بہت طول طویل واقع ہو رہی ہیں اور متعدد رسالے اسی مضمون کے تفصیلاً و اجمالاً چھپے ہوئے مشہور ہیں اس لیے بخوفِ تطویل میں نقل نہیں کرتا ہوں۔ جس کا جی چاہے "آبِ حیات"، "ہدیۃ الشیعہ"، "اجوبۂ اربعین"، "لطائفِ قاسمیہ" و "ہدایۃ الشیعہ" و "زبدۃ المناسک" وغیرہا رسائل میں دیکھ لیوے۔ یہ ایک خاص مسئلہ ہے جس میں وہابیہ نے علمائے حرمین کی مخالفت کی ہے اور بارہا جدال و نزاع کی نوبت آئی۔ اس مسئلہ میں اور مسئلۂ آئندہ کی وجہ سے وہاں وہابی سُنّی سے ممتاز[3] ہوتا ہے۔"

(رجوم المذنبین ص ۴۸-۴۹ مطبوعہ بمبئی جوپ برقی پریس دہلی، مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ)

"یہ روایت دوامِ حیات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرونِ نماز اور بیرونِ نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ اس لیے دوامِ حیات لازم آئے گا۔"

(مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد ا ص ۲۴۳-۲۴۴ مطبوعہ اعظم گڑھ)

"محمد بن عبدالوہاب اور اُس کے فرقہ سے ان حضرات (اکابر علمائے دیوبند)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ حیات النبیؐ کا عقیدہ ضروریاتِ مذہب اہلِ سنت میں سے ہے، جو اس کا قائل نہیں، وہ دائرۂ اہلِ سنت سے خارج ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ حیات النبیؐ میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے مابین کوئی اختلاف نہ تھا۔ دونوں بزرگوں کا عقیدہ ایک ہی تھا۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ حیات النبیؐ کے اقرار سے ہی کسی کا سُنّی ہونا پہچانا جاتا ہے۔

Marfat.com

کو دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد و اقوال جو طائفۂ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز (بین اہل السنۃ وبینہم) ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں، وہ وفاتِ ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی اور بقائے "علاقہ بین الروح والجسم" کے منکر[1] ہیں۔ اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں، بلکہ مُثبت[2] بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "آبِ حیات" نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لیے[3] لکھا گیا ہے۔ نیز "ہدیۃ الشیعہ"، "اجوبۂ اربعین" حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں"۔ (نقشِ حیات جلد ا صفحہ ۱۰۳ مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح)

"حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز آں حضرت کی شانِ مبارک میں وہ بلند پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں، جن کے حریمِ معلّیٰ تک جلیل القدر علمائے امت کا طائرِ فکر بھی پرواز نہیں کر سکا تھا۔ رسالہ "آبِ حیات"، "قبلہ نما"، "تحذیر الناس"، "ہدیۃ الشیعہ"، "اجوبۂ اربعین"، "قاسم العلوم"، "مناظرۂ عجیبہ" وغیرہ ایسے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں"۔ نقشِ حیات جلد ا صفحہ ۱۰۱

دس اکابرِ دیوبند قدس اللہ اسرارہم کا بیان ختم ہوا۔ "تلک عشرۃ کاملہ"۔

---

[1] حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حیاتِ جسمانی اور بقاء علاقہ "بین الروح والجسم" کے منکر اہل سنت میں سے نہیں اور وہ دیوبندیت سے بھی خارج ہیں۔ [2] اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندیت صرف یہی نہیں کہ آں حضرت کے تعلق بین الروح والجسم کا اقرار کر لیا جائے بلکہ دیوبندی ہونے کے لیے اس کا مثبت ہونا (خواہ تحقیقاً ہو خواہ تقلیداً) اور اس عقیدے کو تسلیم کرانے کے لیے پوری طرح فکر و قوت صرف کرنا ضروری ہے۔ حضرت کا یہ بیان ان لوگوں کے لیے پیامِ عبرت ہے، جو اس تعلق روح و جسم کا اقرار تو کرتے ہیں، مگر اس کے اثبات میں مصلحتہً خاموش ہیں۔ [3] معلوم ہوا کہ "آبِ حیات" لکھنے کی غرض محض ردِّ رفض ہی نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے، بلکہ اصل مقصود عقیدۂ حیات النبی کا اثبات تھا۔

موجودِ دین دامت برکاتہم :۔

(۱) صدر الافاضل، فخر الاماثل، جامع شریعت وطریقت حضرت العلامہ الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم دیوبند :۔

حضرت قاری صاحب لکھتے ہیں :۔

"مسئلۂ زیرِ بحث میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاوے، مقالات اور متوارث ذوق کا تعلق ہے، دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرت کو حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے۔ کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیامِ دار العلوم سے شروع ہوتی ہے۔ جس کی ابتدا حضرتِ اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرتِ نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں کا مسلک بھی حیاتِ دنیوی (کہ اس عالمِ برزخ کی حیات اسی جسدِ اطہر میں ہے، جو اس دنیا میں تھا) ہے، پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامیذ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ دیوبندی مفتیِ اعظم دار العلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا، جو ان کے مطبوعہ فتاوٰی و مقالات میں محفوظ ہے"۔

"پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور دوسرے اساتذۂ دار العلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے

Marfat.com

ہیں۔ اس لیے دیوبندیت تو حیاتُ النبیؐ کے بارے میں حیاتِ دُنیوی (باعتبارِ ابدانِ دُنیا) ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔"

(الصدیق ملتان شمارہ ۳۰ ماہ ربیع الاوّل ۷۷ھ)

"نحمدہٗ ونصلی، احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام بجسدِ عنصری زندہ ہیں، جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔"

محمد طیب مدیر دار العلوم دیوبند حال وارد ملتان[1]

پھر حضرت قاری صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"آبِ حیات" وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب اُستاد رحمۃ اللہ علیہ سے درسًا درسًا پڑھی۔ تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا۔ میں نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں، تو انھوں نے باریں ذہن و ذکاء فرمایا کہ میرے بس کی بات نہیں، تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے؟

..... حاصل[2] یہ ہوا کہ سرورِ عالمؐ ہر آن مشاہدۂ جمالِ الٰہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں اور اُمّت کی طرف بھی آپؐ کی توجہ ہر لمحہ مبذول رہتی ہے، نہ یہ استغراق توجہ میں مانع ہوتا ہے، نہ توجہ استغراق میں۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُمّت کا ایک عارفِ کامل حالتِ کشف میں اپنے محبوب کے

---

[1] یہ اصل تحریر مدرسۂ عربی خیر المدارس ملتان میں موجود ہے۔ [2] جو شبہات منکرینِ حیات کی طرف سے حدیث "ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علیّ روحی" پر وارد کیے جاتے ہیں، اُن کا ازالہ فرمانے اور مضمونِ حدیث پر نہایت نفیس بحث کرنے کے بعد حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم یہ بیان ارشاد فرما رہے ہیں

Marfat.com

جمالِ جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا، تو اُس نے سرورِ عالم ؐ کو اس حال میں پایا ـــــ

ورایتہٗ مستفرغاً علی حالۃ واحدۃ ...... متوجھاً الی الخلق لابساً لباس العظمۃ .... فاذا توجہ الیہ انسان بجھد ھمتہ ولا اریدیا الانسان لعالی الھمۃ فقط بل کل ذی کبد یشتاق الی شئ ویتوجہ الیہ بقصدہٖ و شوقہ فانہ یتدلی الیہ ... ورایتہ صلی اللہ علیہ وسلم ینشرح انشراحاً عظیماً لمن صلی علیہ وسلم ومدحہ۔

"میں نے سرورِ عالم ؐ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ؐ بندگانِ الٰہی کی طرف متوجہ تھے۔ پوری توجہ کے ساتھ۔ عظمت و بڑائی کا لباس آپ ؐ کے زیبِ تن تھا۔ جب کوئی خدا کا بندہ ذوق و شوق کے ساتھ آپ ؐ کی طرف متوجہ ہوا، تو میں نے دیکھا کہ سرورِ عالم ؐ اُس سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور ؐ پر درود و سلام بھیجا اور آپ ؐ کی تعریف کی تو آپ ؐ اُس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔"

یہ کشف ہے ان کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ جسے انھوں نے اپنی مشہور کتاب "فیوض الحرمین"[1] میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم و احکم۔"

(مضمون حضرت العلامہ القاری محمد طیب صاحب ماہنامہ دارالعلوم دیوبند) ربیع الاول ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۳ء

---

[1] فیوض الحرمین ص۲۳ ۔ پھر یہ بھی فرماتے ہیں: ما توجھت قبل قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الا ورایتہ حاضراً ظاہراً اما بان انفلتم بصور روحی فرأیتہ علی ما ھو واما ان تأثرت نفسی منہ تأثراً۔
(فیوض الحرمین ص۳۳، مطبوعہ دیوبند)

Marfat.com

۲ - زبدۃ المحدثین، شمس العارفین، شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب
دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور :-

مکرم محترم مد فیوضکم بعد سلام مسنون - نہایت طویل گرامی نامہ پہنچا - آپ نے ایسے شخص کو مخاطب بنایا جو نہ تو مفتی نہ مولوی - اس ناکارہ کی حقیقت ایک نقل نویس کی ہے - اس سے زیادہ کچھ نہیں جو اکابر و اسلاف کے کلام میں ملتا ہے اسی کو ادھر اُدھر نقل کرتا رہتا ہوں، اسی کا نام شرح موطا ہے - یہی تبلیغی رسائل کی حقیقت ہے - آپ نے تحریر فرمایا کہ دونوں طرف کچھ لوگ میری تحریر کو قبول کرنے کو آمادہ ہیں موجب تعجب ہے - جن حضرات کو اس ناکارہ کے جملہ اکابر حضرت گنگوہی قدس سرہ سے لے کر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ تک کی تحریرات قابلِ قبول نہیں ہیں وہ اس ناکارہ کی تحریر کو کیا قبول کر سکتے ہیں - بہرحال یہ ناکارہ اُن اکابر کا بالکل متبع ہے - ان کے اس صاف ارشادات اور تحریرات کے بعد جس پر حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائپوری، حضرت تھانوی قدس اللہ اسرارہم نے بلا کسی اجمال کے "ھذا معتقدنا و معتقد مشائخنا" لکھا ہے کیا کوئی گنجائش ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا جا سکے - جو نصوص آپ نے ممات کے متعلق لکھی ہیں، اُن سے کوئی پڑھا لکھا انکار کر سکتا ہے؟ بالخصوص جن حضرات کی راتیں ہمیشہ تلاوت قرآن اور دن ساری عمر تدریسِ بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث میں گزریں، ان کو کبھی بھی پتہ نہ چلا کہ قرآن پاک کی آیات میں کیا وارد ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کیا فرمایا - ان میں سے حضرت رائپوری قدس سرہٗ کے علاوہ کونسا ایسا ہے جس کی عمر کا معتد بہ حصہ تدریسِ حدیث میں نہیں گزرا اور حضرت اقدس رائپوری قدس سرہٗ کے علوم و معارف کو سننے والے ابھی تک دنیا میں بکثرت موجود ہیں - مگر ان میں سے کسی کو بھی نہ تو قرآن پاک کی

Marfat.com

کسی آیت کا پتہ چلا نہ حدیث پاک میں کوئی ممات والی روایت ان کی نظر سے گزری۔ یہ ناکارہ اپنے ان اکابر کے متعلق وہی عقیدہ رکھتا ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے اکابر یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "فانہم علی علم وقفوا وببصر نافذ کفوا وہم علی کشف الامور کانوا اقوی وبفضل ما کانوا فیہ اولی فما دونہم من مقصر وما فوقہم من محسر وقد قصر قوم دونہم فجفوا وطمح عنہم اقوام فغلوا وانہم بین ذلک لعلی ھدی مستقیم"۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دورِ فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا۔ جب تک کہ سلفِ صالحین کے خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی "ان من ورائکم فتنا یکثر فیہا المال ویفتح فیہا القرآن حتی یاخذہ۔ المومن والمنافق والرجل والمرأۃ والکبیر والصغیر والعبد والحر فیوشک قائل ان یقول ما للناس لا یتبعونی وقد قرأت القرآن ما ہم بمتبعی حتی ابتدع لہم غیرہ فایاکم وما ابتدع الخ[1] لہٰذا یہ ناکارہ تو حذو النعل بالنعل ان حضرات کا جامد متبع ہے اور اس ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ بھی ان اکابر کی تحقیق کے خلاف ہے تو وہ لغو ہے، ناقابلِ التفات ہے، مردود ہے۔ اس سب کے بعد گرامی نامہ کے مستفسرات کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ جیسا حیات کے درجات متفاوت ہیں، جس کا اعتراف یہ حضرات خود بھی کرتے ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا۔ اسی طرح ممات کے بھی درجات مختلف ہیں۔ نوم پر بھی احادیث صحیحہ صریحہ میں موت کا اطلاق کیا گیا ہے اور جاگنے کی دعاؤں میں کثرت سے "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا" وارد ہے قرآن پاک میں "اللہ یتوفی الانفس حین موتہا" الآیہ

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۷ - کتاب السنۃ

Marfat.com

میں نومِ پر وفات کا اطلاق کیا گیا۔ "لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ" میں موت کی نفی کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا جن نصوص میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کا اطلاق کیا گیا۔ ان میں سے کوئی سی بھی حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ یا اکابرِ دیوبند یا مہند کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ کے خطبہ میں بھی وہی موت مراد ہے، جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان ہے۔ خود حضرتِ عمرؓ کے تفصیلی اقوال جو اس سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں، اس کی واضح تائید کرتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ کسی نوع ممات کے بھی قائل نہ تھے چنانچہ اُن کا ارشاد "ان رجالاً من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی واللہ ما مات ولکن ذھب الی ربہ کما ذھب موسی ابن عمران واللہ لیرجعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما رجع موسی فلیقطعن ایدی رجالٍ وارجلھم زعموا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات" بیہقی کی روایت سے خود حضرتِ عمرؓ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا کہ وہ آیت وکذالک جعلنکم امۃ وسطاً الآیہ کے متعلق فرماتے ہیں: "واللہ ان کنت اظن انہ صلی اللہ علیہ وسلم سیبقی فی امتہ حتی یشھد علیہ باٰخر اعمالھا وانہ ھو الذی حملنی علیٰ ان قلت ما قلت" لہٰذا شیخینؓ کے مکالمہ کو موجودہ مسئلہ متنازعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ حضرتِ عمرؓ موت کا بالکلیہ انکار فرماتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابھی واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس کے لحاظ سے حضرت صدیقِ اکبرؓ کا ردّ بالکل صحیح اور واضح ہے کہ بنوع من الموت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار صرف موت بجمیع الوجوہ سے ہے کہ نوع خاص من الحیٰوۃ فی الجسد الاطہر باقی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات اجسادِ انبیاء کے بقاء کے قائل

ہیں۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ لیکن ان اجساد میں اگر کسی نوع کی بھی حیات نہ مانی جائے، تو یہ حدیثِ پاک ہی مہمل بن جائے گی۔ اس لیے کہ حضورؐ کا پاک ارشاد اس حدیثِ پاک میں یہ ہے: "اکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ"۔ اس پر صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوتا ہے "قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض وقد بلیت"۔ اس پر حضورؐ جواب فرماتے ہیں: ان اللہ حرّم الخ آپ ہی غور کریں کہ اگر ان پاک اجساد میں کوئی نوع حیٰوۃ کی نہیں، تو حضورؐ کا یہ پاک ارشاد صحابہؓ کے اشکال "کیف تعرض" کا جواب کیسے بن گیا۔ روایت بھی صحیح ابنِ حبّان کی ہے اور حاکم نے اس کو علیٰ شرط البخاری بتلایا ہے اور علّامہ ذہبیؒ نے اقرار کیا۔ ایک چیز یہ بھی قابلِ غور ہے کہ باجماعِ اُمّت قبرِ اطہر کا وہ حصّہ جو جسدِ اطہر سے متّصل ہے۔ کعبہ شریف بلکہ عرشِ معلّٰی سے بھی افضل ہے۔ کیا یہ فضیلت صرف اس جسدِ اطہر کی ہے جس کے ساتھ کبھی رُوح کا تعلّق رہ چکا ہے، اب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر موئے مبارک جو جسدِ اطہر سے جُدا ہو چکے ہیں، اُن کا بھی یہی حال ہوتا، بلکہ لباسِ مبارک جو کبھی جسدِ اطہر پر پڑ چکا ہے اُس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال یہ ناکارہ تو اکابر دیوبند قدّس اللہ اسرارہم کا ہمہ تن متّبع ہے اور ان سب حضرات کا متّفقہ فیصلہ "المہنّد" میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے۔ اس سے آپ کے جملہ سوالات کا جواب واضح ہو گیا۔ مختصر نمبروار بھی عرض ہے۔ لیکن آپ نے صفحہ ۵ پر سوالات کر کے گرامی نامہ ختم کر کے صـ۶ پر پھر وہی سوالات عبارت کے تغیّر کے ساتھ درج کر دیے۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہرحال ہر دو کے جواب حسبِ ذیل ہیں:۔

صـ۵ (۱) اجسادِ انبیاء کرام علیہم السّلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔

(۲) یہ ظاہر ہے کہ حیٰوۃ تو روح ہی کے تعلّق سے ہوتی ہے۔ بغیر تعلّقِ روح

Marfat.com

کے حیاۃ کا کیا مطلب ؟

۳ اگر ایسی حیاۃ ہوتی جو ہر ذرۂ کائنات میں ہوتی ہے، تو پھر انبیاءؑ کی کیا تخصیص رہی

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں[1]: "نحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ"

۴ ایک دیوبندی سے یہ سوال کہ علماءِ دیوبند کا یہ قول قابلِ اقتدا ہے یا نہیں بے محل ہے۔ علامہ سخاویؒ تو امام بیہقیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں[2] "قال البیہقی وفی حدیث سعید ابن المسیب عن ابی ھریرۃؓ انہ لقیھم بیت المقدس وفی حدیث ابی ذرؓ ومالک بن صعصعۃ فی قصۃ المعراج انہ لقیھم فی جماعۃ من الانبیاء بالسموات فکلمھم وکلموہ وکل ذلک صحیح لا یخالف بعضھم بعضا فقد یری موسیٰ علیہ السلام قائما یصلی فی قبرہ ثم یسری بموسیٰ وغیرہ الی بیت المقدس کما اسری بنبینا فیراھم فیہ ثم یعرج بھم الی السموات کما عرج بنبینا فیراھم فیھا کما اخبر قال وحلولھم فی اوقات مختلفۃ لمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بہ خبر الصادق وفی کل ذلک دلالۃ علی حیوتھم" یہ تو بہت ہی صاف ہے لیکن اگر یہ حضرات اپنی قبروں میں رُوح مع الجسد ہوں اور دُوسری مواضع میں رُوح متمثل ہو۔ جیسا کہ بعض نے فرمایا تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

۵ جو شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کے پاس کھڑا ہو کر دُرود پڑھے، حضورِ اقدسؐ اُس کو سنتے ہیں۔ "من صلی علی عند قبری سمعتہ"

---

[1] القول البدیع ص۱۲۵ [2] القول البدیع ص۱۲۶ [3] القول البدیع ص۱۱۶

Marfat.com

نصِ صریح ہے۔ علامہ سخاویؒ[1] نے حافظ ابنِ حجرؒ سے نقل کیا ہے "سندہٗ جید"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے تاکہ قبرِ اطہر پر سلام پہنچائے۔ اگر کوئی فرق نہیں تھا، تو ان کا یہ فعل عبث تھا۔ فقط۔

اس کے بعد صفحہ ۱۹ پر پھر مکرر سوالات درج ہیں نہ معلوم کیوں؟

۱۔ یہ اُوپر بیان ہو چکا کہ ان سب حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے اجساد میں ایک خاص نوع حیٰوۃ کی ہے۔

۲۔ یہ سوال بھی مکرر ہے اور جواب بھی وہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجسادِ انبیاءؑ میں ایک خاص نوعِ حیٰوۃ کی ہے۔

۳۔ مجھے حضرتِ نانوتویؒ اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مسلک میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ مہند میں حضرت سہارنپوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت رائپوریؒ وغیرہ کا یہ ارشاد "ھذا معتقدنا و معتقد مشائخنا" واضح ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں حضراتؒ کے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت مفتی عزیزالرحمٰن صاحب مفتیِ اعظم دارالعلوم نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے "انک میت" الآیۃ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی تعبیر سے بھی اُونچا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے، مگر انبیاء کرام کی ارواح مشاہدۂ جمال و جلالِ حق تعالیٰ شانہٗ و تقابلِ آفتاب وجودِ باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزاءِ بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکمِ روح پیدا کر

---

[1] دیکھو شفاء السقام ص۱۴۲۔

Marfat.com

لیتا ہے۔ اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے۔
اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ان اللہ
حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بھی ظاہر ہو جاتا ہے الخ
آپ بھی غور کیجیے کہ ہم ناواقف ان واصلین کے علوم تک کہاں پہنچ
سکتے ہیں۔

۴۔ معلوم نہیں ایک ہی سوال کو بار بار مختلف عنوانات سے لکھنے میں کیا
مقصد ہے۔ یقیناً مُہنّد میں جو ہے صحیح ہے۔ شہاب ثاقب اس وقت
میرے سامنے نہیں ہے۔

۵۔ حضرت رائپوری دام مجدہم بار بار زبانی اور تحریری ارشاد فرما چکے ہیں کہ
میرا مسلک وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے۔ اس وقت بھی یہی فرمایا اور
یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں تو ۸۰ سال
سے متجاوز ہو کر من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد
علم شیئا میں داخل ہو گیا ہوں۔ اور بھی کسر نفسی کے الفاظ ارشاد فرمائے
جن کا نقل دشوار ہے کہ میں ان حضرات اکابرؒ کے مقابلے میں کیا چیز ہوں۔

۶۔ اگر روایت صحیح نہ کہنے والے حافظ ابن حجرؒ سے اونچے ہیں، تو ان کے
قول پر غور کیا جا سکتا ہے۔

(نوٹ) علامہ ذہبیؒ کا قول جرح و تعدیل میں معتبر ہے۔ لیکن ہر شخص کے قول کو
دیگر اہل فن کے اقوال کے لحاظ سے دیکھا جائے گا۔ اگر علامہ ذہبیؒ کی جرح و
تعدیل دوسرے اکابر کے خلاف ہوگی، تو غور کیا جائے گا، ورنہ یقیناً معتبر ہے۔ فقط

آخر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ دقیق مسائل عوام کی عقول سے اونچے
ہیں۔ اردو رسائل و اشتہارات میں لانا ان میں بحثیں کرنا نہایت ناموزوں ہے۔

Marfat.com

لا یدرک الصبی مدارک العالم ہر دو فریق سے درخواست ہے کہ اس بحث کا سلسلہ جلد از جلد بند کر دیا جائے۔ فقط والسلام

زکریا بقلمِ خود۔ مظاہر علوم سہارنپور

۲۵ ج ۲ ۱۳۷۸ھ

۳۔ فخر المحدثین والفقہاء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ۔

من ینکر حیاتہٗ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ــــ کان فوادہٗ فارغًا من حبہ و عقلہ خالیًا من لبہ۔	جو شخص حضور اکرمؐ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اس کا دل حضورؐ کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

اعلاء السنن جلد ۱۰ ص ۳۳۹

۴۔ زبدۃ الفقہاء بدر الادباء حضرت مولانا الحاج مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم۔ سابق مفتیِ اعظم دار العلوم دیوبند:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ رسالہ "رحمتِ کائنات" مصنفہ مولانا محمد زاہد الحسینی تقریبًا پورا مطالعہ کیا۔ حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرماویں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاقیامت باقی رہنے والے فیوض وبرکات اور آثارِ حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے جو سرمایۂ سعادتِ دنیا وآخرت ہے (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی

Marfat.com

بحمد اللہ اس سے بڑا نفع پہنچا۔ دل سے دعا نکلی۔ جمہور علماءِ امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، اُن کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیاتِ دُنیوی کے بالکل مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ آثار بعض دُنیاوی احکام میں بھی باقی ہیں، مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا۔ ازواجِ مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متقدمین میں امام بیہقی رح کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطی رح کا مستقل رسالہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے کافی ہے جن میں روایاتِ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

بیہقی رح نے فرمایا ہے "وللحیاۃ الانبیاء بعد موتھم شواھد من الاحادیث الصحیحۃ" اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیثِ صحیح سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے روح پر نہیں۔ اس لیے حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور "شفاء الاسقام" میں امامِ حدیث وفقہ تقی الدین سبکی رح نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے لکھا۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد وفات کے حیاتِ جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ:-

وقد ذکرناہ من جماعۃ من العلماء وشهد له صلوۃ موسی علیه السلام فی قبرہ فان الصلوۃ یستدعی جسداً معها وکذالک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلها صفات الاجسام ولا یلزم من کونها حیاۃ حقیقۃً ان یکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذالک من الصفات الاجسام التی نشاهدها بل قد یکون لها

Marfat.com

حکم آخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیاۃ الحقیقیۃ بھم۔

(شفاء الاسقام من السبکیؒ)

اس کے بعد شہداء کی حیاتِ برزخی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:۔

فلم یبق الا انھا حیاۃ حقیقیۃ الآن وان الشھداء احیاء حقیقۃً وھو قول جمھور العلماء لکن ھل ذلک للروح فقط او للجسد معھا فیہ قولان۔

اس کے بعد اس قولِ ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیاتِ حقیقی صرف رُوح کے لیے نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء اُمّت کے لیے برزخ میں حیاتِ حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ اُن سے اعلیٰ واقویٰ ہی ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثلِ حیات دُنیوی کے ہے۔ جمہور علماء اُمّت کا یہی عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ میرا اور سب بزرگانِ دیوبند کا ہے۔

(۳، ۴) مسئلۂ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیاتِ رُوحانی کا قول جمہور علماءِ اُمّت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیّت کوئی مستقل مذہب نہیں، اتباعِ سلف و جمہور اہلِ سُنّت والجماعت ہی کا نام دیوبندیّت ہے جو عقیدہ جمہور اہلِ سُنّت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ دارالعلوم کراچی ۱

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۷۸ھ

Marfat.com

۵- محدّثِ کبیر، فقیہِ شہیر جامعِ معقول و منقول حضرت مولانا الحاج مفتی مہدی حسن صاحب دامت برکاتہم، مفتیِ اعظم دار العلوم دیوبند:-

الجواب

آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے مزارِ مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں۔ آپ کے مزارِ مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سُنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سُنیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزارِ مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہٖ و روحہٖ ہے۔

جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے۔ اُس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ (الحدیث) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم من صلّی علیّ من بعید اعلمتہ رواہ ابو الشیخ وسندہ جیّد۔ (القول البدیع) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم احیاء فی قبورھم یصلّون رواہ ابن عدی والبیھقی وغیرھما۔ (شفاء الاسقام ص ۱۳۴)

تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو انکار کرتا ہے، بدعتی اور خارج اہلِ سنّت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزارِ مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سُنتے بھی ہیں اور اپنے مزارِ مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

کتبہٗ السیّد مہدی حسن، مفتی دار العلوم دیوبند

۵/۲۶ ۱۳ ھ

۵۰۳ الف الجواب

اہلِ سُنّت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاء اپنی قبوروں میں حیات ہیں۔ ان کی ارواح کو ان کے اجسامِ مطہرہ سے خصوصی تعلق ہے۔ اس خصوصیت میں مخلوق میں سے کوئی ان کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ ان کی قبور پر سلام پڑھا جائے، تو وہ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں:۔

قال الشیخ الکبیر ابو عبداللہ القرشی سافرت الی الشام فلما وصلت الی قریب ضریح الخلیل علیہ وعلی نبینا افضل الصلوٰۃ والسّلام تلقانی فقلت یا رسول اجعل ضیافتی عندک الدعاء لاھل مصر فدعا لھم ففرح اللہ عنھم فقال الیافعی نقولہ تلقانی الخلیل قول حق لا ینکرہ الا جاھل بمعرفۃ ما یرد علیھم من الاحوال التی یشاھدون فیھا ملکوت السمٰوٰت والارض وینظرون الانبیاء احیاء ردت الیھم ارواحھم بعد ما قبضوا واذن لھم فی الخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی الخ (الفتاوی الحدیثیہ)

و یمثل صورتہ الکریمۃ السھیۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانہ نائم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ قال صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ (الاختیار شرح المختار صـ۱۷۲ ج۱)

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فداہ امی و ابی، اپنے مزارِ مبارک میں اپنے جسدِ اطہر کے ساتھ حیات ہیں، جو اہلِ سُنّت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ زائر کے صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اس لیے زید کا خیال صحیح نہیں ہے۔ بکر کا قول اور اس کا عقیدہ صحیح اور اہلِ سُنّت والجماعت کے مطابق ہے اور کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے۔ مواہب لدنیہ، شرح زرقانی، انباء الاذکیاء

Marfat.com

الخصائص الکبریٰ - شرح اللباب - شفاء السقام وغیرہا ذالک من الکتب -

بے شک اس عقیدے کے سلسلے میں زید اہل سُنّت کے عقیدے سے خارج ہے کہ یہ اس کا عقیدہ اہلِ سُنّت والجماعت کے خلاف ہے -

سیّد مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند

۲۵ ۸۷ھ

۶- رأس الاتقیاء، اُستاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتی دامت برکاتہم، خلیفۂ اعظم حضرت مولانا الشیخ حسین علیؒ واں بھچروی -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام اولادِ آدمؑ کو موت کا پیالہ پینا ہے کل نفسٍ ذائقۃ الموت اور انک میت وانھم میتون - کل من علیھا فان - اعلانِ خداوندی ہے تمام بنی آدم خواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں ضرور ایک وقت مرتے ہیں - اس کے ساتھ موت کے بعد بھی انسان میں ایک نوع حیات موجود رہتی ہے جس سے وُہ ثواب اور عذاب سمجھتا ہے - احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ میّت کو چار پائی پر قبرستان لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو "قدّمونی - قدّمونی" "مجھے جلد پہنچا دو" کہتا ہے اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے کہ "اے مجھے ہلاکت ہو - مجھے کہاں لے جا رہے ہو" قبر میں سوالِ منکر نکیر - میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے وقت جوتوں کا آواز سُننا - قبر میں عذاب اور ثواب - یہ دلیل ہے کہ موت کے بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے - شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان "احیاء" "حیاتِ ثبت" کی دلیل ہے - اسی حقیقت کے ساتھ سردارِ انبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات اُن کی

شان کے مناسب ہے، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جسدِ اطہر قبرِ شریف میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جسدِ اطہر پر نہیں کر سکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف جہراً سلام ڈالے، تو حضورِ اکرم، صلی اللہ علیہ وسلم، خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسولِ اکرم کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیثِ شریف، فقہائے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا، یہ تو ایک اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔

مسکین نصیر الدین غور غشتوی

۷۔ بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مجاہد کبیر، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری دامت برکاتہم۔

"انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسدِ عنصری سے زندہ ہیں، جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبارِ ابدانِ دنیوی دنیوی بھی ہے اور باعتبارِ عالمِ برزخ برزخی بھی ہے انبیائے کرام کا ابدانِ دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابرِ دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے۔ یہ مسئلہ اکابرِ دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ میرے خیال میں ہر صاحبِ بصیرت اس عقیدہ حیات النبیؐ کا منکر نہیں ہو سکتا۔ جن کی باطن کی آنکھیں کھلی ہیں۔ ان کے نزدیک تو حضورِ نبیِ اکرم، صلی اللہ علیہ وسلم کی روضۂ اطہر کی حیات بدیہیات میں سے ہے۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

Marfat.com

۸۔ رئیس الاتقیاء اُسوۃ الصلحاء شیخ المشائخ حضرت مولانا الشاہ عبدالقادر رائپوری دامت برکاتہم

۱۔ "میرا مسلک وہی ہے، جو اکابرِ دیوبند کا ہے۔ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ (ارشاد حضرت رائپوری بہ تحریر حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی)

۹۔ دارالافتاء مدرسہ عربیہ مفتی کفایت اللہ رح بقلم شیخ الحدیث والفقہ علامہ محمد عبدالغنی دامت برکاتہم۔

الجواب

صریح صحیح اور قوی متفق علیہ حدیث میں ہے: الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب اور شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اہلِ سنت نے تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جو بقتضائے نور اور دریچہائے جنت ہیں، حقیقتاً زندہ ہیں۔ ان کو وہاں سے کہیں دوسری جگہ نقل نہیں کیا جاتا الا فی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ شرحِ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: حیاتِ انبیاء متفق علیہ ہست۔ ہیچ کس را در و خلافے نیست۔ حیاتِ جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیاتِ معنوی روحانی چنانکہ شہدا را است اور حضرت محدث گنگوہی رح نے بھی اپنے فتاوٰی میں کئی جگہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اور مزارِ مبارک کے پاس استشفاع بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بالاتفاق سنتے ہیں۔ اس استشفاع اور طلبِ دعا جناب باری تعالیٰ میں کسی کو اختلاف نہیں۔

الحاصل حیاتِ انبیاء فی القبور کا عقیدہ ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کا انکار اجماع کا انکار ہے اور سخت بدعتِ اعتقادی کا ارتکاب ہے۔ بہرحال اگر کسی نے لاعلمی کی وجہ سے انکار کیا، تو جہالت عضہ واجب الاجتناب ہے اور اگر احادیثِ کثیرہ اور اجماعِ امت کو رد کرتے ہوئے انکار کیا تو اس بدعتی عقیدہ ضلالہ سے توبہ واجب ہے۔ فقط

محمد عبدالغنی غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی ۲۷ جون سنہ ۱۹۵۹ء

Marfat.com

صورة ما كتبه اكابر العلماء وجهابذة الفضلاء
ممن تولى التدريس والافتاء

مسئلہ حیات النبیؐ

میں

اکابرِ دیوبند کا مسلک اکابرِ دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابرِ دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسدِ عنصری کے ساتھ عالمِ برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس میں جو درود پڑھا جائے بلاواسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔

اکابرِ دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیاتِ انبیاءؑ پر "آبِ حیات" کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ "المہند علی المفند" بھی اہلِ انصاف اہلِ بصیرت کے لیے کافی ہے اب جو اس مسلک کے خلاف دعوے کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابرِ دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی ۵

عبد الحق عفی عنہ
مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ

(مفتی) محمد صادق عفا اللہ عنہ
سابق ناظم محکمۂ امور مذہبیہ بہاولپور

محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ
جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

شمس الحق عفا اللہ عنہ
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

(مفتی) محمد حسن
مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ۔ شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ
(ٹنڈو الہ یار سندھ)

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
دار العلوم کراچی

Marfat.com

Marfat.com

دفتر

مسئلہ جمع القرآن

حضرت مولٰنا علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی

فاضل دیوبند ایم اے عربی، ایم اے فارسی و ایم اے اسلامیات مصنف "مقامِ حیات" نے مسئلہ جمع القرآن کے چند پوشیدہ گوشوں کو اپنی زیرِ طبع تالیف میں بے نقاب کیا ہے۔

تفصیلات کا انتظار فرمائیے

Marfat.com

دفتر

مسئلہ جمع القرآن

حضرت مولٰنا علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی

فاضل دیوبند ایم اے عربی، ایم اے فارسی و ایم اے اسلامیات مصنف "مقامِ حیات" نے مسئلہ جمع القرآن کے چند پوشیدہ گوشوں کو اپنی زیرِ طبع تالیف میں بے نقاب کیا ہے۔

تفصیلات کا انتظار فرمائیے

Marfat.com